مجموعۂ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری

ادارۂ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

جلد ۱۴-۱۵-۱۶

مجموعۂ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفۂ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرۃ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

☎061-540513-519240

نام کتاب........انوار الباری جلد ۱۴-۱۵-۱۶

تاریخ اشاعت............جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ

ناشر...... اِدارۂ تَالِیفَاتِ اَشرَفِیہ ملتان

طباعت............سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

ادارہ اسلامیات انارکلی، لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور

مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

بک لینڈ اردو بازار لاہور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول علیہ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

كتاب مواقيت الصلوٰة ۱۱۸

جلد--۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انوار الباری
۱۲
اردو شرح
صحیح البخاری

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الشفيع الكريم اما بعد

انوارالباری کی نشاۃ ثانیہ

راقم الحروف نے انوارالباری کے کام کی ابتداء نظر بہ فضل خداوندی صرف اپنے بھروسہ پر کی تھی اور محض اس کے ہی فضل وانعام سے ۱۳ حصوں تک اشاعت ہوگئی تھی، اس کے بعد یکا یک حالات کا رخ پلٹا، پاکستان کے لئے کتب ورسائل جانے پر پابندی لگ گئی، زیادہ تعداد خریداروں کی پاکستان میں تھی اور وہ بھی ایسے قدر دان کہ پابندی لگنے پر بھی کچھ لوگ طلب کرتے رہے، ان پر انوارالباری منگانے کی وجہ سے مقدمے قائم ہوئے، جرمانے ہوئے، کتاب ضبط ہوئی، پھر بھی وہ حجاز وکویت وغیرہ کے ذریعے منگاتے رہے، ادھر مالی حالات اور دوسرے موانع آئندہ تالیف واشاعت کے کام میں سدراہ ہوئے کئی سال ہمت وحوصلہ کی شکستگی اور تعطل کی نذر ہوگئے، اس کے بعد پھر فضل ورحمت ایزدی نے دستگیری کی اور افریقہ کے احباب ومخلصین مولانا اسماعیل گارڈی، مولانا قاسم محمد سیما، مولانا احمد محمد گردا، مولانا عبدالقادر ملکپوری، مولانا یوسف عمرواڑی، مولانا عبدالحق عمرجی، الحاج ایم ایس ڈوکرات، الحاج ایم موسیٰ بوڈھانیہ، الحاج ابراہیم بھائی کوساڈیہ، مفتی برادرس وغیرہم نے خصوصی توجہ کی، راقم الحروف کو افریقہ بلایا اور کتاب مذکور کی آئندہ تالیف، تکمیل و اشاعت کو ضروری سمجھتے ہوئے کام کو پھر سے جاری رکھنے کی تحریک وتجویز کی، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے اور مجھے توفیق بخشے کہ ان حضرات کی نیک توقعات کو پورا کرسکوں، آمین۔

نوعیت کار کی تبدیلی

احباب افریقہ کی خواہش یہ بھی ہوئی کہ میں اس تالیف کو مختصر کر کے ۲۵ یا ۲۷ جلدوں میں مکمل کردوں اور عجلت کار کے خیال سے یہ بھی تجویز ہوئی کہ میں اپنے ساتھ ایک دو معاون رکھ لوں اس پر میں نے کچھ عرصہ تک دو حضرات کو ساتھ رکھا، مگر افسوس کہ وہ میرے طریق کار کا ساتھ نہ دے سکے۔ اس لئے پھر حسب سابق اس منزل کا تن تنہا سفر کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ رفیق محترم مولانا سید محمد یوسف صاحب، بنوری مرحوم کو اپنی بے پایاں جنتوں سے نوازے، ان کی خواہش تھی کہ میں کراچی جا کر ان کے پاس رہوں اور انوارالباری و معارف السنن کے کام کو ہم دونوں باہمی مشورے اور تعاون سے مکمل کریں، انوارالباری کی پاکستان میں توسیع اشاعت کے لئے بھی وہ بہت کچھ کرنا چاہتے تھے، مگر آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

ہم دونوں نے جو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی صحبت و معیت اور استفادات کی بدولت ایک راہ اپنائی تھی کہ احقاق حق بلا خوف لومۃ لائم کرتے رہیں گے اور محققین اکابر امت کے تفردات پر بھی بحث و نظر اور تعقبات و استدراکات کا سلسلہ دلائل و براہین کی روشنی میں علی وجہ البصیرت جاری رکھیں گے، خدا کا شکر ہے کہ اس کو بڑی حد تک نباہا اور چلایا مگر اب میں اس راہ میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ **واللہ المستعان و علیہ التکلان۔**

اس لئے اختصار کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ آئندہ اقساط میں متن بخاری شریف کی جگہ صرف ابواب بخاری کا حوالہ دیا جائے اور مکمل ترجمہ احادیث کی جگہ تشریح مطالب ضرور یہ پر اکتفا کی جائے اور اہم مسائل میں اعیان و اکابر امت کی تحقیقات و آراء کے ساتھ ان کے تفردات کی نشاندہی کرتے ہوئے تعقبات اور استدراکات درج کر دیئے جائیں۔ **والتوفیق من اللہ تعالیٰ جل مجدہ۔**

انوارالباری کا مقصد

جیسا کہ اب تک کی شائع شدہ جلدوں سے یہ بات پوری طرح روشنی میں آچکی ہے کہ مؤلف کا مطمح نظر مسائل مہمہ میں اکابر علماء کی تحقیقات کو پیش کرنا ہے اور چونکہ حضرت الاستاذ المعظم شاہ صاحبؒ کی علمی و تحقیقی شان بہت ہی ارفع و اعلیٰ تھی، آپ کے وسیع و عمیق مطالعہ نے علوم سلف و خلف کو آپ کے لئے کف دست کی طرح نمایاں کر دیا تھا اور بقول حضرت تھانویؒ کے آپ کسی معاملہ میں بھی ادنیٰ سی کجی یا غلطی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور یہی حقیقت بھی تھی، لہٰذا آپ کے افادات کو بھی پیش کرتا ہے۔

۱۳۴۵ھ میں حضرتؒ نے دارالعلوم دیوبند میں آخری درس مکمل بخاری و ترمذی شریف کا دیا تھا، ہونہار، ذی استعداد طلبہ حدیث سامنے تھے، ایک عالم رامپور کے جو پہلے سے فارغ التحصیل تھے اور حضرتؒ کی خدمت میں تکمیل علم حدیث کے لئے حاضر ہوئے تھے، وہ حرمین شریفین میں بھی کافی عرصہ رہ چکے تھے اور علامہ ابن تیمیہ کے علم و فضل و تبحر سے بہت زیادہ متاثر تھے، بلکہ ان کو درجۂ اجتہاد پر فائق سمجھتے تھے، ایک روز درس میں ائمہ مجتہدین کے مراتب اجتہاد پر بحث تھی اور حضرتؒ ائمہ اربعہ کے مراتب اجتہاد پر تقریر فرما رہے تھے، یہ عالم سوال کر بیٹھے کہ کیا علامہ ابن تیمیہ مجتہد نہیں تھے؟

حضرتؒ نے فرمایا کیا آپ مجتہد کا وظیفہ جانتے ہیں؟ بتلائیں، وہ خاموش ہوئے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ مجتہد کا منصب یہ ہے کہ وہ کسی کلی

کو اس کی جزئیات پر منطبق کرے اور جزئیات کو ان کی کلی میں پہنچائے اگر وہ اپنے اس وظیفہ ومنصب میں غلطی کرتا ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے، پھر حضرتؒ نے متواتر تین روز تک مثالوں سے ثابت وواضح کیا کہ علامہ ابن تیمیہ نے فلاں کلی کو دوسری کلی کے جزئیات پر منطبق کر کے غلطی کی اور فلاں جزئی کو بجائے اس کی اپنی کلی کے دوسری کلی میں پہنچا دیا، کیا اتنی کثرت سے غلطی کرنے والے کو آپ مجتہد کا درجہ دیں گے؟ ان عالم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے، میرے بے موقع سوال کی وجہ سے حضرتؒ کو ابن تیمیہ کے بارے میں اتنی تفصیل کی ضرورت ہوئی۔

یہ ایک ادنیٰ مثال تھی کہ حضرتؒ نے ایک فاضل طالب کے دلی شبہات کا اندازہ فرما کر اس کو پوری طرح مطمئن کرنے کی سعی فرمائی، ورنہ اکثریت تو ایسے ہی طلبہ کی ہوتی تھی جو حضرتؒ کی اونچی تحقیقات نہ سمجھ سکتے تھے، حالانکہ اس دور کے طلبۂ حدیث آج کل کے طلبۂ حدیث کی نسبت سے بہ لحاظ فہم وذکاء، استعداد ومطالعہ کہیں اعلیٰ وارفع تھے۔

کاش! حضرتؒ کے پورے درس حدیث میں حضرت علامہ عثمانیؒ یا مولانا مفتی سید مہدی حسنؒ ایسے فضلا مخاطب ہوتے اور دورہ حدیث بجائے ایک سال کے دس سال میں پورا ہوتا اور یہ حضرات آپ کے امالی درس کو قلم بند کرتے، تو لوگ یقیناً علوم وافادات انوریہ کے انوار کی روشنی ماہتاب وآفتاب کی طرح مشاہدہ کر سکتے تھے۔

راقم الحروف نے دو سال پابندی سے جامعہ ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحبؒ کے درس بخاری شریف میں شرکت کی اور دونوں سال آپ کے درسی افادات منضبط کئے، خارج اوقات میں بھی استفادہ کرتا رہا، اس وقت اس بات کا خیال ووہم بھی نہ تھا کہ انوار الباری ایسی کوئی تالیف مرتب کر کے شائع کی جائے گی ورنہ ممکن تھا کہ مہمات میں حضرتؒ سے خارج میں اور زیادہ استفادات کرتا، کیونکہ خدا کے فضل سے حضرتؒ احقر سے بہت مانوس ہو گئے تھے اور ایک بار مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے جڑ جاتے تو ہم بہت کام کر لیتے'' اب خدا نے یہ چیز دل میں ڈال دی کہ جو کچھ اور جیسا بھی کچھ حاصل کیا تھا، وہ پیش کر دوں بقول حضرت علامہ جامیؒ۔

بیا جامی رہا کن شرمساری ۔۔۔ نہ صاف ودرد پیش آر آنچہ داری

کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ میری آخرت سنوارنے کا اسی کو بہانہ بنادے۔

باب الانتقاد: مولانا بنوریؒ نے نفحۃ العنبر ص ۱۸۲ میں لکھا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ علماء وسلف کا نہایت ادب واحترام فرماتے تھے اور ان پر نقد کرنے میں بہت ہی محتاط تھے، حتیٰ کہ جب پہلی بار حافظ ابن حجرؒ سے غزوۂ ذات الرقاع کے بارے میں مناقشہ کا ارادہ فرمایا (کیونکہ انہوں نے وہی رائے اختیار کی ہے جو امام بخاری کی ہے کہ وہ غزوۂ خیبر کے بعد ہوا ہے) تو چار ماہ تک متامل رہے اور سوچتے رہے کہ میرے لئے ان پر تعقب کرنا درست ہے یا نہیں تا آنکہ آپ کا قلب اس کے لئے مطمئن ہو گیا اور اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے قلب میں تشویش تھی لہٰذا میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوا اور مراقبہ میں آپ کی روح انور کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے اس بارے میں اجازت حاصل ہو گئی، پھر میں نے کئی ورق میں ان پر تعقب کیا اور اس کے بعد میری یہ عادت ہو گئی کہ تمام ہی ادعیان واکابر امت کے تفردات پر استدراک وتعقب کرنے لگا، لیکن اس طرح دلائل وبراہین کے ساتھ کہ اس کو ہر سلیم الذوق وصحیح الوجدان قبول کرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ تفردات اکابر پر انتقاد وتعقب یا ان کی نشان دہی پورے ادب واحترام کے ساتھ مولانا مرحوم بنوری کی تالیفات میں بھی

ملے گی اور راقم الحروف بھی اس کا عادی ہے، جس کو کچھ لوگ تشدد کا نام دھرتے ہیں، یا اپنے کسی تعلق یا عقیدت کی وجہ سے اوپرا بھی سمجھتے ہیں لیکن اپنا گمان یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت یا عقیدت کے تحت اس کو برا یا قابل شکایت سمجھنے کا مزاج بنتا رہا تو خدانخواستہ وہ وقت دور نہیں ہوگا کہ حق و باطل کا امتیاز اٹھ جائے گا اور صرف وہ اہل قلم قابل پذیرائی رہیں گے جو "مصلحت بین وکار آسان کن" پر عمل پیرا ہوں گے۔

ایک زمانہ ہمارا وہ تھا کہ مولانا بنوریؒ نے مقدمہ مشکلات القرآن میں بعض مشاہیر پر نقد کیا تھا اور راقم الحروف نے حضرت مولانا سید سلمان ندویؒ کی سیرۃ النبی کے کچھ تفردات واغلاط پر تعقب کیا تھا، پھر خدا کے فضل وانعام سے وہ وقت بھی آیا کہ سید صاحبؒ نے اپنی غلطیوں سے رجوع فرمالیا (اگرچہ اس رجوع کو دارالمصنفین والوں نے نظرانداز کردیا اور وہ رجوع شدہ غلطیاں ابھی تک چھپ رہی ہیں) اور بعد کو سید صاحب ہی نے جب کہ وہ حضرت تھانویؒ سے بیعت ومنسلک ہوکر خود بھی پختہ دیوبندی مسلک اختیار کرچکے تھے راقم الحروف کو اپنے ایک مکتوب میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ "بڑے درد کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ دیوبند کدھر جارہا ہے؟ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بعض تفردات کی تائید بعض علماء دیوبند کی طرف ہوئی تھی اور سید صاحب کا منشاء یہ تھا کہ علماء دیوبند جو بھی احقاق حق بلاخوف لومۃ لائم کا فرض ادا کرنے میں ممتاز رہے ہیں اب کسی غلطی کی تائید وہمنوائی میں پیش پیش کیوں ہیں؟ اور اس سے بھی یہ اندازہ لگایئے کہ دور سابق بلکہ قریبی زمانہ میں ہی مکتب دیوبند کے بارے میں صرف اپنوں کے ہی نہیں دوسرے لوگوں کے خیالات کیا تھے اور اس کی کتنی زیادہ وقعت وساکھ لوگوں کے دلوں میں تھی؟!

انوارالباری کی اس پیش نظر جلد میں ص ۱۵۲ پر "لامع الدراری" ص ۲۰۷ کا ایک تسامح نظر سے گذرے گا یہ ممکن تھا کہ اس عبارت کو ہی مرتب علام مسودہ میں سے حذف کرادیتے کہ اس مسامحت کی نسبت حضرت مرتب کے والد علام یا حضرت اقدس گنگوہیؒ کی طرف نہ ہوسکتی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس کو باقی رکھ کر اور تسامح کا اعتراف فرما کر یہ تاثر دیا ہے کہ غلطی سے مبرا اپنے اکابر بھی نہیں تھے اور معصوم صرف انبیاء علیہم السلام تھے اور بس، واللہ تعالیٰ اعلم۔

آخر میں ناظرین کرام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ وہی میری غلطیوں پر مجھ کو بھی متنبہ فرما کر ممنون کریں میں آئندہ جلدوں میں ان کا استدرک کردوں گا، ان شاء اللہ

واناالاحقر

سیداحمد رضاءعفااللہ عنہ

بجنور نومبر ۱۹۷۷ء

باب عظة الامام الناس فی اتمام الصلوٰة و ذکر القبلة

(امام کی لوگوں کو نصیحت کہ نماز پوری طرح پڑھیں اور قبلہ کا ذکر)

(۴۰۴) حدثنا عبدالله بن یوسف قال انا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال هل ترون قبلتی ههنا فوالله ما یخفی علی خشوعکم ولارکوعکم انی لا راکم من ورآء ظهری.

(۴۰۵) حدثنا یحیی بن صالح قال نا فلیح بن سلیمان عن هلال بن علی عن انس ابن مالک قال صلی لنا النبی ﷺ صلوٰة ثم رقی المنبر فقال فی الصلوٰة و فی الرکوع انی لاراکم من ورآئی کما اراکم.

ترجمہ۴۰۴: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا یہ خیال ہے کہ میرا رخ (نماز میں) قبلہ کی طرف ہے، خدا کی قسم مجھ سے نہ تمہارا خشوع چھپتا ہے نہ رکوع میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

ترجمہ۴۰۵: حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں ایک مرتبہ نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ نماز میں اور رکوع میں تمہیں اسی طرح دیکھتا رہتا ہوں جیسے اب دیکھ رہا ہوں۔

تشریح، مناسبت ابواب ومطابقت ترجمۃ الباب

پہلے باب میں ادب سکھایا تھا کہ حالت نماز میں تھوک بلغم کا غلبہ ہو تو اس کو دفع کرنے کے وقت سمت قبلہ کی عظمت وادب کو ملحوظ رکھے، اس باب میں ارکان نماز کو پوری طرح ادا کرنے کا حکم بتلایا اور اس میں بھی سمت قبلہ کی طرف رخ کرنے کا ذکر ضمناً آ گیا ہے، لہذا باب سابق سے مناسبت ظاہر ہے اور اسی توجیہ کو کلی طور سے محقق عینیؒ نے اور جزوی طور پر حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے، ان دونوں اکابر کی توجیہ ومناسبت ابواب کو بعید وابعد قرار دے کر لامع الدراری کی اس توجیہ کو ہم اوجہ ماننے میں متردد ہیں کہ دونوں باب میں مسجد اور جماعت کے احکام پر متنبہ کیا گیا ہے کیونکہ نہ باب سابق "اذا بدره البزاق فلیأ خذ بطرف ثوبه" میں مسجد وجماعت کا ذکر تھا اور نہ اس باب عظۃ الامام میں اتمام صلوۃ کا حکم مسجد وجماعت کے ساتھ مخصوص ہے، اتمام صلوۃ تو ہر نماز میں ضروری ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا جماعت کے ساتھ اور مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو مصالح حجۃ اللہ میں ذکر کئے ہیں وہ بھی مساجد کے ساتھ خاص نہیں، مطلق جماعت کے لئے ہیں اور خود امام بخاریؒ نے بھی یہاں ابواب المساجد کا عنوان کہاں قائم کیا ہے؟ کتاب الصلوۃ کے تحت مساجد، غیر مساجد سب ہی کے احکام مختلف عنوانات قائم کرکے بیان کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ واضح ہو کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری میں باب عظۃ الامام اور اس سے قبل کے بھی متعدد ابواب کا ذکر نہیں ہے۔

مطابقت ترجمہ ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں وعظ وتذکیر ہے اور ساتھ ہی تنبیہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے توجہ قبلہ کے وقت بھی تمہارے افعال رکوع وسجود اور احوال خشوع وخضوع مخفی نہیں ہوتے کیونکہ وہ سامنے کی طرح پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔

بحث ونظر

علامہ عینیؒ نے مزید افادہ کیا کہ یہاں علماء امت نے دو باتوں پر غور وفکر کیا ہے، ایک یہ کہ رؤیت سے کیا مراد ہے؟ کچھ حضرات نے کہا

کہ علم مراد ہے خواہ وہ بطریق وحی ہو کہ اس کے ذریعہ آپ کو مقتدی صحابہ کی کیفیت افعال بتادی جاتی ہوگی یا بطریق الہام مگر یہ رائے درست نہیں کیونکہ اس سے پیٹھ پیچھے دیکھنے کی قید بے فائدہ ہوجاتی ہے، دوسرے حضرات نے کہا کہ حضور علیہ السلام دائیں بائیں کے لوگوں کو کسی قدر التفات نظر کے ساتھ دیکھ لیتے ہوں گے، مگر یہ رائے بھی بے وزن ہے اور جمہور کی رائے جو صواب و صحیح بھی یہ ہے کہ سامنے کی طرح پیچھے بھی دیکھنا حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے تھا اور وہی علم وادراک کا حقیقی سبب تھا، جو بطریق خرق عادت کے آپ کو حاصل تھا اور اسی لئے امام بخاریؒ نے اس حدیث کو علامات نبوت میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث اشاعرہ کے لئے دلیل بھی ہے جو رؤیت کے لئے مواجہت و مقابلہ کو شرط نہیں مانتے، بلکہ انہوں نے اس امر کو بھی جائز و ممکن کہا کہ چین میں بیٹھا ہوا ایک اندھا اندلس کے کھٹمل یا پسو کو دیکھ لے، میں کہتا ہوں کہ اہل سنت کے نزدیک یہی حق ہے کہ رؤیت کے لئے عقلاً نہ کسی عضو خاص کی شرط ہے نہ مقابلہ و قرب کی اور اسی لئے انہوں دار آخرت میں جواز رؤیت خداوندی کا فیصلہ کیا ہے، بخلاف معتزلہ کے وہ سرے سے رؤیت ہی کے منکر ہوگئے اور مشبہ و کرامیہ نے کہا کہ رؤیت باری چونکہ بغیر مواجہہ و مکان کے نہیں ہوسکتی لہذا وہ جہت و مکان میں واقع ہوگی، ان دونوں فرقوں کے خلاف اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ بلا جہت و مکان اور بلا کیف ہوگی، اور اس کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے (عمدہ ۳۳۳ ج ۲)

معتزلہ کے دلائل

انہوں نے آیات واحادیث میں تاویل کرکے رؤیت کو بمعنی علم ضروری قرار دیا، انکار رؤیت اس لئے کیا کہ اس کے واسطے مبصر و مرئی کا مقابل اور مکان و جہت میں ہونا ضروری ہے اور خدا امکان و جہت و مقابلہ سے منزہ ہے اور مرئی جسم ہوتا ہے حالانکہ باری تعالیٰ جسم نہیں ہے، نیز مرئی یا جوہر ہوتا ہے یعنی متحیز بالاستقلال یا عرض ہوتا ہے یعنی متحیز بالتبعیۃ اور خدا تحیز سے منزہ ہے، مرئی یا کل ہوگا تو محدود ہوجائے گا، یا بعض تو متبعض ہوگا اور یہ سب امور خدا کے لئے محال ہیں، بہت سے معتزلہ نے یہ بھی کہا کہ خدا اپنے آپ کو یا دوسروں کو بھی نہیں دیکھتا کیونکہ دیکھنا حواس کے ذریعہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ حواس سے منزہ ہے، انہوں نے کہا کہ خدا کو حواس کے ذریعہ یا بغیر حواس کے دوسرے بھی نہیں دیکھ سکتے کچھ معتزلہ نے کہا کہ باری تعالیٰ اپنے آپ کو تو دیکھتا ہے مگر حادث مخلوق اس کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ اس کی رؤیت حواس اور شعاعوں کے اتصال پر موقوف ہے جن کے لئے مرئی کا جسم ہونا ضروری ہے۔ (ص ۶۷ اوص ۱۸۱ کتاب الارشاد لامام الحرمین الجوینی)

مجسمہ: معتزلہ کے بالکل مقابل دوسرا گروہ مجسمہ کا ہے، جو رؤیت کو تو قائل ہیں مگر انہوں نے پوری طرح حق تعالیٰ کی تشبیہ و تجسیم کردی ہے بلکہ بعض نے کہا کہ وہ گوشت پوست سے مرکب ہے، بعض نے تو بصورت انسان قرار دیا، بعض نے اس کو جہت فوق میں اور سطح اعلیٰ عرش کے ساتھ مماس بتلایا اور اس کے لئے حرکت وانتقال وتبدل جہات کو بھی جائز کہا اور کہا کہ اس کے بوجھ کے باعث عرش سے آواز نکلتی ہے اور وہ عرش سے بقدر چار انگل کے زائد ہے وغیرہ یہ سب تفصیل عقائد عضدیہ کے شارح علامہ دوانی کی ہے، پھر انہوں نے لکھا کہ اکثر مجسمہ ظاہری ہیں جو ظاہر کتاب وسنت کا اتباع کرتے ہیں، جن میں بہت سے محدثین بھی ہیں اور ابن تیمیہ اور ان کے اصحاب کا بھی بہت بڑا رجحان اثبات جہت کی طرف ہے اور وہ نفی جہت کرنے والوں پر سخت تنقید بھی کرتے ہیں اور ان کو اصحاب تعطیل قرار دیتے ہیں بلکہ ان کی بعض تصانیف میں ہے کہ بداہت عقل کے نزدیک یہ بات کہ وہ باری تعالیٰ معدوم ہے اور یہ بات کہ میں نے اس کو سب جگہ ڈھونڈا اور نہ پایا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے (ص ۶۲ علی العقائد العضدیہ) علامہ ملا علی قاری نے ص ۱۶ اضوء المعانی شرح قصیدہ بدء الامالی میں لکھا:-

''کرامیہ حق تعالیٰ کے لئے جہت علو بغیر استقرار علی العرش کے ثابت کرتے ہیں اور مجسمہ حشویہ استقرار علی العرش کے بھی قائل ہیں اور ظاہر آیت (الرحمن علی العرش استوی) سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس سے استقرار پر استدلال کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے''۔

علامہ موصوف نے ص۳۴ شرح فقہ اکبر میں لکھا:- باری تعالیٰ کسی مکان میں متمکن نہیں ہے نہ اوپر، نہ نیچے اور نہ کسی سمت میں، نہ اس پر زمانہ کا اجراء کرنا درست ہے جیسا کہ مشبہ، مجسمہ اور حلولیہ کرتے ہیں'' اور ص ۹۷ میں لکھا:- ''اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی رؤیت کسی جہت میں نہ ہوگی اور حدیث **کما ترون القمر لیلۃ البدر میں تشبیہ رؤیت بالرؤیت فی الجملہ** ہے نہ کہ تشبیہ مرئی بالمرئی من جمیع الوجوہ اور اس بارے میں شارح عقیدہ طحاویہ سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے رؤیت بلا مقابلہ کو غیر معقول کہا''۔

شیخ محمد نووی شافعیؒ نے ص۴۰ فتح المجید میں لکھا:- حدیث مذکور میں تشبیہ رؤیت دربارۂ عدم شک وخفا ہے، تشبیہ مرئی کے لئے نہیں ہے، لہٰذا رؤیت بلا انحصار فی جہت ہوگی، کہ وہ نہ فوق میں ہوگی، نہ یمین میں، نہ شمال میں نہ سامنے وغیرہ معتزلہ جو کہتے ہیں کہ رؤیت بلا مقابلہ نہیں ہوسکتی اگر باری تعالیٰ کے لئے رؤیت جائز قرار دیں تو اس سے اس کا جہت ومکان میں ہونا لازم آئے گا اور وہ محال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب امور بطور عادت ہیں اور جائز ہیں کہ خدا بلا مقابلہ ہی کے رؤیت کرادے، جس طرح نبی اکرم علیہ کو یہ خصوصیت دنیا میں ہی عنایت کردی تھی کہ آپ آگے کی طرح پیچھے بھی دیکھتے تھے، ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درس بخاری شریف میں فرمایا:- ''امام احمدؒ نے **کما اراکم من امامی** کو نبی کریم علیہ کا معجزہ قرار دیا ہے اور اب یورپ کی تحقیق ہے کہ تمام جلد انسانی میں قوت بصارت موجود ہے، معجزہ میں یہ ضروری نہیں کہ وہ امر مستحیل ہو، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس وقت کسی سے نہ ہو سکے مقابلہ میں، خواہ بعد کو وہ ہوا کرے''۔

ص۱۴ حاشیہ عقباوی علی عقیدۃ الشیخ احمد الدردیر میں ہے:- معتزلہ مرئی کا مقابل رائی ہونا ضروری سمجھتے ہیں جو خدا کے لئے محال ہے، لیکن یہ شرط رؤیت حادث میں ہے، رؤیت قدیم میں نہیں ہے، لہٰذا بلا کیف وانحصار ہوسکتی ہے، بلا کیف اس لئے کہ خدا کے لئے جسم کالا جسام عقیدہ یا جہت کا عقیدہ عند البعض کفر ہے اور عند البعض ابتداع ہے۔

علامہ محدث پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری ص۱۴۲ ج۱۰ میں لکھا:- اہل سنت کے نزدیک رؤیت کا توقف صرف وجود مرئی پر ہے دوسری سب شرائط عادی ہیں اور غائب کو شاہد پر قیاس کرنا درست نہیں اور جب حق تعالیٰ اپنی مخلوقات مادی ومجردات کو بغیر مسافت وخروج شعاع کے دیکھتا ہے تو اسی کے مرئی ہونے کا انکار کیوں کیا جائے، ادھر سے بھی اس کی رؤیت بغیر عادی شرائط کے ہوسکتی ہے، اس موقع پر آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ قدس سرہ کی عجیب وغریب تحقیق مکتوب نمبر۱۰۰ جلد سوم مکتوبات سے نقل کی کہ جنت میں رؤیت بلا کیف کیوں کر ہوگی۔

محقق عینیؒ نے دوسری احادیث الباب کے قولہ من ورائی کے ذیل میں لکھا:- علامہ کرمانیؒ نے کہا اس حدیث اور خاص طور سے لفظ حدیث سابق کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ نبی اکرم علیہ کی رؤیت ورائی نماز وغیرہ سب ہی حالات میں تھی، لیکن سیاق حدیث سے حالت نماز کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے، علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ آپ کا یہ وصف تمام احوال میں تھا پھر قولہ کما اراکم کے تحت لکھا:- حافظ بقی[1] بن مخلد سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرم علیہ تاریکی میں بھی ایسا[2] ہی دیکھتے تھے جیسا روشنی میں دیکھتے تھے (عمدہ ص۳۲۲ ج۲)

---

[1] الامام شیخ الاسلام ابوعبدالرحمن بقی بن مخلد القرطبی م ۲۷۶ھ، حافظ ابن ابی شیبہؒ کے نامور شاگرد اور صاحب مسند کبیر وتفسیر جلیل تھے، جس کے بارے میں حافظ ابن حزم نے کہا کہ اس جیسی تفسیر نہیں لکھی گئی، آپ نے اپنے فیضان حدیث سے سارے اندلس کو سیراب کر دیا تھا، فرماتے تھے ''میں نے اندلس میں ایسی مضبوط جڑوں کے درخت لگادیئے ہیں جو خروج دجال سے پہلے نہ اکھڑ سکیں گے'' بڑے متواضع تھے، جنازوں پر حاضری کا التزام کرتے تھے، بعض اوقات مطالعہ کتب میں اس قدر منہمک ہوجاتے کہ کئی کئی روز تک صرف کرم کلا (سبزی) پر گذارا کرتے، امام احمدؒ کے خواص میں سے اور بخاری، مسلم ونسائی کے ہم پلہ تھے فرمایا کہ طلب علم کے لئے جس استاد کی خدمت میں گیا ہوں، پیدل ہی حاضر ہوا، مستجاب الدعوات تھے، ہر روز تہجد کی تیرہ رکعات میں قرآن مجید ختم کرتے تھے، مسلسل روزے رکھتے اور ستر غزوات میں شرکت کی تھی (تذکرۃ الحفاظ ص۶۲۹ ج۲)

[2] فتح الباری ص۳۴۸ ج۱ میں بھی شیخ بقیؒ کا قول مذکور نقل کیا گیا ہے کہ مگر اس میں تقی بن مخلد غلط چھپ گیا ہے اور غالباً اسی سے فتح الملہم ص۶۳ ج۲ میں بھی غلط نقل ہوا ہے، فلینتبہ لہ۔ (مؤلف)

نبی اکرم علیہ السلام اور خواص اہل جنت

انبیاء کرام بنیہ اہل جنت پر مخلوق ہوتے ہیں اور یہ بھی احادیث میں ہے کہ وہ اس دنیا میں بھی خواص جنت سے سرفراز ہوتے ہیں اور غالباً اسی سے ہے کہ (۱) حضور علیہ السلام تمام اوقات و حالات میں آگے کی طرح پیچھے بھی دیکھ سکتے تھے (۲) تاریکی میں بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے (۳) نیند کی حالت میں آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا، اور خود ارشاد فرمایا کہ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کا حال تھا (بخاری) (۴) نماز کسوف کی حالت میں اسی دنیا میں رہتے ہوئے آپ نے جنت و دوزخ کا مشاہدہ فرمایا (بخاری ومسلم) نیز (۵) شب معراج میں بھی ان دونوں کا مشاہدہ فرمایا ہے (۶) شب معراج میں حضور علیہ السلام[1] دیدار الٰہی کی نعمت سے بھی مشرف ہوئے ہیں جیسا کہ پوری تحقیق انوارالباری میں گذر چکی ہے (۷) غزوہ موتہ کے وقت پورا جنگ کا میدان آپ کی نظروں کے سامنے تھا اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر سینکڑوں میل دور کے حالات و واقعات صحابہ کرام کو بتلائے کہ اب ایسا ہو رہا ہے اور پھر وہ سب باتیں صحیح ثابت ہوئیں (۸) معراج معظم کی صبح کو مسجد اقصیٰ کے ستونوں کی تعداد وغیرہ برائی العین مشاہدہ فرما کر کفار مکہ کو بتلاتے رہے (۹) نبی کریم علیہ السلام فرشتوں کو دیکھتے اور ان سے ہم کلام ہوتے تھے (کمافی البخاری وغیرہ) (۱۰) حضور علیہ السلام عذاب قبر کی آواز سن لیتے تھے (کمافی مسلم) (۱۱) حضور علیہ السلام کی آواز بطور خرق عادت دور دراز جگہوں تک پہنچ جاتی تھی، چنانچہ ایک دفعہ آپ نے خطبہ میں لوگوں سے فرمایا "بیٹھ جاؤ" یہ آواز عبداللہ بن رواحہؓ کے کانوں تک پہنچ گئی جو اپنے ریوڑ کے ساتھ دور جنگل میں تھے اور حضور کی آواز سنتے ہی بیٹھ گئے یہ بھی صحابہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے منٰی میں خطبہ دیا تو اس کی آواز ہم سب نے اپنے اپنے مقامات و منازل میں اچھی طرح سنی (۱۲) انبیاء علیہم السلام چونکہ اپنی صفات میں اہل جنت کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں اس لئے ان کے جسم بعد موت بھی تغیر و فنا سے محفوظ رہتے ہیں (۱۳) انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں بھی عبادت نماز وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں (۱۴) ان کو قبور میں رزق بھی دیا جاتا ہے (ابن ماجہ) (۱۵) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا درود وسلام دور سے مجھے فرشتے پہنچاتے ہیں اور قریب سے میں خود سن کر جواب دیتا ہوں (ابوداؤد) ان کے علاوہ بیسیوں خصائص نبویہ ہیں، جن کی تفصیل خصائص کبریٰ (علامہ محدث امام سیوطیؒ) وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے یہاں یہ دکھلانا ہے کہ جس طرح یہاں دنیا میں انبیاء علیہم السلام کو اہل جنت کے صفات و خصائص دیئے گئے، جنت میں سارے مومنوں کو وہ سب صفات حاصل ہو جائیں گی، لہٰذا وہ دیکھنے میں بھی جہت وسمت مقابل کے محتاج نہ ہوں گے نہ یہ کہ دنیا کی طرح صرف قریب کی چیز دیکھیں دور کی نہ دیکھ سکیں اور ان امور کا ثبوت نبی اکرم علیہ السلام کی زندگی میں بلکہ آپ کے صدقہ میں صحابہ کرامؓ اور اولیائے امت میں بھی حاصل ہو چکا ہے۔

پھر حدیث الباب تو بخاری ومسلم کی یعنی سب سے اونچی حدیث ہے، جس میں ہے کہ میں اپنے پیچھے بھی آگے کی طرح دیکھتا ہوں، مگر اس کے باوجود بعض حضرات نے یہ رائے قائم کرلی کہ جنت میں جو دیدار خداوندی ہوگا وہ صرف مقابل کی جہت سے ہوگا اور وہ بھی صرف اوپر کی جہت سے ہوگا۔

---

[1] خیال یوں بھی ہوتا ہے واللہ اعلم کہ دنیا میں دنیا کی چیزیں دیکھنے کے لئے چونکہ عادۃً تقابل و جہت وغیرہ ضروری ہوتی ہے، اسی لئے دنیا میں دیدار الٰہی عوام کے لئے ممنوع ٹھیرا، لیکن انبیاء علیہم السلام چونکہ بنیہ اہل جنت پر مخلوق ہوئے ہیں، اس لئے وہ اس حکم ممانعت سے مستثنٰی ہوں گے اور شاید اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنے لئے درخواست کی تھی (جبکہ قوم کا مطالبہ تو یہ تھا کہ ہمیں خدا کا دیدار کرادیجئے!) پھر چونکہ حضور علیہ السلام کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے بھی زیادہ فضائل و خصائص و امتیازات حاصل تھے اور وہ دنیا کی چیزوں کو بھی بلا تقابل وجہت کے دیکھ سکتے تھے اور اندھیرے میں بھی اجالے کی طرح دیکھتے تھے، وغیرہ اس لئے کیا عجب ہے کہ دیدار خداوندی کا شرف بھی اسی امتیاز کے سبب سے حاصل ہوا ہو، یہ توجیہ اس کے سوا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دیدار کا شرف شب معراج، اس عالم سے الگ ملاء اعلیٰ میں ہوا ہے، مگر ہمارے دل کو مذکورہ توجیہ زیادہ لگتی ہے یعنی جنت میں چونکہ سب ہی اہل جنت کو یہ وصف حاصل ہو جائے گا کہ وہ بلا تقابل و جہت کے تمام چیزوں کو دیکھیں گے اور ان کے لئے تقابل جہت و مسافت وغیرہ کی عادی شرائط باقی نہ رہیں گی، اس لئے ان کے لئے دیدار خداوندی بھی ممنوع نہ رہے گا اور حسب درجات وعدہ خداوندی اس سے مشرف بھی ہوتے رہیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حافظ ابن تیمیہ وابن قیم

حافظ ابن قیمؒ نے اپنے قصیدہ عقیدۂ نونیہ میں فرمایا:- و ثالث عشر ها اخباره انا نراه فی الجنة و هل نراه الا من فوقنا، اذروية لا فی مقابله من الرائی محال لیس فی الامکا ن ۔ (تیرھواں عقیدہ یہ ہے کہ ہم خدا کو جنت میں دیکھیں گے، اور کیا ہم اس کو بجز اوپر کی جہت دیکھ سکیں گے جبکہ کوئی رؤیت بھی بغیر مقابلۂ رائی کے محال ہے اور اس کا امکان کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا) پھر یہی بات انھوں نے شفاء العلیل ص ۱۵۹ میں بڑے دعوے کے ساتھ کہی ہے، حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ ''الفتوی الحمویۃ الکبریٰ'' ص ۱۵۲ میں لکھا:- کل یراه فوقه قبل وجهه، کما یری الشمس و القمر (ہر شخص اللہ تعالیٰ کو اوپر کی طرف اپنے سامنے سے دیکھے گا جس طرح سورج و چاند کو دیکھتا ہے) اس رسالہ میں موصوف نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستقر و متمکن ہونے کا بھی اثبات کیا ہے اور اس کے لئے جہت فوق متعین کرنے کی سعی بلیغ کی ہے جو اہل علم کے مطالعہ کی چیز ہے اس میں ص ۸۹ پر یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ کتاب وسنت، کلام صحابہ و تابعین اور کلام سائر امت سے بھی یہی بات ثابت ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں سے اوپر ہے اور وہ آسمانوں پر عرش کے اوپر ہے اور اس کے ثبوت میں حدیث ادعال بھی پیش کی، جو اکابر محدثین کے نزدیک نہایت ضعیف، مضطرب، شاذ اور منکر ہے، ص ۱۱۸ میں ''باب الایمان بالکرسی'' کا عنوان قائم کر کے بحوالہ محمد بن عبداللہ نقل کیا کہ اہل سنت کا قول ہے کہ کرسی عرش کے سامنے ہے اور وہ موضع القدمین ہے، (یعنی خدا کے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ ہے) اور ابن عباس کا اثر ذکر کیا کہ جو کرسی آسمانوں اور زمین کو واسع ہے وہ موضع القدمین ہے، حافظ ابن تیمیہؒ نے دوسرے رسالہ ''عقیدۂ واسطیہ'' میں ذیل عنوان ''آیۃ الکرسی'' لکھا:- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت وجلال سے خبر دی ہے اور یہ بھی کہ کرسی جو اللہ تعالیٰ کے لئے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ ہے، وہ آسمانوں، زمین اور مافیہا سے زیادہ وسیع ہے اور اسی نے ان دونوں کی حفاظت زوال اور تزلزل سے کی ہے،......اور صحیح یہ ہے کہ کرسی عرش کے علاوہ ہے،...... پس اللہ سبحانہ کے لئے علو مطلق ہے تمام وجوہ سے، علو ذات بھی کیونکہ وہ تمام مخلوقات سے اوپر اور عرش پر مستوی ہے اور علو قدر بھی کہ اس کے لئے ہر صفت کمال کا اعلیٰ درجہ ہے، الخ (ص ۴۹ الکواشف الجلیہ عن معانی الواسطیہ)

حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ تدمریہ میں لکھا:- نص شرعی میں نہ لفظ جہت کا اثبات ہے اور نہ نفی ہے...... جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں ہے، تو اس سے پوچھو کیا اس کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر ہے، اگر یہ مراد ہے بتلائے تو وہ حق پر ہے اور اگر یہ مراد

۱؎ اگر رؤیت بلا مقابلہ ناممکن ومحال ہے تو حضور علیہ السلام کو رؤیت من وراء کیوں کر حاصل ہوگئی؟ کیا صحاح کی اس حدیث الباب سے حافظ ابن قیم واقف نہ تھے؟ یا ان کے نزدیک خوارق عادات محال وممتنع ہونے کے باوجود انبیاء واولیاء سے ان کا صدور ہو جاتا ہے۔ امید ہے کہ حافظ ابن تیمیہ وابن قیمؒ کے متبعین سلفی وتیمی و وہابی حضرات اس کا جواب دیں گے۔ (مؤلف)

۲؎ رسالہ حمویہ ص ۱۱۳ میں فقہ اکبر امام اعظمؒ کے حوالہ سے بھی چند عبارتیں اس طرح نقل کی ہیں کہ امام اعظم بھی گویا تیمی المسلک تھے، حالانکہ یہ غلط ہے، علامہ نعمانی عم فیضہم نے مقدمہ کتاب التعلیم ص ۱۸۸ میں اس مغالطہ کا دفعیہ کیا ہے اور لکھا:- ''ابن تیمیہ نے فقہ اکبر سے جو فتاویٰ حمویہ میں حق تعالے کے لئے تعیین مکان اعلیٰ علیین نقل کی ہے، وہ بے اصل ہے، کیونکہ امام اعظمؒ کے اصحاب وغیر اصحاب میں سے کسی بھی ثقہ راوی نے اس کو نقل نہیں کیا ہے، اور حقیقت میں ایسی عبارت عبداللہ انصاری نے اپنی طرف سے بطور تعلیل کلام کے بڑھائی ہے جس سے ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کو دھوکہ ہوا ہے، علامہ ملا علی قاری حنفیؒ نے لکھا:- ''شیخ ابن عبدالسلام نے اپنی کتاب ''حل الرموز'' میں امام اعظمؒ سے نقل کیا کہ ''(جو شخص ایسا کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یا زمین میں تو وہ کافر ہے)'' کیونکہ اس قول سے ایہام ہوتا ہے کہ قائل مذکور خدا کے لئے مکان سمجھتا ہے، لہٰذا وہ مشبہ ہے''۔ ظاہر ہے کہ ابن عبدالسلام بڑے جلیل القدر اور ثقہ عالم تھے، لہٰذا ان ہی کی نقل پر اعتماد ضروری ہے۔ علامہ کوثریؒ نے ''الفقہ الابسط'' کی تعلیق میں اس بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے''۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر ص ۴۶ میں امام اعظمؒ کا قول کتاب الوصیۃ سے نقل کیا اس میں بھی استواء بلا کیف کا اقرار اور استوا بمعنی استقرار کی صراحۃً نفی موجود ہے۔ افسوس ہے کہ حافظ ابن تیمیہ کی نقول میں غلطیاں اور مغالطے بہت ملتے ہیں، علامہ سبکیؒ نے بھی الدرۃ المضیہ ص ۱۵ تا ۱۸ میں نقل کی کئی غلطیاں درج کی ہیں۔ (مؤلف)

بتلائے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں سے کسی چیز میں داخل ہے تو یہ باطل ہے (ص ۲۶) ائمہ سنت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں پر عرش کے اوپر ہے، اور اپنی مخلوق سے جدا ہے (۲۷) تمام نصوص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے علو وفوقیت ہے تمام مخلوقات پر، اور اس کے لئے استواء بھی ہے عرش پر، پھر ایک وہم کرنے والا یوں وہم کرتا ہے کہ اس کا استواء بھی کشتی اور چوپایہ پر انسان کے استواء اور سوار ہونے کی طرح ہوگا اور وہ بھی انسان کی طرح عرش کا محتاج ہوگا، لہٰذا اس کا استواء قعود واستقرار کی صورت میں نہ ہونا چاہئے اور اس شخص نے یہ نہ سمجھا کہ احتیاج کے ساتھ تو خدا کے لئے صرف استواء کا اثبات بھی نہیں ہوسکتا، پھر استواء اور قعود واستقرار کے درمیان کیا فرق رہا، لہٰذا خدا کے لئے بلا احتیاج کے ان میں سے ہر چیز کو ثابت کر سکتے ہیں اور ایک کو ثابت کرنا، دوسرے کی نفی کرنا خلاف انصاف ہے اور عدم احتیاج کو سمجھنے کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی بہت سی مخلوقات اوپر نیچے پیدا کی ہیں لیکن پھر بھی اوپر والی نیچے والی کی محتاج نہیں ہے، جیسے ہوا زمین کے اوپر ہے مگر وہ زمین کی محتاج نہیں، اور بادل زمین کے اوپر ہیں، پر اس کے محتاج نہیں، آسمان زمین کے اوپر ہیں مگر انہیں ضرورت نہیں کہ زمین ان کو اٹھائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عرش کے اوپر ہونے کو سمجھنا چاہئے کہ وہ اس کو اٹھانے کا محتاج نہیں۔ (ص ۳۱، ۳۳)

اس طرح علامہ نے اس استبعاد کو گویا ختم کر دیا جو استواء بمعنی استقرار وقعود وجلوس ہوسکتا ہے اور گویا ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عرش وقعود وجلوس واستقرار ماننے سے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم وحیز ومکان ماننا پڑتا ہے اور وہ جسم وحیز ومکان سے منزہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے خود ہی اپنے فتاویٰ ص ۴، ۵ میں لکھا:- ''میرے مقابل علماء کا مجھ سے یہ مطالبہ ہے کہ میں اس امر کا اعتقاد کروں کہ اللہ تعالیٰ جہت وتحیز سے منزہ ہے اور اس سے ان کی نفی کرنی چاہئے اور میں کلام باری کے لئے یہ نہ کہوں کہ وہ حرف وصوت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، بلکہ معنی قائم بذاتہ تعالیٰ کا عقیدہ کروں اور یہ بھی کہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف انگلیوں کے حسی اشارہ نہیں کیا جاسکتا اور یہ مطالبہ بھی مجھ سے کرتے ہیں کہ میں عوام کے سامنے آیات صفات واحادیث صفات کی تشریح نہ کروں اور نہ ان کو لکھ کر دوسرے شہروں کو بھیجوں اور نہ ان سے متعلق فتویٰ دوں۔'' تو میں نے فوراً ہی جواب لکھا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے کلام میں کہیں بھی لفظ وجہت کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے، کیونکہ میں اس لفظ کے اطلاق نفیاً واثباتاً دونوں کو بدعت سمجھتا ہوں اور میں تو صرف وہی بات کہتا ہوں جو کتاب وسنت سے ثابت ہے اور اگر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں پر رب نہیں ہے اور نہ عرش کے اوپر خدا ہے اور نبی کریم ﷺ شب معراج میں اپنے رب کی طرف چڑھ کر نہیں گئے تھے اور عالم کے اوپر عدم محض ہے تو یہ سب امور باطل ومخالف اجماع امت ہیں اور اگر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوقات احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ وہ مخلوقات کے اندر ہے تو یہ ضرور میرے کلام میں موجود ہے اور ایسی صورت میں مجھے بتایا جائے کہ اس کی تجدید کرانے سے کیا فائدہ ہے؟!

فتاویٰ ابن تیمیہ کی پانچویں جلد میں ساری بحث عقائد ہی کی ہے اور تقریباً دوثلث میں کلام باری کے حرف وصوت ہونے کا اثبات اور جمہور سلف ومتقدمین کا رد ہے، متفرق مواضع میں تقریباً ستر صفحات مسئلہ استواء وجہت سے متعلق ہیں اور تقریباً ۳۵ صفحات میں مسئلہ رؤیت باری کی بحث ہے، ہر بحث میں ایسی ضعیف روایات وآثار ضرور ذکر کرتے ہیں، جن سے خدا کے لئے جسم وجہت ثابت ہونے کا ابہام ہوتا ہے، مثلاً ص ۸۷ میں طبرانی سے حضرت ابن عباسؓ کا اثر کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتا ہے تو اپنا کچھ حصہ زمین کے لئے ظاہر کرتا ہے اور اس وقت زلزلہ آجاتا ہے، دوسرا اثر ابن عباس کہ خدا کی تجلی جبل کے لئے فقط ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے برابر ہوئی تھی جس سے پہاڑ مٹی کے برابر ہوگیا، تیسرا اثر مجاہد حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں، آیت وان لہ عندنا لزلفی و حسن مآب کی تفسیر میں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سے قریب کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ اس کے بعض کو مس بھی کر لیتے تھے، چوتھا اثر مجاہد عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا میں مقام محمود کی تفسیر کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو اپنے پاس عرش پر بٹھائے گا۔

---

[1] اسی طرح حافظ ابن تیمیہؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم من جنس المخلوقات نہیں کہہ سکتے گویا نفس جسم کا اثبات کر سکتے ہیں۔ (مؤلف)

مسلک حق پر تنقید

اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے مقابل علماء جو جسم ولوازم جسم جہت وحیز ومکان وغیرہ کا خدا کے لئے انکار کرتے تھے ان کی اس بات کو حافظ ابن تیمیہ وابن قیم اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے بلکہ اس کو اپنے زعم میں عقیدہ صحیح کے خلاف خیال کرتے تھے چنانچہ فتاویٰ مذکورہ کا ص ۳۱۰ سے ۳۱۵ تک (الوجہ الثانی مس عشر الخ) مطالعہ کر لیجئے، ہماری یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ''سلف سے بہت سے مسائل میں معتزلہ کی موافقت ثابت ہے جبکہ تم نے ان مسائل میں بھی معتزلہ کی مخالفت کی ہے، مثلاً بعض سلف سے سماع[1] موتی کا انکار منقول ہے اور بعض سلف نے معراج جسمانی کا بھی انکار کیا ہے وغیرہ مگر تم نے ان مسائل میں سلف کے خلاف بھی معتزلہ کی مخالفت کی، پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم نے ایسی باتوں میں معتزلہ کی موافقت کر لی جو سلف سے بھی منقول نہیں ہوئے مثلاً (۱) یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نہ داخل عالم ہے نہ خارج اور (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر نہیں اور (۳) تم جو خدا سے جسم ولوازم جسم کی نفی کرتے ہو، تمہاری ان امور میں موافقت معتزلہ کے لئے سلف[2] میں سے کسی کی بھی تائید حاصل نہیں ہے'' (ص ۳۱۲)

''اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ تم نے بعض متفقہ امور سلف کا بھی انکار کر دیا، مثلاً یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا، حالانکہ یہ مسئلہ صحابہ میں نزاعی تھا، یا تم کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے خدا کا دیدار کیا حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں تھا[3] پھر تم یہ بھی کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام معراج میں خدا کی طرف[4] نہیں چڑھے، کیونکہ خدا (تمہارے نزدیک) آسمانوں پر نہیں ہے، لہٰذا تم سلف کی اتفاقی اجماعی باتوں کا تو انکار کرتے ہو اور متنازع امور کو مانتے ہو، اور ان باتوں کو جن کا قائل کوئی بھی نہیں ہوا ہے''۔

''معتزلہ نے رؤیت خداوندی کا انکار کر کے گمراہی اختیار کی، حالانکہ ان کے پاس کچھ ظاہری دلائل بھی موجود تھے، تم لوگوں نے اس مسئلہ میں تو معتزلہ کی مخالفت کی، مگر اس سے کہیں زیادہ بڑے مسائل میں معتزلہ کی موافقت کر لی، مثلاً خدا کے مخلوقات سے جدا ہونے اور اس کے عرش پر ہونے سے انکار کر دیا، حالانکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا عرش پر[5] ہونا بہ نسبت اس کی رؤیت کے کہیں زیادہ

---

[1] اس سے حافظ ابن تیمیہؒ یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ قبور سے استفادہ وغیرہ کو خلاف بعض سلف ہونے کی وجہ سے ممنوع سمجھا جائے۔ (مؤلف)

[2] ہم نے کئی جگہ پر تحقیق نقل کر دی ہے کہ سلف وجمہور امت کے نزدیک خدا کے لئے جسم ولوازم جسم، جہت، حیز ومکان وغیرہ کا اثبات کرنا درست نہیں ہے۔ (مؤلف)

[3] ہم نے جلد نہم انوارالباری میں حدیث معراج کے تحت سلف کے دیدار خداوندی برؤیۃ العین کا اثبات اچھی طرح کر دیا ہے، اس کو پڑھ کر مذکورہ دعوے کا کھوکھلا پن واضح ہوگا۔

[4] یہ تعبیر غلط ہے، البتہ ہم امام مالکؒ کی طرح معراج نبوی کے وقت حضور علیہ اسلام کے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہونے اور حضرت یونس علیہ السلام کے بطن حوت و قعر بحر میں ہونے کی حالت کو برابر درجہ میں سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ کو دونوں صورتوں میں جہات سے منزہ یقین کرتے ہیں، امام مالکؒ نے نفی جہت کے لئے حدیث نہی عن التفضیل علی یونس علیہ السلام کو دلیل قرار دیا ہے اور قاضی عیاضؒ نے شفا میں لکھا کہ جن حضرات نے اثبات جہت کو کفر قرار دیا ہے ان کی تعداد ائمہ امت میں سے بہت ہی زیادہ ہے، ملاحظہ ہو السیف الصقیل ص ۳۶ لیکن حافظ قیمؒ نے بڑی جراءت کر کے امام الحرمین کو اسی قول کو تحریف والحاد قرار دے دیا ہے، عقیدہ نونیہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ "هذا هو الالحاد حقابل هو التحريف محضا ابروا الهذيان اور فرمایا" امثال ذا التاويل افسد هذه الاديان حين سرى الى الاديان"

السیف الصقیل میں قصیدۂ نونیہ کی اس قسم کی تحقیقات عالیہ کا مدلل رد کیا گیا ہے اور راقم الحروف کا ارادہ بھی اس پر اردو میں مستقل طور سے لکھنے کا ہے، بلکہ دوسرے حضرات اہل علم وتحقیق اس طرف توجہ کریں تو بہتر ہو، میرا تو آخری وقت ہے، اگر انوارالباری ہی مکمل ہو سکے تو غنیمت ہے۔ (مؤلف)

[5] حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کے نزدیک سب سے زیادہ تصریح شدہ مسئلہ حق تعالیٰ کے عرش اعظم پر مستقر ومتمکن ہونے کا ہے، جس کو وہ ایمان وکفر کا مسئلہ سمجھتے تھے اور جو لوگ عرش پر استقرار وتمکن یا خدا کے لئے جہت ومکان کے اثبات کی تعبیرات کو خلاف تنزیہ کہتے تھے، ان سب کو یہ دونوں بزرگ اور ان کے متبعین آج بھی نفاۃ الصفات کا لقب دیتے ہیں، یعنی ان کے علاوہ ساری امت کے علماء اور سواد اعظم معاذ اللہ خدا کی صفات کے منکر ہیں، کیونکہ سب سے بڑی صفت اللہ تعالیٰ کے سب سے اوپر اور الگ عرش پر مستقر ومتمکن ہونے اور اس پر بیٹھ کر دونوں پاؤں کرسی پر رکھنے ہی کی جب نفی کر دی گئی تو گویا ساری ہی صفات کی نفی کر دی گئی اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ اسی بات کی رٹ سلفی یعنی وہابی حضرات اس زمانہ میں بھی لگا رہے ہیں جب کہ جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واضح طور سے ثابت ہے اور اس انکار کی بنیاد صرف یہ وہم ہے[1] کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے''۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کہ ہم زمین پر بسنے والوں کے لئے ملاءِ اعلیٰ کے لحاظ سے نہ کوئی جہت فوق ہے نہ تحت ہے، دن کے وقت جو جہت ہمارے لئے فوق ہوتی ہے وہی رات کے وقت تحت ہو جاتی ہے اور امریکہ والوں کے لئے برعکس ہوتا رہتا ہے کیونکہ زمین اپنی محوری گردش ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دن ورات میں پوری کرتی ہے اور سورج کے مقابل ہونے نہ ہونے سے زمین پر دن ورات کا وجود ہوتا ہے، پھر دوسری گردش زمین کی سورج کے گرد ہوتی ہے، جو ساٹھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ایک سال میں پوری ہوتی ہے، تیسری گردش زمین کی سورج اور اس کے دوسرے بڑے آٹھ سیاروں کے ساتھ اسی فضاء تحت السماء میں ہوتی رہتی ہے جس کی رفتار بیس ہزار میل فی گھنٹہ ہے، تو بھلا! اس نئی تحقیق اور ریسرچ کے دور میں قرآن مجید سے ثابت شدہ سب سے بڑا مسئلہ فوق وتحت کے عقیدہ کا بنا لینا کیا عقلمندی ہے اور کیا اس طرح تکذیب قرآن کی طرف دعوت دینا نہیں ہے؟ اور زمین کے کروی ہونے کا ثبوت کتاب وسنت کے تحت حافظ ابن تیمیہ سے بھی بہت پہلے سے ابن حزم کی الفصل ص ۹۷ ج ۲ میں موجود ہے۔

اس دور کے سلفی حضرات نے تو حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کے متبوع وامام دارمی سجزی کی کتاب النقض بھی شائع کر دی ہے جس میں ص ۱۰۰ پر ہے کہ ''تم میں سے کون ایسی غیر معقول بات کہہ سکتا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی خدا سے زیادہ قریب نہیں ہے؟ جبکہ مینارہ کا اوپر کا حصہ بھی بہ نسبت اسفل کے خدا سے زیادہ اقرب ہے'' اور ص ۹۷ میں لکھا کہ ''حق تعالیٰ اپنی مخلوق سے بہت ہی دور اپنے عرش پر ہے اور درمیان میں بہت بڑا فوجہ اور خلا ہے، یعنی ساتوں آسمان اس کے اور مخلوق ارضی کے درمیان حائل ہیں'' ساری کتاب ایسے ہی عجائب وغرائب سے بھری ہے اور جب اس کتاب پر اعتراضات ہوئے تو حرمین کے سلفی حضرات نے اس کی اشاعت غیر ضروری قرار دی ہے، اسی لئے حرمین میں کم ملتی ہے اور دوسری کتابیں کتاب التوحید لابن خزیمہ اور کتاب السنہ لعبد اللہ بن الامام احمد تو تلاش سے بھی نہیں ملتیں، حالانکہ ان تینوں کتابوں میں حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کے نظریات کی تائید ملتی ہے۔

شیخ دارمی سجزی: حافظ ابن تیمیہؒ نے فتویٰ حمویہ کبریٰ ص ۹۷ میں اپنی متبوع وامام دارمی مذکور کا تعارف کرایا کہ وہ ائمہ مشاہیر میں سے امام بخاری کے زمانہ میں تھے اور لکھا کہ ''ان کی کتاب النقض پڑھ کر عاقل ذکی سلف کے علوم کی حقیقت تک رسائی حاصل کرے گا اور ان کے طریق استدلال کی قوت اور مخالفین کی ضعف حجت معلوم کرے گا'' یہ دارمی سجزی م ۲۸۰ھ ہیں، دیکھو تذکرۃ الحفاظ ص ۶۲۱ ج ۲ اور صاحب سنن ومسند عالی حافظ حدیث، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ کے استاذ حدیث دارمی سمرقندی م ۲۵۵ھ دوسرے ہیں اور وہ دارمی سجزی سے متقدم ہیں جن کو ذہبی نے الامام شیخ الاسلام اور صاحب المسند العالی لکھا اور بہت زیادہ تعریف کی ہے یہ بھی لکھا کہ وہ غیر معمولی عقل وسمجھ اور نہایت فضل وعلم کے مالک تھے (تذکرۃ ص ۵۳۴ ج ۲) صاحب الرسالۃ المستطرفہ نے لکھا کہ ''ان کے یہاں اسانید عالیہ وثلاثیات ہیں بلکہ ان کی ثلاثیات .... امام بخاری سے زیادہ ہیں'' بعض محدثین نے سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے (فتح الملہم ۹۵ ج ۱) دارمی سجزی کی بھی مسند ہے مگر وہ عالی نہیں ہے تاہم حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب اجتماع الجیوش الاسلامیہ'' میں لکھا:- شیخ دارمی کی کتاب النقض'' اور کتاب ''الرد علی الجہمیہ'' سنت کے بارے میں تصنیف شدہ جلیل القدر وانفع کتابوں میں سے ہے، ہر طالب سنت جو طریق صحابہ وتابعین وائمہ سے واقف ہونا چاہے اس کو ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان دونوں کتابوں کے بارے میں بہت زیادہ وصیت کیا کرتے تھے اور ان کی نہایت عظمت کرتے تھے اور ان میں توحید اور اسماء وصفات باری کی تحقیق وتقریر ایسی ہے کہ دوسری کتابوں میں نہ ملے گی، (کذا مقدمہ کتاب النقض)

ان دونوں شیوخ سلفیین کی اتنی بلند بانگ مدح وتوصیف کے بعد کتاب النقض کے مطبوعہ نسخہ میں سلفی کبیر ناشر کتاب محمد حامد الفقی رئیس جماعت انصار السنۃ المحمدیہ کی کتاب مذکور پر تنقیدات بھی کہ مقدمہ، ص ۲۰، ص ۲۳، ص ۲۵، ص ۷۱ اور ص ۱۶۴ میں پڑھ لی جائیں تو ع ''بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا'' اور ''علامہ کوثری'' کی مکمل تنقیدات ''مقالات کوثری'' میں پڑھ لی جائیں تو واضح ہو جائے گا کہ علم کلام وعقائد پر دارمی سجزی کو کتاب مذکور لکھنے کا حق ہی نہ تھا، جس طرح محدث ابن خزیمہ م ۳۱۱ھ علم کلام سے عاری تھے اور اسی لئے ان کے کلامی اقوال کو محققین نے نظر انداز کیا ہے، ملاحظہ ہو امام بیہقیؒ کی کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۰ اور مشکلات القرآن علامہ کشمیریؒ ص ۱۴۹ وغیرہ۔

افسوس ہے کہ حافظ ابن تیمیہ وابن قیم نے اور ان کے اتباع میں اس دور کے سلفی علماء نے بھی عقائد میں ان دونوں اور ان جیسے دوسرے سلفی حضرات شیخ عبد اللہ بن الامام احمد م ۲۹۰ھ، ابن حامد بغدادی م ۴۰۳ھ، قاضی ابو یعلیٰ حنبلی م ۴۵۸ھ اور زاغونی حنبلی م ۵۲۷ھ کا اتباع کیا ہے حالانکہ محقق ابن جوزی حنبلی م ۵۹۷ھ نے ان سب کے غلط مزعومات کا رد وافر بھی کر دیا تھا اور نہایت مدلل ومفصل طریق سے ثابت کر دیا تھا کہ ان کے عقائد جمہور امت وسلف اور امام احمدؒ کے بھی خلاف ہیں اور یہ بھی کہ علم سلف وہ نہیں تھا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے، آپ شیخ عبد اللہ کی کتاب السنہ اور ابن خزیمہ کی کتاب التوحید بھی طبع ہو کر سامنے آگئی ہیں جن میں جمہور امت وسلف کے خلاف عقائد موجود ہیں، واللہ المستعان علی ما یصفون۔

یہاں حدیث ترمذی شریف بھی سامنے رہے ''انکم لو دلیتم بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ ثم قرأ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم (رواہ احمد الترمذی) یعنی اگر تم ایک رسی زمین کے نچلے حصہ تک ڈالو گے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچے گی کیونکہ اس کی ذات سب سے اول وقدیم ہے، جس کی ابتداء نہیں اور وہی آخر وباقی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں اور وہی ظاہر ہے باعتبار صفات کے اور باطن ہے باعتبار ذات کے، قال الترمذی وھو علی العرش کما وصف نفسہ فی کتابہ، علامہ طیبیؒ نے لکھا:- یعنی عرش پر اس کا استواء اسی طرح ہے جس طرح اس نے اپنی صفت اپنی کتاب میں بتلائی اور استواء کی پوری حقیقت وعلم صرف خدا کے پاس ہیں، امام ترمذی کا مقصد یہ ہے کہ لھبط علی اللہ میں تاویل علم وقدرت وسلطان کی کی جائے اور استواء علی العرش کا علم بھی خدا ہی کی طرف مفوض کیا جائے اور اس کی تاویل نہ کی جائے جیسا پہلے گذر چکا کہ بعض خلاف ظاہر امور تاویل کے محتاج ہوتے ہیں اور بعض امور میں غور وخوض کرنا چاہئے (مرقاۃ ص ۲۵۵ ج ۵) اس حدیث پر امام ربانی حضرت مجدد قدس سرہ نے مکتوب نمبر ۱۲۱ جلد سوم میں روشنی ڈالی ہے۔ (مؤلف)

ص۳۱۴ ج ۵ میں لکھا:- فضلا اگر غور وتدبر کریں تو یہ بات روشن ہے کہ رؤیت کے مسئلہ میں جو تم معتزلہ کی مخالفت کی ہے وہ صرف ظاہری ہے اور حقیقت میں تم نے ان کی موافقت[1] کی ہے، کیونکہ تم نے رؤیت کا اقرار ایسے طور سے کیا ہے، جو معتزلہ کے خلاف نہیں ہوتا'' کیونکہ وہ تو جہت ومکان سے بچنا چاہتے تھے، تم نے ان دونوں باتوں کا انکار کر کے بلا جہت کے رؤیت مان لی تو پھر کیا اختلاف باقی رہا؟

ص۳۲۶ میں حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا:- ''بہت ہی اہم وعظیم بات اور نہایت بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ تم لوگ اور معتزلہ بھی بہت سے اصول دین وعقائد کو ضعیف وفاسد طریقوں سے ثابت کرتے ہو، جبکہ اس سے بہت سے دوسرے اصول دین وعقائد کی تکذیب وتغلیط بھی لازم آتی ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ موصوف اپنی بیماری دوسروں میں دیکھتے تھے، جس طرح یرقان کا مریض ہر چیز کو ہرا دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، علامہ ابن جوزی حنبلی م ۵۹۷ھ کی کتاب ''دفع شبہۃ التشبیہ والرد علی المجسمہ'' دیکھی جائے جس میں حافظ ابن تیمیہؒ کے ممدوحین ومتبوعین (ابن حامد م ۴۰۳ھ وقاضی ابو یعلی حنبلی م ۴۵۸ھ وزاغونی حنبلی م ۵۲۷ھ وغیرہ) کا رد کیا گیا ہے اور ساتھ احادیث کے مطالب ومعانی واضح کئے ہیں، جن کے غلط مفہوم لے کر ان لوگوں نے مسلک جمہور ومذہب امام احمد کے خلاف الگ اپنا مذہب بنایا تھا ان احادیث میں سے شاذ ومنکر اور ضعیف روایات کی بھی نشان دہی کردی ہے اور حافظ ابن تیمیہ وابن قیم نے اپنے ان ہی متبوعین کے اتباع میں ان کے دلائل کو پھر سے دہرا دیا ہے۔

دعوت مطالعہ

علامہ ابن جوزی کی کتاب مذکور اور علامہ حصنی م ۸۲۹ کی کتاب ''دفع شبہ من شبہ وتمرد ونسب ذلک الی الامام الجلیل احمد'' کا مطالعہ تمام علماء کو کرنا چاہئے، تاکہ وہ اس دور کے سلفی، تیمی وو ہابی فتنہ کو علی وجہ البصیرت سمجھ سکیں خاص طور سے میں حضرت علامہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے تلامذہ ومسترشدین کو اس طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کیوں کہ اس دور کی اہم ترین علمی ودینی ضرورت کا احساس کر کے ان دونوں حضرات نے تفردات ابن تیمیہ کے رد میں غیر معمولی توجہ صرف کی تھی۔

ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ معمولی وسطحی مطالعہ سے ہرگز کام نہ چلے گا، معقول ومنقول کی پوری استعداد رکھنے کے ساتھ حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا اور جتنا لٹریچر رد میں آٹھویں صدی سے اب تک لکھا گیا ہے سب ہی کو سامنے رکھ کر حقائق واضح ہوسکیں گے، کیونکہ ان دونوں حضرات کی کتابوں میں بڑے بڑے گھماؤ، پھراؤ، بچاؤ اور تناقضات واغلاط ومغالطات نقول بھی ہیں، ناقص الاستعداد اور کم مطالعہ والے دھوکہ کھا سکتے ہیں، ہمارے ان دونوں اکابر اور علامہ کوثریؒ کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا کرے کہ اس فتنہ کی طرف توجہ دی اور دلائی، راقم الحروف کو ان تینوں حضرات سے تلمذ کے صدقہ میں کچھ لکھنے کی توفیق ملی ہے، لیکن سر دست میری ساری توجہ شرح بخاری شریف کے کام کی طرف ہے، مجبوراً اور ضمناً کچھ لکھنا پڑتا ہے ضرورت ہے کہ صرف اس کام پر پوری توجہ صرف کر کے مستقل کتابیں کامل تحقیق کے ساتھ لکھی جائیں اور بڑے پیمانہ پر ان کی اشاعت کی جائے جس طرح سلفی حضرات کی طرف سے حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کی کتابوں کی اشاعت بڑے اہتمام کے ساتھ اور مفت کی جارہی ہے اور ان کے عقائد ونظریات وتفردات کو بطور ''دعوت'' کے پیش کیا جارہا ہے۔

افسوس ہے کہ ''علماء دیوبند'' جن کا عظیم مقصد احقاق حق وابطال باطل ہے اس دور کے بیشتر علمی فتنوں سے بڑی حد تک غافل ہیں **ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا**۔ (علامہ فراہیؒ کی تالیفات بھی پھر سے شائع کرنے کا منصوبہ لاکھوں روپے جمع کر کے بنایا جارہا ہے، ان کی تفسیری غلطیوں کا نمونہ قصص القرآن مولانا حفظ الرحمٰن وتفہیم القرآن مولانا مودودی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

---

[1] اس طرح دوسری طرف حافظ ابن تیمیہ کو بھی الزام دے سکتے ہیں کہ آپ نے معتزلہ اور مجسمہ دونوں کی موافقت کرلی ہے اور اہل حق کی مخالفت، کیونکہ معتزلہ بغیر جہت کے رؤیت کو محال سمجھتے تھے، آپ نے بھی یہی کیا اور پھر مجسمہ کا ساتھ دے دیا کہ جہت فوق متعین کر کے اللہ تعالیٰ کو اجسام کی طرح عرش پر مستقر، جالس اور قاعد بھی ثابت کیا، اہل حق تو جس طرح حضور علیہ السلام کی حدیث الباب والی رؤیت کو بلاشرط جہت ومقابلہ یہاں درست مانتے ہیں، رؤیت خداوندی کو بھی مانتے ہیں۔ (مؤلف)

یہاں رؤیت باری کی بحث بخاری کی حدیث الباب کے تحت ضمناً آ گئی اور حافظ ابن حجر و محقق عینی کی تشریحات کی وجہ سے آ گئی، کیونکہ جب اہل حق کا مسلک واضح و معین ہو چکا اور بخاری و مسلم کی ایسی احادیث صحیحہ قویہ کی روشنی میں محقق ہو گیا کہ رؤیت کے لئے نہ کوئی فاصلہ کی شرط ہے نہ تقابل (آمنے سامنے ہونے) کی اور حضور علیہ السلام کا بلا تقابل و جہت کے پیچھے والی چیزوں کو بھی آگے کی طرح دیکھ لینا، بلکہ اندھیرے میں بھی اجالے کی طرح دیکھنا وغیرہ امور ثابت ہو گئے تو آخرت میں دیدار خداوندی کیلئے تقابل اور فاصلہ و جہت کی شرطیں کس لئے؟ اور حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کا رؤیت کو جہت مقابل و فوق کے ساتھ لازم کرنا اور بلا تقابل کے رؤیت کو ناممکن و محال تک بتلا دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟!

"الصراع بين السلام الوثنية للقيصمي" ص ۵۲۶ ج ۱ میں ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں بہت سی جگہ اور دوسری تالیفات میں بھی لکھا کہ:- "یہ کہنا صحیح نہیں کہ خدا کسی جہت[1] میں ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ کسی جہت میں نہیں ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ وہ جسم ہے یا جسم[2] نہیں ہے، ہم ان سب کی نہ نفی کر سکتے ہیں نہ اثبات، کیونکہ ان کا اثبات و نفی کتاب و سنت میں وارد نہیں ہوا اور نہ سلف امت[3] سے منقول ہوا ہے"۔

اس بڑے دعوے کے مقابلے میں یہاں صرف اتنی سی مختصر بات عرض ہے کہ کتاب و سنت میں ہزاروں باتوں کی نفی خدائے برتر کی منزہ ذات سے نہیں کی گئی، تو کیا ان کے بارے میں بھی یہی چھوٹ دے دی جائے گی؟ اور کیا **ليس كمثله شيء** اور **افمن يخلق كمن لا يخلق** کی تصریح کے بعد ایسی کچی بات کا دعوے درخور اعتنا ہو بھی سکتا ہے؟ اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۳۷ ج ۲ میں بحوالہ حافظ عراقیؒ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اشعری باقلانی سے نقل ہوا کہ ان سب کے نزدیک خدا کے لئے جہت کا اعتقاد[4] رکھنے والا کافر ہے۔ اور امام احمد سے نفی جہت و نفی تشبیہ و تمثیل کو محققانہ بحث علامہ ابن جوزی حنبلی و علامہ حصنی وغیرہ نے کر دی ہے جس کے بعد حافظ ابن تیمیہؒ کا دعویٰ

---

[1] پھر فتاویٰ ص ۳۵ میں جہت فوق کو خدا کے لئے کیوں ثابت کیا ہے۔؟ [2] حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ ص ۲۳۰ ج ۵ میں لکھا:- اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جس شخص نے رب کو جسم من جنس المخلوقات قرار دیا وہ ضلالت و گمراہی کے لحاظ سے اعظم المبتدعہ میں سے ہے یہاں جسم کے ساتھ قید لگا کر تیسری صورت نکال لی۔ ص ۲۴۴ میں نقل کیا کہ حضرت امام مالکؒ سے اہل بدعت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:- "وہ ایسے لوگ ہیں جو باری تعالیٰ کے اسماء، صفات، کلام، علم و قدرت میں کلام کرتے ہیں اور ان باتوں کے کہنے سے نہیں رکتے جن سے صحابہ و تابعین نے سکوت کیا تھا"۔ اس دور کے سلفی و تیمی انصار السنہ نے شیخ عبداللہ بن الامام احمدؒ کی کتاب السنہ بھی شائع کر دی ہے جس میں ہے ص ۵ کیا استواء بغیر جلوس کے ہو سکتا ہے؟ ص ۷۰ میں ہمارا رب کرسی پر بیٹھتا ہے تو اس سے نئے کجاوے کی طرح آواز نکلتی ہے، ص ۷۱ وہ کرسی پر بیٹھتا ہے تو اس سے صرف چار انگل کی جگہ بچتی ہے، ص ۱۴۲ شروع دن میں رحمٰن کا بوجھ حاملین عرش پر زیادہ بھاری ہوتا ہے جب مشرک عبادت کرتے ہیں، پھر جب مومنین عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں تو وہ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے وغیرہ اور حافظ ابن تیمیہ کے ممدوح امام دارمی سجزی کی کتاب النقض کے ص ۹۲ اور ص ۱۸۲ میں ہے کہ حدیث ابی داؤد میں اطیط عرش کا جو ذکر ہے وہ خدا کے عرش پر بوجھ کی وجہ سے ہے، کیونکہ اس کا بوجھ لوہے پتھروں کے ٹیلوں کی طرح ہے۔

[3] حافظ ابن قیم نے اپنے عقیدہ نونیہ میں کہا:- اللہ تعالیٰ عرش و کرسی پر ہے اور کرسی پر اس کے دونوں قدم ہیں اور وہ اوپر سے ہی مخلوق کو دیکھتا اور ان کی باتیں سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن محمد ﷺ کو اپنے قریب کرے گا یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ عرش پر بیٹھے ہوئے دیکھے جائیں گے، کیا یہ یا اسی قسم کے الفاظ سلف امت سے منقول ہوئے ہیں؟ بینوا توجروا (مؤلف)

[4] تفہیم القرآن ص ۴۰۰ میں آیت ۴ ء امنتم من في السماء کے ذیل میں لکھا:- اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر رہتا ہے الخ ص ۵۷ ج ۱ میں خدا کے عرش پر بیٹھے ہوئے اور اس کے لئے جسم، جہت و مقام کی نفی کی ہے، ص ۳۰۹ ج ۶ میں مخلوقات سے تشبیہ دینے کے ہر پہلو کو فاسد عقیدہ قرار دیا ہے، ص ۳۳۳ ج ۶ میں خدا کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے عقیدہ کی نفی کی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا:- "امام رازی کا قول کتنا اچھا ہے کہ خدا کو جسم ماننے والا کبھی بھی خدا کی عبادت نہیں کرتا، کیونکہ وہ تو اپنے غلط عقیدے کی وجہ سے ہر اس چیز کی عبادت کرتا ہے جس کی صورت اس کے ذہن میں قائم ہے حالانکہ خدا ان سب مخلوقاتی تصورات سے منزہ ہے اور لکھا:- "حق تعالیٰ تمام اوصاف اجسام سے منزہ ہے اور نہ وہ کسی اوپر یا نیچے کے مکان میں متمکن ہے، نہ اس پر زمان کا اطلاق و اجراء ہو سکتا ہے، نہ وہ کسی چیز کے اندر حلول کرتا ہے یہ سب شبہ، مجسمہ اور حلولیہ کے اوہام ہیں"۔ (شرح فقہ اکبر ص ۴۳) ص ۴۴ میں لکھا:- الرحمٰن علی العرش استوی وغیرہ آیات میں صفات متشابہات بیان ہوئی ہیں، جن کی کیفیت مجہول ہے اور ان سب پر بلا کیف و تشبیہ وغیرہ کے ایمان لانا چاہئے۔ (مؤلف)

مذکور محض دعوے بلا دلیل رہ جاتا ہے اور کیا ان کے نزدیک ائمہ اربعہ اور دوسرے اکابر امت سلف امت میں داخل نہیں تھے؟ واضح ہو کہ یہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وجلیل القدر محققانہ کتاب (ملاعلی قاری حنفیؒ کی) ہے کہ اس کی محققانہ نقول پر سلفی وتیمی حضرات بھی اعتماد کرتے ہیں اور قریبی دور کے علامہ مبارکپوریؒ نے تو اپنی شرح ترمذی شریف ''تحفۃ الاحوذی'' میں سینکڑوں عبارتیں اس سے نقل کی ہیں اگرچہ بغیر حوالہ کی نقول بھی کثرت سے ہیں اور یہ بات علامہ مرحوم کے لئے مناسب نہ تھی۔

حرف آخر

ائمہ اربعہ کے دور مبارک ومیمون میں احادیث وآثار صحابہ وتابعین اور تعامل خیر القرون کو پوری طرح سامنے رکھ کر لاکھوں فروعی مسائل کے صحیح فیصلے مدون ہو چکے تھے اور تمام اسلامی ملکوں میں فقہ اسلامی کے احکام بھی جاری ہو چکے تھے اور امام بخاریؒ وغیرہ سے پہلے ایک سو ۱۰۰ کے قریب احادیث صحاح وآثار صحابہ وتابعین کے مجموعے تالیف ہو کر منظر عام پر آگئے تھے کہ امام بخاریؒ نے اسحاق بن راہویہ کی تحریک پر صحیح مجرد کی تالیف کی اور آثار صحابہ وتابعین کو درمیان سے ہٹا دیا، جس کے نتیجہ میں عدم تقلید ائمہ اربعہ کا دروازہ کھل گیا اور صرف احادیث کو سامنے رکھ کر ہر شخص اپنے اجتہاد سے فیصلے کرنے کا مستحق بن گیا، خواہ وہ علم رجال سے بھی واقف نہ ہو، حالانکہ فن حدیث کا نصف علم رجال کی واقفیت پر مبنی ہے اور اس کی ضرورت واہمیت کسی زمانہ میں بھی کم نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی، لیکن ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ انحطاط عظیم بھی دیکھ لیا کہ اب بہت سے شیوخ حدیث اور بڑے بڑے مدارس کے بخاری پڑھانے والے بھی علم رجال سے نابلد اور شروح وکتب حدیث کے مطالعہ سے عاری ہونے لگے، اس طرح بقول ایک علامہ حدیث کے ایسے اساتذہ بخاری شریف پڑھائیں گے تو ان کے تلامذہ غیر مقلد ہی بنیں گے الا ماشاءاللہ، یہ بات تو فروعی مسائل سے متعلق تھی، علم اصول وعقائد کی تاریخ یہ ہے کہ صحابہ وتابعین وائمہ اربعہ واصحاب ائمہ کے دور تک زیادہ ضرورت پیش نہ آنے کے باعث بہت کم مسائل کی تحقیق وتنقیح ہو سکی تھی، البتہ بعد کے حضرات نے حسب ضرورت و اہمیت زیادہ توجہ کی چنانچہ امام احمدؒ کے بعد علامہ محدث محمد بن یحییٰ ذہلی م ۲۵۹ھ (تلمیذ امام اعظمؒ بیک واسطہ) نے خلق قرآن کے مسئلہ پر نہایت زور دیا وہ ارباب صحاح کے استاذ تھے اس لئے اپنے تلمیذ امام بخاریؒ کی تلفظ بالقرآن والی مسامحت بھی برداشت نہ کر سکے اور اعلان کر دیا کہ لفظی بالقرآن مخلوق کہنے والا بھی مبتدع ہے اس طرح استاذ محترم کی طرف سے اپنے وقت کے امام حدیث بلکہ امیر المومنین فی الحدیث کو ابتداع کا داغ لگ گیا کیونکہ باب عقائد میں بال کی کھال نکالی جاتی ہے اور کسی کے ساتھ ادنیٰ رعایت بھی نہیں کی جاتی، امام ذہلیؒ کے بعد اکابرین سے امام طحاوی حنفی م ۳۲۱ھ نے عقائد پر مستقل تالیف کی عقیدہ الطحاوی اور کتاب فی النحل واحکامہا ۴۰ جزو۔ پھر ابو الحسن اشعریؒ م ۳۳۰ھ نے اول الابانہ لکھی تھی بعد کو مقالات الاسلامیین، پھر علامہ ابو منصور ماتریدی م ۳۳۳ھ نے تمام مسائل اصول وعقائد پر عمدہ کتابیں لکھیں اور ان کے بعد مندرجہ ذیل حضرات کبار محدثین ومتکلمین محققین امت کی خدمات سامنے آئیں:- علامہ ابو القاسم لالکائی م ۴۱۸ھ، شیخ ابو اسحٰق اسفرائنی م ۴۱۸ھ، علامہ ماوردی شافعی م ۴۵۰ھ علامہ بیہقی م ۴۵۸ھ (جن کی کتاب الاسماء والصفات تعلیقات کوثری کے ساتھ بھی مصر سے شائع ہوگئی ہے) علامہ ابن عبدالبر م ۴۶۳ھ، علامہ قشیری م ۴۶۵ھ، علامہ ابو المظفر اسفرائنی م ۴۷۱ھ (جن کی التبصیر فی الدین علامہ کوثریؒ کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہوئی اور نہایت مفید کتاب ہے) علامہ باجی م ۴۷۶ھ (استاذ امام الحرمین شافعی م ۴۷۸ھ، (استاد امام غزالیؒ) شیخ الاسلام ہروی ۴۸۱ھ، امام غزالی ۵۰۵ھ، علامہ کلوذانی م ۵۱۰ھ، علامہ ابن عقیل حنبلی م ۵۱۳ھ، قاضی عیاض م ۵۴۴ھ، علامہ ابوبکر بن العربی م ۵۴۶ھ (صاحب عارضۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی، والعواصم والقواصم)، علامہ ابن الجوزی حنبلی م ۵۹۷ھ، علامہ موفق بن قدامہ حنبلی م ۶۲۰ھ، علامہ ابن نقطہ حنبلی م ۶۲۹ھ، علامہ عزالدین بن عبدالسلام م ۶۶۰ھ (جنہوں نے متاخرین حنابلہ کے ابتداع

حف وصوت کے خلاف احقاقِ حق کیا اور تاتاریوں کے خلاف جہاد میں بھی دادِ شجاعت دی) علامہ فضل اللہ تو ربشتی م ۶۶۱ھ، علامہ قرطبی ۶۶۵ھ، علامہ نووی م ۶۷۶ھ، علامہ نسفی ۶۸۶ھ وغیرہ۔

ان سب اکابر امت نے جن مسائل اصول وعقائد کے محققانہ فیصلے کر دیئے تھے، حافظ ابن تیمیہؒ م ۷۲۸ھ نے آکران سب کو الٹ پلٹ دیا اور بہت سے اہم معتقدات میں اپنی الگ رائے قائم کر لی اور اپنے تفردات پر اس قدر سختی سے جم گئے کہ کسی کی نہ سنی، ہر تفرد کے ساتھ بڑے بڑے دعوے کئے جو ثابت نہ ہو سکے، اپنی تائید میں بڑوں کے اقوال پیش کئے تو وہ صحیح نہ نکلے، اپنے نظریات خلاف جمہور کے لئے ضعیف اور شاذ ومنکر احادیث کا سہارا لیا اور دوسروں کی حسن وضعیف حدیثوں کو باطل قرار دیا جس کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت کافی ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے ردشیعی کے زور میں آکر احادیث جیاد (عمدہ معتبر روایات) کو بھی رد کر دیا۔لسان المیز ان ص ۳۱۹ ج ۶، ساری احادیث زیارۃ وتوسل کو موضوع وباطل کہہ دیا اور آج بھی شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز چانسلر مدینہ جیسے ذمہ دار اکابر حج وزیارت پر کتابچے لکھ کر مفت شائع کرتے ہیں تو ان میں بھی احادیث زیارۃ کو موضوع کہتے ہیں گویا ان حضرات کے دماغ حافظ ابن تیمیہ کے تفردات کی طرف سے ایک انچ بھی ہٹنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور اس جمود وتعصب مفرط کے ساتھ مرکز اسلام حرمین شریفین کے بڑے بڑے علمی ودینی عہدوں پر فائز ہیں، والی اللہ المشتکی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے امام الحرمین اور حجۃ الاسلام امام غزالی کی تکفیر کی بلکہ ان کے کفر کو یہود ونصاریٰ کے کفر سے زیادہ سخت بتلایا، تمام علماء مذہب اور سلاطین مصر وشام وغیرہ نے حافظ ابن تیمیہ سے متفقہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ آیات واحادیث صفات باری سے تعرض نہ کریں اور ان کے بارے میں اپنے متفرد نظریات لوگوں میں نہ پھیلائیں تو خود موصوف ہی کا بیان ہے کہ میں نے اس مطالبہ کے جواب میں کہہ دیا کہ قرآن وحدیث میں علم چھپانے پر سخت وعید وارد ہے، اس لئے کسی عالم کو ایسی بات کا حکم نہیں کیا جا سکتا، جس کے ارتکاب سے وہ خدا کی لعنت کا مستحق بنے، دونوں قاصد میرا جواب لے کر چلے گئے اور عرصہ تک نہ آئے پھر آئے تو کوئی کام کی بات لے کر نہ آئے اور صرف میرے بلانے اور حاضری کا مطالبہ کیا تو اس پر میں نے بہت سخت جواب دیا اور بلند آواز میں ان سے کہا:-''اے شریعت کو بدلنے والو! اے شریعت سے ارتداد کرنے والو! اے زندیقو'' اور اسی قسم کے بہت سے سخت جملے میں نے ان کو کہے، پھر میں کھڑا ہو گیا اور دروازہ کھلوا کر اپنی جگہ لوٹ گیا، ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۵ ج ۵، مطبوعہ مصر ۱۹۶۶ء۔

بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حافظ ابن تیمیہ ہی کے زمانہ میں بڑے بڑے علماء شام ومصر ومغرب نے ان کے تفردات کا رد کیا تھا اور ان کے تفردات علماء اہل سنت کی نظر میں مردود تھے، تو ان کی مخالفت پر اب کیا رد وقدح کا موقع ہے؟ جب حافظ ابن تیمیہ کی نظر میں امام الحرمین وامام غزالی کے عقائد کفریہ تھے اور تمام علماء وقت کے متفقہ مطالبہ کو ٹھکرا کر ان سب کو بھی مرتد وزندیق بتلایا گیا تو کیا ہمارے واسطے اس امر کی کھوج لگانی ضروری نہیں ہو جاتی کہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے مقابل جمہور علماء متقدمین ومتاخرین کے مابین اختلاف اتنا شدید کیسے ہوا؟ اور بنیادی نقاط اختلاف کیا کیا ہیں؟ اور آج جو تفردات حافظ ابن تیمیہ کی طرف دعوت عام بڑے وسیع پیمانے پر دی جارہی ہے، اس سے جمہور امت کے مسلک پر کیا کچھ اثرات پڑیں گے، ظاہر ہے ان سے غفلت برتنا سخت مضر ہوگا۔ اللّٰہ یرحمنا وایاھم

راقم الحروف نے طرفین کی کتابوں کا پورا مطالعہ کیا ہے اس لئے حسب ضرورت کچھ لکھنا پڑتا ہے ورنہ ضرورت اس کی ہے کہ جس طرح تفصیل سے ہم نے یہاں اور اس سے پہلی جلد میں زیارت وتوسل پر لکھا ہے اس طرح الگ سے کتابیں لکھی جائیں اور ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے تا کہ اس دعوت عامہ کا تدارک وجواب ہو سکے، جو سلفی تیمی ووہابی حضرات کی طرف سے حافظ ابن تیمیہؒ کے تفردات خلاف جمہور وسلف کی بڑے پیمانہ پر اشاعت سے برپا ہو رہی ہے۔ **واللّٰہ الموفق وھو الھادی الیٰ طریق مستقیم، نسأل اللہ تعالیٰ لنا ولجمیع المسلمین ان یوفقھم لما یحب و یرضیٰ۔**

باب هل يقال مسجد بني فلان؟

(کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسجد فلاں لوگوں کی ہے؟)

۴۰۶. حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالک عن نافع عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ سابق بين الخيل التي اضمرت من الحفيآء و امدها ثنية الوداع وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية الىٰ مسجد بني زريق و ان عبدالله بن عمر كان فيمن سابق بها.

ترجمہ: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا کہا کہ ہمیں مالک نے نافع کے واسطہ سے خبر پہنچائی وہ عبداللہ بن عمرؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان گھوڑوں کی جنہیں (جہاد کیلئے) تیار کیا گیا مقام حفیاء سے دوڑ کرائی اس دوڑ کی حد ثنیۃ الوداع تھی اور جو گھوڑے ابھی تیار نہیں ہوئے تھے، ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک کرائی، عبداللہ بن عمر نے بھی اس گھوڑ دوڑ میں شرکت کی تھی۔

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ آں حضور ﷺ کے عہد مبارک میں کسی مسجد کی اس طرح نسبت کی جاتی تھی اگرچہ قرآن مجید میں ہے کہ مسجدیں خدا کی ہیں لیکن ان کی نسبت اس میں نماز پڑھنے والوں یا اس کے بنانے والوں کی طرف کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، جس گھوڑ دوڑ کا حدیث میں ذکر ہے اس میں شریک ہونے والے دو گھوڑے تھے جنہیں جہاد کے لئے تیار کیا گیا تھا (اس سے متعلق مفصل احادیث اور ان پر بحث کتاب الجہاد میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ)

حافظ نے لکھا کہ جمہور کے نزدیک اس نسبت کا جواز ہی ہے، البتہ ابراہیم نخعی اس کو مکروہ کہتے تھے لقوله تعالىٰ وان المساجد لله، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت تمیز کے لئے ہے ملکیت بتلانے کے لئے نہیں۔ (فتح الباری ص ۳۴۸ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حجاج بھی اپنے زمانہ میں اس نسبت کو ناپسند کرتا تھا اور یہی دلیل دیتا تھا وہ اس امت کا ظالم ترین شخص ہوا ہے، امام احمدؒ سے ایک روایت اس کی تکفیر کی بھی ہے جیسا کہ انہوں نے یزید کی بھی تکفیر کی ہے، ترمذی میں ہے کہ اس نے صحابہ و تابعین میں سے ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد قتل کئے تھے۔ (فیض الباری ص ۳۸ ج ۲)

باب القسمة و تعليق القنو في المسجد

(مسجد میں (کسی چیز کی) تقسیم اور خوشے کا لٹکانا)

قال ابوعبد الله القنوا لعذق والاثنان قنوان والجماعة ايضاً قنوان مثل صنو و صنوان وقال ابراهيم يعني ابن طهمان عن عبد العزيز بن صهيب عن انس قال اتى النبي ﷺ بمال من البحرين فقال انثروه في المسجد و كان اكثر مال اتى به رسول الله ﷺ فخرج رسول الله ﷺ الى الصلوٰة ولم يلتفت اليه فلما قضى الصلوٰة جآء فجلس اليه فما كان يرىٰ احداً الا اعطاه اذ جاء ه العباس فقال يا رسول الله اعطني فاني فاديت نفسي و فاديت عقيلا فقال له رسول الله ﷺ خذ فحثا في ثوبه ثم ذهب يقله، فلم يستطع فقال يا رسول الله! مر بعضهم يرفعه الي قال لا قال فارفعه انت علي قال لا فنثر منه ثم ذهب يقله، فقال يا رسول الله ! مربعضهم يرفعه علي قال لا قال فارفعه انت علي قال لا فنثر منه ثم احتمله فالقاه علىٰ كاهله ثم انطلق فما زال رسول الله ﷺ يتبعه بصره حتى خفي علينا عجباً من حرصه فما قام رسول الله ﷺ و ثمه منها درهم.

ترجمہ: ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا کہ قنو کے معنی عذق (خوشۂ کھجور) کے ہیں، دو کے لئے قنوان آتا ہے اور جمع کے لئے بھی یہی لفظ آتا ہے جیسے صنو اور صنوان، ابراہیم بن طہمان عبدالعزیز بن صہیب کے واسطے سے حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے یہاں بحرین کا مال آیا، آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں پھیلا دو یہ ان تمام مالوں سے زیادہ تھا جو اب تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ چکے تھے پھر نبی کریم ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، جب آپ نماز پوری کر چکے تو آ کر مال کے قریب تشریف فرما ہوئے آپ اس وقت جسے بھی دیکھتے اسے عطا فرماتے، اتنے میں حضرت عباسؓ تشریف لائے اور فرمایا یا رسول اللہ مجھے بھی عطا کیجئے کیونکہ میں نے اپنا بھی فدیہ دیا تھا اور عقیل کا بھی (یہ دونوں حضرات غزوہ بدر میں مسلمانوں کے قیدی تھے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لیجئے، انہوں نے اپنے کپڑے میں لیا، پھر اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن نہ اٹھا سکے (وزن کی زیادتی کی وجہ سے) انہوں نے کہا یا رسول اللہ کسی کو حکم فرمایئے کہ اٹھانے میں میری مدد کرے، آپ نے فرمایا نہیں، انہوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اٹھا دیجئے، آپ نے اس پر بھی انکار کیا، اس لئے حضرت عباسؓ نے اس میں سے تھوڑا سا حصہ گرا دیا اور باقی ماندہ کو اٹھانے کی کوشش کی (لیکن اب بھی نہ اٹھا سکے) پھر فرمایا یا رسول اللہ ﷺ کسی کو میری مدد کرنے کا حکم دیجئے، آپ نے انکار کیا تو انہوں کہا کہ پھر آپ ہی اٹھا دیجئے، لیکن آپ نے اس سے بھی انکار کیا، اس لئے اس میں سے تھوڑا سا اور سامان گرا دیا، اب اسے اٹھا سکے اور اپنے کاندھے پر لے لیا، رسول اللہ ﷺ کو ان کی حرص پر اتنا تعجب ہوا کہ آپ اس وقت تک ان کی طرف برابر دیکھتے رہے جب تک وہ ہماری نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے، رسول اللہ ﷺ وہاں سے اس وقت تک نہ اٹھے جب تک ایک درہم بھی باقی رہا۔

تشریح: چونکہ احادیث میں مساجد کے اندر عبادت کے سوا دوسرے امور کی ممانعت آئی ہے، مثلاً ارشاد ہے کہ ان مساجد میں لوگوں کے لئے دوسرے کام مناسب نہیں، (لامع ص ۱۶۰ ج ۱) اور مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جو شخص مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کر کے تلاش کرے تو اس سے کہنا چاہئے کہ خدا تیری چیز نہ لوٹائے کیونکہ مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں، ایک حدیث سنن میں مساجد کے اندر خرید و فروخت کی ممانعت ہے اور اشعار پڑھنے کی بھی، بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے طائف کے دو شخصوں سے کہا: - اگر تم شہری باشندے ہوتے تو میں تمہاری مرمت کرتا، تم مسجد نبوی میں بلند آواز سے بول رہے ہو، ان کے علاوہ دوسری احادیث کنز العمال میں بہ تفصیل مذکور ہیں، حتیٰ کہ یہ بھی وارد ہے کہ مسجد میں ہنسنے سے قبر میں تاریکی ہوگی اور یہ کہ مسجد میں ہر کلام لغو ہے، بجز قرآن مجید و ذکر اللہ اور کسی خیر کے لین دین کے۔ (حاشیہ لامع ص ۱۶۰ ج ۱)

حافظ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کی، شاید اس لئے کہ اس کی احادیث ان کی شرط کے مطابق نہ ہونگی، لہٰذا نسائی وغیرہ کی حدیث کی طرف اشارہ کر گئے، جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی اجازت سے لوگ صدقہ کے خرمائی خوشے مسجد نبوی میں لا کر لٹکا دیا کرتے تھے کہ جس طرح وہ مستحقین ومحتاجین کے لئے ہوتے تھے، یہ بحرین سے آیا ہوا مال بھی ضرورت مند لوگوں کے لئے تھا۔ (فتح الباری ص ۳۴۸ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: - (۱) امام بخاریؒ نے یہاں سے ان افعال کا ذکر شروع کیا جو جنس نماز و اذکار سے خارج ہیں، اور پھر بھی مسجد میں کیے گئے ہیں اور اس سے وہ اپنے وسیع مسلک کی تائید کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس باب میں تقسیم مال ثابت کی، جبکہ ہمارے فقہاء مسجد کے اندر کلام وطعام وغیرہ کو مکروہ فرماتے ہیں اور تقسیم اموال وغیرہ کو بھی، کیونکہ مساجد ان کاموں کے لئے موزوں نہیں ہوتیں، امام بخاری دور تک ایسی احادیث کا ذکر کریں گے، حالانکہ وہ سب خاص خاص واقعات تھے، جن کا انکار فقہا کو بھی نہیں ہے اور وہ ان امور کو صرف بطور عادت اختیار کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اگر ایک دو بار ایسا ہو جائے تو وہ ان کے نزدیک بھی جائز ہے، لہٰذا امام بخاری اگر ان جزوی واقعات سے مسجد کے احکام میں توسع پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو دوسرے افعال احیاناً ثابت ہوئے

ہیں، ظاہر ہے کہ مساجد ان کے لئے نہیں بنائی گئیں، پھر جبکہ نفل نمازوں کے لئے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ گھروں میں پڑھی جائیں اور مساجد میں صرف فرائض ادا ہوں، تو دوسرے اعمال وافعال کے لئے مستقل طور سے گنجائش نکالنے کی سعی کا کیا موقع ہے؟! قضا حنفیہ کے نزدیک مسجد میں بھی جائز ہے، کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں ہے، شافعیہ کے یہاں ممنوع ہے، تدریس میں بھی اختلاف ہے۔ حنفیہ اس کو مسجد میں بلا اجرت جائز اور اجرت کے ساتھ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ (کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں نہ رہی)

(۲) حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ مجھے اس امر میں بھی تردد ہے کہ تقسیم اموال بحرین وغیرہ معاملات مسجد کے اندر پیش آئے تھے، کیونکہ علامہ سمہودیؒ نے ذکر کیا ہے کہ مسجد نبوی کا قبلہ پہلے بیت المقدس کی طرف تھا پھر جب تحویل قبلہ ہوئی تو دوسری مقابل جانب میں ہوگیا اور وہ حصہ مسقف ہوگیا جبکہ پہلا حصہ صفہ کہلایا جانے لگا۔ کتب فقہ میں یہ بھی ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو بوقت ضرورت اس سے خارج بھی کرسکتے ہیں، لہٰذا یہ سب توسعات جو امام بخاریؒ نے ذکر کی ہیں، پہلے حصہ میں ہوئی ہوں گی جو بعد کو مسجد کے حکم میں داخل نہ رہا تھا، اگرچہ بعد کو بھی اس حصہ کو مسجد کہا جاتا رہا۔ راویوں نے بھی توسع کر کے اس کو مسجد ہی کہا اور عرفاً اس کی گنجائش بھی تھی، علامہ ذہبی نے بھی لکھا ہے کہ صفہ اجزاء مسجد میں سے تھا پھر اس سے خارج کردیا گیا تھا، اس تحقیق پر بھی امام بخاریؒ کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور ان کے لئے یہ اجمالی جواب ہر جگہ جاری ہوگا۔

(۳) اس کے سوا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ بحرین کا مال (جو تقریباً ایک لاکھ درہم تھا) مسجد میں اس لئے بھی جمع کرنا پڑا تھا کہ اس وقت تک بیت المال نہیں بنا تھا اور اس کو کسی صحابی کے یہاں رکھنا بھی بدگمانیوں کا سبب بن سکتا تھا اور خود حضور علیہ السلام بھی اس متاع دنیوی کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔

ان سب قرائن وشواہد کے موجود ہوتے ہوئے اگر حضور اکرم ﷺ نے وہ سب مال مسجد نبوی میں ڈھیر کرا کر فوراً ہی تقسیم بھی کرادیا تو کیا یہ بات موزوں ومناسب قرار دی جاسکتی ہے کہ اس کو قاعدہ کلیہ بنالیا جائے؟ نہیں بلکہ اس کو بطور ایک واقعہ جزئیہ خاصہ کے سمجھنا زیادہ بہتر ہے، اور ہر انصاف پسند یہی فیصلہ کرے گا۔

فائدہ مہمہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ وضع تراجم ابواب کے بارے میں سباق غایات ہیں، یعنی ان کی یہ فضیلت ومزیت بے مثال ہے، مگر اس میں جہاں امت محمدیہ کے لئے غیر معمولی منافع وفوائد ہیں، وہاں ایک بڑی مضرت ونقصان بھی ہے، کیونکہ ایک حدیث کسی خاص حادثہ کے موقع پر وارد ہوتی ہے اور قرائن بتلاتے ہیں کہ اس وقت آپ نے کیا حکم اور کس وجہ سے دیا تھا، مگر امام بخاری کے ترجمۃ الباب اور توسع کی وجہ سے دوسرا شخص مغالطہ میں پڑجاتا ہے اور اس حکم نبوی کو حکم مطرد وعام سمجھنے لگتا ہے۔

حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا:- حضرت عباسؓ نے زیادہ مال کی ضرورت فدیہ دینا بتلائی کیونکہ ایسے معاملات کے لئے کثیر رقوم کی ضرورت ہوتی ہے، یہ نہیں کہ وہ اپنا افلاس وفقر بتلانا چاہتے تھے، جو بعض شارحین نے غلط طور سے سمجھا ہے کیونکہ وہ بعد تک اچھے مالدار صحابہ میں سے تھے، حضور علیہ السلام غریب مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ان سے ان کے مال کی دو دو سال کی زکوۃ وصول کرلیا کرتے تھے وغیرہ۔ (لامع ص ۱۶۱ ج ۱)

حدیث الباب کے آخری جملوں پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام حضرت عباسؓ کا بہت زیادہ لحاظ واحترام کرتے تھے ایک بار حضرت عمرؓ اور ان کا جھگڑا ہوا اور حضور کے پاس آئے تو آپ نے فاروق اعظم کو فرمایا کیا تم نہیں جانتے "عم الرجل صنو ابیہ" (چچا کا درجہ باپ کے برابر ہے) یہ بھی ثابت ہے کہ کچھ چھوٹا موٹا کام بھی آپ حضرت عباسؓ کے یہاں جاکر کردیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

سخن ہائے گفتنی

راقم الحروف کو یہاں بلا تمہید کچھ ضروری معروضات بطور حاصل مطالعہ وذاتی تاثرات پیش کرنی ہیں، واللہ الموفق والمعین:- امام

بخاریؒ نے جن حالات و ماحول میں صحیح بخاری شریف تالیف کی تھی اور خود امام بخاری کے ضروری حالات وسوانح۔ان کی تمام تالیفات کا تعارف وغیرہ مقدمہ انوارالباری جلد دوم میں مذکور ہیں اوران کا اپنے اذہان میں حاضر رکھنا تمام ناظرین انوارالباری کے لئے نہایت ضروری ہے، ورنہ وہ اس تالیف سے پوری طرح استفادہ نہ کرسکیں گے، یہاں اتنی بات ضرور تازہ کرلیں کہ امام بخاریؒ نے شیخ اسحٰق بن راہویہ وغیرہ اپنے خصوصی اساتذہ واصحاب کے مشورہ سے صحیح بخاری کی تالیف کا تہیہ کیا، جس میں صرف صحیح مجرد احادیث جمع کیں، گویا سابق طرز محدثین کے خلاف طریقہ اپنایا جو احادیث کے ساتھ آثار صحابہ وتابعین بھی جمع کرتے تھے، مثلاً محدث ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ) ومحدث عبدالرزاق بن ہمام م ۲۱۱ھ) ان دونوں نے اپنے اپنے مصنف میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ وتابعین بھی جمع کئے تھے جن سے سنن نبویہ اور حضور علیہ السلام کے اقوال وافعال کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، ان دونوں کے مصنف نے فقہائے محدثین اور ائمہ مجتہدین کے استنباطی مسائل اور مدارک اجتہاد تک رسائی حاصل کرلینا نہایت آسان کردیا تھا اور اب کہ مصنف عبدالرزاق ۱۴ جلدوں میں ''مجلس علمی'' ڈابھیل وکراچی سے شائع ہوگئی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ کی بھی چار جلدیں حیدرآباد سے شائع ہوگئی ہیں، ان سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوسکتی ہے، مگر جیسا کہ اسحٰق بن راہویہ'' کہا کرتے تھے کہ امام بخاریؒ نے ''التاریخ الکبیر'' لکھ کر گویا سحر کردیا ہے، مجھے بھی یہ کہنے دیجئے کہ امام بخاریؒ نے ''صحیح بخاری شریف'' تالیف کرکے بھی سحر کا ہی کام کیا تھا جس سے ان سے قبل کے تقریباً ایک سو اکابر محدثین کی حدیثی تالیفات اور پھر بعد کی کتب صحاح بھی سحرزدہ سی ہوکر رہ گئیں، حالانکہ خود امام بخاریؒ نے فرمایا تھا کہ میں نے حدیث کی ایک مختصر کتاب لکھی ہے جس میں صحیح روایات کا التزام کیا ہے، اور چھ لاکھ احادیث میں سے (ان ۲۵۱۳ غیر مکرر کا) انتخاب کیا ہے اور بہ کثرت احادیث صحاح کو طوالت کے خوف سے ترک کردیا ہے، اور یہ منتخب ذکر کردہ احادیث میرے لئے اللہ تعالیٰ اور میرے درمیان حجت کا کام دیں گی (مقدمہ صحیح بخاری ص ۴) گویا بقول خود امام بخاری کا ارادہ صرف اپنے فقہی مسلک کے مطابق احادیث یکجا کرکے پیش کرنا تھا تاکہ حق تعالیٰ کی جناب میں اپنے اختیار کردہ مسلک کے لئے حجت پیش کرسکیں، یہ مقصد نہ تھا کہ وہ دوسرے تمام فقہی مسالک کو حدیثی نقطہ نظر سے باطل قرار دیں، کیونکہ وہ یقیناً جانتے تھے کہ دوسرے مسالک کے لئے بھی صحیح احادیث اور آثار صحابہ وتابعین موجود ہیں، اسی لئے برملا اعتراف فرماتے تھے کہ میں نے بہ کثرت صحیح احادیث بوجہ طوالت ترک کردی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ایک طبقہ اسی وقت سے برابر اب تک ایسا بھی موجود رہا جو صحیح بخاری کی آڑ لے کر دوسرے فقہی مذاہب کی تغلیط کرتا رہا اور ایک جماعت اہل ظاہر محدثین کی بھی ائمہ مجتہدین کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتی رہی۔

امام بخاریؒ کے مذکور مقصد کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ وہ صرف اپنے فقہی مسلک کے موافق احادیث پیش کرتے ہیں اور دوسرے مذاہب ائمہ کی مستند احادیث پیش نہیں کرتے، برخلاف دوسرے محدثین صحاح امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد وامام نسائی وغیرہ کے کہ وہ سب ہی احادیث ماثورہ صحیحہ ذکر کردیتے ہیں خواہ وہ کسی بھی فقہی مذہب کی مؤید ہوں اور ساتھ ہی آثار صحابہ وتابعین بھی لاتے ہیں اگرچہ محدث ابن ابی شیبہ ومحدث عبدالرزاقؒ کی طرح استقصاء نہیں کرتے، یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ امام بخاریؒ کا فقہی مسلک کسی دور میں بھی جاری نہ ہوسکا نہ اس کو تلقی بالقبول حاصل ہوسکی، حتیٰ کہ خود ان کے تلمیذ رشید امام ترمذی بھی جہاں دوسرے فقہی مذاہب بہ تفصیل ذکر کرتے ہیں، امام بخاری کا مسلک ذکر نہیں کرتے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ امام اوزاعی وغیرہ ایسے جلیل القدر فقہاء کے فقہی مسلک بھی صرف تھوڑی مدت تک چل کر ختم ہوگئے تھے، جو مسلک شروع سے اب تک قائم ہیں، وہ صرف ائمہ اربعہ کے ہیں، ان میں سے امام اعظمؒ کے پیرو سب سے زیادہ (تقریباً دو تہائی افراد امت محمدیہ) رہے ہیں، پھر یہاں یہ بھی محفوظ کرلیجئے کہ چار ائمہ و مذاہب فقہیہ کو علمائے امت نے ''کاسرۃ واحدۃ'' قرار دیا ہے، یعنی سب ایک خاندان کے فرد تھے، جنہوں نے اپنے اپنے علم وفہم اور بصیرت واجتہاد کے موافق قرآن مجید، احادیث نبویہ اور آثار وتعامل صحابہ وتابعین کی روشنی میں مسائل غیر منصوصہ کے احکام مستنبط کئے ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ، ان کے علاوہ

جوفقہی مسائل اہل ظاہر وسلفیوں کے وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہے ان کی بنیادیں نہایت کمزور ہیں۔

مذاہب اربعہ کے تین چوتھائی مسائل میں کوئی اختلاف نہیں ہے، باقی ایک ربع میں بھی جواز عدم جواز یا حلت وحرمت کا اختلاف بہت تھوڑا ہے، زیادہ تر مسنون، غیر مسنون اور افضل غیر افضل کا ہے، جوزیادہ اہم نہیں ہے اوراس معمولی اختلاف کی وجہ سے باہم نزاعات کا سلسلہ ختم ہوجانا چاہئے، ہر مذہب والے کو دوسرے کا احترام کرنا چاہئے اور نہایت فراخدلی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر کی طرح رہنا چاہئے، خصوصاً اس لئے بھی کہ کچھ مدت سے اس دور کے اہل ظاہر وسلفی حضرات نے مقلدین مذاہب خصوصاً مذہب حنفی کے خلاف سخت ناموزوں رویہ اور غلط پروپیگنڈے کا طریقہ اختیار کرلیا ہے۔

پھر یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ مذاہب اربعہ میں باہم کچھ فروعی مسائل میں اختلاف تو ہے بھی، مگر اصول وعقائد میں سب متفق ایک زبان ہیں جبکہ اہل حدیث وغیر مقلدین کے اصول وعقائد بھی ان سے مختلف ہیں، مثلاً ائمہ اربعہ کے یہاں تقلید جائز اور ان کے یہاں وہ شرک ہے، توسل نبوی آئمہ مجتہدین اور جمہور سلف وخلف کے نزدیک جائز ہے مگر اہل حدیث وغیر مقلدین کے یہاں وہ شرک وحرام ہے، یہ لوگ حافظ ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ کی تقلید میں خدا کے لئے جہت ومکان اور استقرار علی العرش وغیرہ تجویز کرتے ہیں، جبکہ جمہور سلف وخلف و ائمہ اربعہ کے نزدیک ایسے عقائد باطل اور حق تعالیٰ کی تنزیہ کے خلاف ہیں، یہ لوگ منکر وشاذ احادیث سے عقائد کا اثبات کرتے ہیں جبکہ آئمہ اربعہ کے اصول سے منکر وشاذ روایات تو کجا، ضعیف احادیث سے بھی عقائد واصول کا اثبات درست نہیں، بلکہ ضعیف احادیث سے صرف فضائل اعمال ثابت ہوسکتے ہیں، شریعت کے احکام حلال وحرام تک بھی ان سے ثابت نہیں کئے جاسکتے، پھر یہ حضرات یہاں تو ہر تعظیم غیراللہ کو بھی شرک قرار دیتے ہیں اور سفر زیارت نبویہ ودیگر زیارت قبور کو جائز کہنے والوں کو قبوری (قبر پرست) بتلاتے ہیں، جبکہ صرف اس فعل زیارت میں کوئی بھی شائبۂ شرک یا عقیدہ کی خرابی نہیں مگر خود ایک ضعیف حدیث کی وجہ سے "**عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا**" (آیت اسراء) کی تفسیر میں مقام محمود سے مراد یہ بتلاتے ہیں کہ حق تعالیٰ روز قیامت میں حضور علیہ السلام کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا اور عرش الٰہی میں تھوڑی سی جگہ حضور کو بٹھانے کے لائق خالی رکھی گئی ہے، کیا قیامت کی توحید یہاں سے مختلف ہوگی یا خدا کی تنزیہ جسم ومکان وغیرہ سے وہاں ختم ہوجائے گی، علامہ ابن تیمیہ کے تلمیذ خصوصی حافظ ابن کثیرؒ نے مقام محمود کی تفسیر میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں مگر اس روایت مجاہد کا کوئی ذکر نہیں کیا، جبکہ ان کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ اس کی تفسیر میں ابن تیمیہ وابن قیم اس روایت کو قبول کرچکے ہیں اور اس پر علماء نے نکیر بھی کی ہے، البتہ علامہ آلوسی نے کچھ کوشش اس امر کی کردی ہے کہ اس روایت کو بھی کوئی مقام ضرور مل جائے لیکن حیرت ہے کہ وہ اس ضمن میں حدیث طواف باری للارض کو بھی نقل کر گئے (جس کو علامہ ابن قیم نے بھی زادالمعاد میں ذکر کیا ہے اور توثیق کی سعی کی ہے) جبکہ علماء محدثین نے اس حدیث کو منکر وشاذ قرار دیا ہے، اور ابن قیم پر سخت نکیر کی ہے، ایسی احادیث ضعیفہ منکرہ وشاذہ کو ضمناً بھی ذکر کرنا اس امر کی بڑی دلیل بن سکتی ہے کہ یا تو جیسا کہا گیا ہے کہ تفسیر روح المعانی میں حذف والحاق کرادیا گیا ہے یا صاحب روح المعانی فن حدیث ورجال میں کامل نہ تھے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بحال عبادہ ولا نحب ان نقول الا ما یرضی بہ ربنا تبارک وتعالیٰ.**

(مزید تفصیل کے لئے اس مقام پر روح المعانی کا مطالعہ ضروری ہے ص۱۴۱ج ۱۵تا۱۴۳ج ۱۵) ہمارا خیال یہ بھی ہے کہ علامہ ابن کثیر نے باب عقائد میں اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہ کا زیادہ ساتھ نہیں دیا اور پوری طرح ہر باب میں ہم نوائی صرف علامہ ابن قیم ہی نے کی ہے۔ واللہ اعلم۔

عجیب بات ہے کہ یہ حضرات "حوادث لا اول لہا" کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں، یعنی ایسی احادیث ومخلوق بھی موجود مانتے ہیں جس کی کوئی ابتدا نہیں اور اس کو خدا کے ساتھ ہمیشہ سے مانتے ہیں اور وہ حدیث بخاری سے استدلال کرتے ہیں، کتاب التوحید میں امام بخاری نے عمران سے یہ روایت کی "**کان اللہ ولم یکن شیء قبلہ و کان عرشہ علی الماء ثم خلق السمٰوٰت والارض**" الخ جبکہ بدء الخلق میں

امام بخاری نے عمران ہی سے کان اللہ ولم یکن شیء وغیرہ و کان عرشہ علی الماء بھی روایت کی ہے۔(ان کا استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قبل کوئی نہ تھا لہٰذا اس کے ساتھ ہو سکتا ہے) کتاب التوحید میں حافظؒ نے لکھا:- پہلے امام بخاری نے بدء الخلق میں یہ روایت بہ لفظ ولمن یکن شیء غیرہ روایت کی ہے اور روایت ابی معاویہ میں کان اللہ قبل کل شیء وارد ہے جو بمعنی کان اللہ و لا شیء غیرہ ہے اور وہ زیادہ صریح ہے ان کے رد میں جو روایت الباب سے ''حوادث لا اول لہا'' کے قائل ومثبت ہیں، اور یہ ان شنیع وقبیح مسائل میں سے ہے جو ابن تیمیہ کی طرف منسوب ہیں، میں نے ان کے اس کلام کا مطالعہ کیا ہے جو اس پر انہوں نے کیا ہے اور اس باب کی روایت کو دوسری روایات پر ترجیح دی ہے، حالانکہ جمع بین الروایتین کے قاعدہ سے اس روایت کو بدء الخلق والی روایت پر محمول کرنا چاہئے تھا، نہ کہ برعکس جو انہوں نے کیا اور یوں بھی جمع کی صورت ترجیح پر بالاتفاق مقدم ہوتی ہے۔

آخر میں حافظ نے لکھا کہ ولم یکن شیء غیرہ سے حدوث عالم پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اس سے تو ہم معیت کی نفی کی گئی ہے، لہٰذا ہر شی سوائے خدا کے عالم وجود میں آئی ہے بعد اس کے کہ وہ موجود نہ تھی۔(فتح الباری ص۳۱۹ ج۱۳)

اس سے قبل حافظ نے قولہ و کان عرشہ علی الماء وھو رب العرش العظیم پر لکھا کہ جس نے کان اللہ ولم یکن شیء قبلہ و کان عرشہ علی الماء سے یہ سمجھا کہ عرش ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا، اس کا مذہب باطل ہے اور ایسے ہی فلاسفہ کا قول بھی غلط تھا جو عرش کو خالق وصانع کہتے تھے، پھر لکھا کہ یہ بھی فرقہ جسمیہ کا قول باطل ہے کہ استواء کے معنی استقرار علی العرش کے ہیں، کیونکہ استقرار صفت اجسام کی ہے اور اس سے حلول وتناہی خدا کے لئے لازم آتی ہے جو اس کی ذات اقدس کے لئے محال ہے، البتہ استواء بمعنی علو صحیح ہے اور وہی مذہب حق اور قول اہل سنت کا ہے، الخ (فتح الباری ص۳۱۴)

واضح ہو کہ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے متبعین عرش کو قدیم بالنوع کہتے ہیں اور عرش پر حق تعالیٰ کا تمکن واستقرار بھی مانتے ہیں جو عقائد جمہور سلف وخلف کے خلاف ہے۔

حافظ نے لکھا کہ ملائکہ کے صبح وشام نزول وعروج وسماوی اور حق تعالیٰ کے سوال عن العباد والی احادیث کے ظواہر کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ حق تعالیٰ جہت علو میں ہے، حالانکہ صحیح مراد علو مرتبت ہے کیونکہ جہت علو دوسری جہات سے اشرف وافضل ہے اور وہی حق تعالیٰ کے شایان شان ہے(فتح الباری ص۳۲۱ ج۱۳ و ۳۲۴ ج۱۳)

حافظ نے بدء الخلق والی روایت بخاری کان اللہ ولم یکن شیء غیرہ پر لکھا کہ روایت غیر بخاری میں ولم یکن شی معہ مروی ہے اور قصہ ایک ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے سوا نہ پانی تھا، نہ عرش اور نہ دوسری اشیاء کیونکہ یہ سب غیر اللہ ہیں اور و کان عرشہ علی الماء کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا پھر عرش کو پانی پر پیدا کیا۔

حافظ نے تنبیہ کے عنوان سے یہ بھی لکھا کہ علامہ ابن تیمیہ نے روایت ''کان اللہ و لا شی معہ وھو الأن علی ما علیہ کان'' کے بارے میں لکھا کہ یہ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، تو ان کا یہ ریمارک صرف دوسرے جملے کیلئے صحیح ہے، کیونکہ لفظ و لا شی معہ اور بخاری کی روایت کا لفظ و لا شی غیرہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، پھر اس کی نفی کیسے ہو سکتی ہے؟!

پھر حافظ نے و کان عرشہ علی الماء پر لکھا کہ دوسری احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ عرش سے پہلے پانی پیدا کیا گیا اور یہ بھی وارد ہے کہ پانی سے قبل کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی،(فتح الباری ص۱۸۱ ج۶) گویا عرش کا قدیم اور ہمیشہ سے خدا کے ساتھ ہونا یوں بھی باطل ہے۔ واللہ اعلم۔

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہؒ بھی علامہ ابن تیمیہ سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے تھے اور غالباً اسی سبب سے ان کا رجحان بھی قدم عالم اور حوادث لا اول لہا کی طرف ہو گیا تھا۔(ملاحظہ ہو فیض الباری ص۱ ج۴)

شاہ ولی اللہ اور شیخ ابراہیم کردی

بظاہر صورت ایسی ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب موصوف جب ۱۱۴۳ھ میں ہندوستان سے حجاز تشریف لے گئے تو وہاں مشائخ حرمین سے استفادہ فرمایا، ان مشائخ میں شیخ ابراہیم کردی بھی تھے جو ایک وسیع المشرب سلفی عقیدہ کے عالم تھے اور علامہ ابن تیمیہ کے زبردست حامی اور ہم خیال تھے، چنانچہ ابن آلوسی بغدادی نے بھی جلاء العینین ص ۲۶ میں ان کے متعلق لکھا کہ وہ "سلفی العقیدہ اور ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع کرنے والے تھے"

علامہ ابن تیمیہ پر نقد

شاہ صاحب بھی ان کی صحبت میں رہ کر علامہ ابن تیمیہ کے گرویدہ ہو گئے تھے اور تفہیمات وغیرہ میں ان کی طرف سے دفاع بھی کیا ہے، بلکہ جوش عقیدت میں آ کر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "جن لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے ان کو ان کے علم کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا ہے" حالانکہ ان کا رد کرنے والے خود ان کے دور کے بھی اکابر علماء امت کی بہت بڑی تعداد تھی اور اس وقت تک ان پر تنقید کرنے والے علماء کبار کی تعداد سو ۱۰۰ کے قریب پہنچ گئی ہے جو میرے پاس محفوظ ہے، پھر بقول حضرت علامہ کشمیریؒ کے شیخ تقی الدین سبکیؒ تو ان سے ہر علم میں برتر و افضل تھے اور یہاں ہم ابھی حافظ الدنیا ابن حجر کا نقد بھی فتح الباری سے نقل کر چکے ہیں اور حافظ نے فتح الباری میں متعدد جگہ ان کا رد کیا ہے اور اپنی دوسری تالیفات میں بھی سخت رد کرتے ہیں تو کیا کوئی بھی بالبصیرت و متیقظ یہ کہہ سکتا ہے کہ ابن تیمیہ حافظ الدنیا سے بھی بڑے عالم تھے، درحقیقت اصل قیمت تبحر و وسعت علمی سے زیادہ ایک عالم کے صواب و ناصواب فیصلوں سے معلوم ہوتی ہے اور جس عالم یا علامہ کے تفردات اور جمہور امت سے ہٹ کر الگ فیصلے زیادہ ہوں اس کو ہم زیادہ تقدم دے کر شریعت حقہ کی حمایت و نصرت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

علامہ ابن تیمیہ اور شاہ عبدالعزیزؒ

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شاہ عبدالعزیز کے سامنے علامہ ابن تیمیہ کا معاملہ پیش کیا گیا اور رائے معلوم کی گئی تو آپ نے صاف طور سے کہہ دیا کہ میں تو ان کی منہاج السنہ کا مطالعہ کر کے بہت ہی متوحش ہو گیا ہوں اور میں نے ان کی وہ کتابیں بھی مطالعہ کیں جو حضرت والد صاحبؒ کے مطالعہ میں نہیں آئی تھیں اس لئے میری ان سے خوش عقیدگی قائم نہ رہ سکی، پھر قریبی دور کے اکابر دیوبند میں سے حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے بھی علامہ موصوف کو مطبوعہ و مخطوطہ تالیفات کا مطالعہ کر کے جو کچھ نقد ان پر کیا ہے، وہ بھی ہم نے پہلے لکھ دیا ہے اور آئندہ بھی حسب موقع مسائل کے ذیل میں لکھتے رہیں گے، ان شاء اللہ۔ علامہ کوثری، علامہ سبکی اور علامہ حصنیؒ وغیرہ کی تالیفات بھی اب شائع شدہ ہیں پھر بھی اگر کوئی آنکھیں بند کر کے صرف تعریفوں کے پل باندھتا رہے تو اس کو نہ کوئی روک سکتا ہے نہ اس کی ضرورت، اس علمی و ضروری نقد کے ساتھ علامہ کے فضل و تبحر علمی اور خدمات جلیلہ عالیہ سے منکر ہم بھی نہیں ہیں، کاش! ان کے بارے میں مختلف الخیال جید علماء ایک جگہ بیٹھ کر کوئی معتدل صحیح فیصلہ جلد کر لیتے!! تا کہ کم علم لوگ مغالطہ میں نہ پڑتے، واللہ الموفق۔

شاہ ولی اللہ اور علامہ ابن تیمیہؒ

مدت ہوئی "الفرقان" کے شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۴۷ میں "شاہ صاحب کا ایک علمی ماخذ" کے عنوان سے مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، اس میں لکھا تھا کہ "شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مصنفات میں جا بجا علامہ ابن تیمیہ کے خیالات ملتے ہیں اور بعض جگہ تو پوری کی پوری عبارت نقل فرما دی ہیں لیکن نام نہیں لیا ہے، اس کی وجہ غالباً اہل زمانہ کا تعصب ہے، مثلاً حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۶۴ مطبوعہ بریلی کی عبارت **وقد كان في الصحابة و من بعدهم من يقرأ البسملة و منهم من لا يقرأه و منهم من يجهر بها و منهم**

من لا یجر بھا، تا فقال کیف لا اصلی خلف الامام مالک و سعید بن المسیب، بعینہ یہی عبارت فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۳۸۰ ج ۲ میں پائی جاتی ہے، وغیرہ۔ ان تصریحات کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچیں کہ شاہ صاحب کے علمی انقلاب میں علامہ ابن تیمیہ کے خیالات کو ضرور دخل ہے تو شاید بے جانہ ہو''۔

بہت ممکن ہے حضرت شاہ صاحبؒ کے خیالات و رجحانات پر شیخ کردی کا اثر سلفیت کا بھی پڑا ہو اور اسی لئے ان کا مزاج تقلید کے خلاف بھی بن چکا تھا، جس کو وہ خود بتلاتے ہیں، فیوض الحرمین ص ۶۴، ۶۵ میں ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے تین امور کا استفادہ کیا جو میرے رجحان و مزاج کے خلاف تھیں، ان میں سے دوسری یہ ہے کہ آپ نے مجھے مذاہب اربعہ کا پابند رہنے کے لئے وصیت فرمائی کہ میں ان سے باہر نہ ہوں، اسی فیوض الحرمین کے ص ۴۸ میں یہ بھی ہے کہ ''حضور اکرم ﷺ نے مجھے سمجھایا کہ مذہب حنفی کے اندر ایسا صاف ستھرا راستہ موجود ہے جو دوسرے سب راستوں سے زیادہ سنت نبویہ کے ساتھ موافق و مطابق ہے، جس کی تدوین و تنقیح امام بخاری وغیرہ محدثین کے زمانہ میں ہوگئی ہے''۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنن نبویہ کی تدوین و تنقیح حضور ﷺ کی نظر مبارک میں وہ پسندیدہ ہے جو نہ صرف امام بخاری بلکہ امام ترمذی وغیرہ سب محدثین کی جمع کردہ سنن کی روشنی میں حاصل ہوا اور غالباً ہمارے علامہ کشمیریؒ اسی لئے فرمایا کرتے تھے کہ کبھی ایک دو متن حدیث پر فیصلہ نہ کرنا چاہئے، بلکہ ہر حدیث کے سارے طرق و متون کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے، ہمارے سلفی و اہل حدیث حضرات کے یہاں یہی کمی ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق امام بخاریؒ کی طرح صرف ایک دو متن کے اوپر فیصلہ کر لیتے ہیں اور جھنڈا اٹھا کر دوسروں کو مطعون کرنے لگتے ہیں، اگر وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے نقل کردہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد مذکور پر عمل کریں تو بہت سے نزاعات و اختلافات یکدم ختم ہو سکتے ہیں ابھی اوپر گذرا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے رجحان کے مطابق بخاری کی کتاب التوحید والے متن حدیث کو لے لیا اور بدء الخلق والے متن کو نظر انداز کر دیا اور نہ دوسرے محدثین کے روایت کردہ متون پر دھیان دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جمہور امت کے خلاف ایک الگ رائے قائم کر لی، جس پر حافظ الدنیا ابن حجرؒ نے بھی ان پر سخت نقد کیا اور بات بھی کوئی معمولی افضل غیر افضل یا جائز و ناجائز وغیرہ احکام کی نہ تھی بلکہ عقیدہ سے متعلق تھی، جس کے ثبوت کے لئے نص قطعی (قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع صحابہ وغیرہ) کی ضرورت تھی یعنی ''حوادث لا اول لہا'' کا عقیدہ کہ حق تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی حادث و مخلوق قدیم ہو سکتی ہے یا ہے جبکہ حدوث عالم کا عقیدہ سب جانتے ہیں کہ امت کا مجمع علیہ عقیدہ ہے، بیشک علامہ ابن تیمیہ بڑے ہی جری و بہادر تھے کہ بقول حافظ ابن حجر و علامہ ذہبی وغیرہ ایسے ایسے بڑے فیصلے کر گئے، جن کے ادنیٰ ترین تصور سے بھی ساری امت مرحومہ کے اکابر علماء امت لرز جاتے تھے، اور کسی نے بھی آج تک ایسے جراءت مندانہ فیصلے نہیں کئے تھے، اللہ رحم کرے، ہمیں اس سلسلہ میں کافی لکھنا پڑا اور بہت کچھ باقی ہے۔ وما ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم.

سحر کے اثرات

''سحر'' کے کم سے کم اثرات یہ ہوتے ہیں کہ وہ کچھ وقفہ کے لئے بعض امور سے غفلت طاری کر دیتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ پر بھی ایسا ہی معمولی اثر ہوا تھا، ہمارے بعض اکابر امت کے اثرات بھی شاید سحر سے ہی کچھ ملتے جلتے ہوتے ہیں، جیسا کہ اسحٰق بن راہویہ نے امام بخاری کی التاریخ الکبیر کے بارے میں ''سحر'' کا ہی لفظ استعمال کیا تھا اور ہم اس سے یہی سمجھ سکے ہیں کے جن شخصیتوں کو انہوں نے نمایاں کر دیا وہ سامنے آ گئیں اور جن کو چاہا زاویہ خمول میں ڈال دیا تاکہ وہ پردے کے پیچھے چلی جائیں مثلاً امام اعظمؒ کے بارے میں لکھ دیا وہ ''مرجئی تھے اور لوگوں نے ان سے ان کی رائے سے اور ان کی حدیث روایت کرنے سے سکوت اختیار کیا''۔ (تاریخ کبیر)

یقیناً اس وقت بھی اور ایک مدت تک اس سحر نے اپنا کام کیا، مگر جب امام صاحب کی فقہ اور حدیث کی اشاعت عام ہوتی چلی گئی اور شرق سے غرب تک، شمال سے جنوب تک ان کے علوم کی روشنی پھیل گئی تو اس سحر کے اثرات بھی کم ہونے لگے۔

ارجاء کا الزام

یہاں بات میں بات نکلتی چلی جارہی ہے اور میں مختصر کرنا چاہتا ہوں اس لئے عرض کرنا یہ ہے کہ امام بخاری نے امام صاحب ؒ کو مرجی سمجھا تھا اور یہی باور کرانے کی سعی کی اور کتاب الایمان میں بھی روئے سخن ارجاء کا رد ہی ہے، جس میں تقریباً چالیس ابواب قائم کر کے حتی الامکان ہر عمل کو جزوایمان بتلانے کی سعی کی ہے، تاکہ ارجاء کی جڑ تو کٹ ہی جائے، خواہ اس کو کاٹنے میں اعتزال کی حدود میں سے بھی بادل ناخواستہ گذرنا پڑ جائے، یہاں اس سے بحث قطعاً نہیں کہ حقیقت کیا تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خدانخواستہ امام صاحبؒ اور ان کے متبعی مرجیٔ تھے اور نہ امام بخاریؒ کسی درجہ میں معتزلی تھے، بلکہ جو کچھ بھی افراط تفریط پیش آئی اس کے وجوہ واسباب مقدمہ انوارالباری میں ذکر ہو چکے ہیں، وہاں دیکھ لئے جائیں۔

امام بخاری اور فقہ اربعہ

یہاں امام بخاری نے چونکہ باب القسمة و تعليق القنو في المسجد سے شروع کر کے باب السترہ تک تقریباً پچاس ابواب قائم کر کے فقہاء[1] اربعہ کے ان مسائل کا رد کیا ہے جو مساجد سے متعلق ہیں، کیونکہ فقہاء مجتہدین امام اعظم، امام مالک، امام شافعی وامام احمدؒ کے نزدیک مساجد صرف عبادت کے لئے ہیں، دوسرے امور کی اجازت وقتی طور سے حسب ضرورت ہوسکتی ہے، جس کی گنجائش احادیث وآثار سے بھی ملتی ہے، مگر امام بخاریؒ چونکہ قیاس کی حجیت سے منکر ہیں اور فقہاء کے بہ کثرت مسائل مستنبطہ سے برہم ہیں، بلکہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق تو یہ ہے کہ وہ اس بارے میں ظاہری جیسے ہیں (ملاحظہ ہو فیض الباری ۵۰۷ ج ۴) اس لئے نہ صرف امام اعظمؒ بلکہ دوسرے فقہاء ثلاثہ کے مسائل کا بھی رد کر جاتے ہیں، بلکہ ان کی حدیثی روایات کو بھی اہم نہیں سمجھتے، چنانچہ امام صاحب سے تو بخاری میں روایت کرنے کا سوال ہی نہ تھا کہ امام صاحب اور ان کے اکثر متبعین کو غلط فہمی کی وجہ سے مرجیٔ سمجھتے تھے، اپنے شیخ واستاذ فن حدیث امام احمد ایسے محدث اعظم سے ساری بخاری میں صرف دو روایات لی ہیں (وہ بھی شاید کسی مجبوری سے لی ہوں گی) امام شافعیؒ سے کوئی ایک روایت بھی نہیں لی جبکہ وہ بھی امام بخاری کے شیخ الشیخ تھے، البتہ امام مالکؒ سے کچھ روایات لی ہیں۔

اب مجھے ایک بات اور ضروری عرض کرنی ہے، جو میرا حاصل مطالعہ ہے کہ امام اعظمؒ کی فقہ سب سے پہلے وجود میں آئی، مدون بھی ہوگئی اور بڑی ہی آن بان وشان سے آئی کہ اس کی روشنی ونورانیت سے بڑوں بڑوں کی آنکھیں چکا چوند ہوگئیں اور ایسی عظیم ترین کامیابی سے حاسد طبائع کا اثر لینا بھی ضروری تھا، تو اس کے توڑ کے لئے ظاہرین وعدم تقلید ائمہ مجتہدین کے جراثیم بھی اسی وقت سے پیدا ہو گئے تھے اور میں بہت ہی مختصر کر کے اس دور سے لے کر اس وقت تک کی چند عظیم شخصیات کا ذکر یہاں کئے دیتا ہوں۔ والعلم عنداللہ۔

۱۔ حضرت امام اوزاعیؒ م ۱۵۷ھ

آپ امام اعظمؒ اور ان کی فقہ کے ایک زمانہ تک سخت مخالف رہے مگر پھر جب غلط فہمیاں دور ہوگئیں تو نادم ہوئے اور اپنی رائے سے رجوع فرمالیا تھا، حالانکہ وہ خود اپنی دور کے بہت بڑے فقیہ ومحدث تھے اور ان کی فقہ کے متبعین بھی غالباً کئی صدی تک رہے ہیں۔

۲۔ حضرت سفیان ثوریؒ ۱۶۱ھ

---

[1] ہر باب میں ہم یہ بھی نشان دہی کریں گے کہ کس فقیہ کے خلاف وہ باب قائم کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ۔

یہ بھی امام صاحب کے معاصر اور جلیل القدر محدث وفقیہ تھے، ایک عرصہ تک امام صاحب کے فقہی فیصلوں پر معترض رہے، مگر پھر انہوں بھی رجوع فرمالیا تھا اور امام صاحب کے بڑے مداحین میں سے ہوگئے تھے۔

۳۔ محدث عبدالرحمٰن بن مہدی م ۱۹۸ھ

حافظ نے لکھا کہ وہ امام مالک وغیرہ کے تلمیذ حدیث تھے اور عبداللہ بن مبارک و یحییٰ بن معین نے ان سے روایت کی، اگرچہ عبداللہ بن مبارک ان کے شیوخ میں سے تھے، فقہ میں وہ بعض مذاہب اہل الحدیث اور رائے مدنیین کو اختیار کرتے تھے (تہذیب ص ۲۷۹ ج ۶)
یہاں اتنی بات تو محفوظ کرہی لیجئے کہ علامہ محدث ابن عبدالبر مالکی شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ اہل حدیث امام ابوحنیفہؒ کے دشمن ہیں اور اس وقت بحث بھی یہی چل رہی ہے کہ اہل حدیث واصحاب ظاہر فقہاء کے مخالف ہوتے ہیں۔

یہ عبدالرحمٰن بن مہدی بھی امام صاحب کے سخت دشمن تھے اور اسحٰق بن راہویہ کو بھی انہوں نے ہی حنفی سے ظاہری بنایا تھا، پھر اسحٰق بن راہویہ نے امام بخاری پر اپنے اثرات ڈالے، اس کے لئے ایک واقعہ امام احمدؒ کی کتاب الورع سے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے اسحٰق بن راہویہ نے کہا کہ پہلے میں صاحب رائے تھا، جب حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان میں سے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے موافق و مؤید احادیث نکالیں جو تقریباً تین سو تک پہنچ گئیں، میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان کے بارے میں عبداللہ بن مبارک کے مشائخ سے سوال کروں گا جو حجاز و عراق میں ہیں اور میرا یقین یہ تھا کہ کوئی بھی امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت کی جراءت نہ کرے گا جب میں بصرہ پہنچا تو عبدالرحمٰن بن مہدی سے ملا انہوں نے کہا، تم کہاں کے ہو؟ میں نے کہا اہل مرو سے، اس پر وہ عبداللہ بن مبارک کو یاد کر کے ان کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرنے لگے کہ ان کے ساتھ نہایت محبت کرتے تھے، پھر پوچھا کیا تمہیں کوئی مرثیہ بھی یاد ہے، جو ان کے لئے کہا گیا ہو؟ میں کہا یاد ہے، پھر میں نے ابوتمیلہ شاعر کا مرثیہ شروع کر دیا وہ اشعار سنتے رہے اور روتے رہے اور میں برابر پڑھتا رہا، جب میں نے یہ شعر پڑھا:۔ وبرأى النعمان كنت بصيرا، حين تبغى مقائس النعمان تو وہ فوراً بول پڑے کہ بس چپ ہو جاؤ، تم نے تو سارا قصیدہ ہی خراب کر دیا، میں نے کہا اس کے بعد دوسرے اشعار بہت اچھے ہیں، کہنے لگے نہیں ان کو بھی چھوڑ دو، تذکرہ روایت عبداللہ عن ابی حنیفہ تو ان کے مناقب میں داخل ہو گیا جبکہ عراق کی سرزمین میں ان کی کوئی بھی لغزش اور خطا بجز روایت عن ابی حنیفہ کے نہیں ہے اور میری بڑی تمنا یہ تھی کہ وہ ان سے روایت نہ کرتے پھر میں اس کے فدیہ میں اپنے مال و دولت کا بڑا حصہ قربان کر دیتا، (یہ عبدالرحمٰن بن مہدی بڑے صاحب ثروت و مال بھی تھے) میں نے کہا اے ابوسعید! آپ ابوحنیفہ سے اتنے برہم کیوں ہیں؟ کیا یہ سب صرف اس بات کی وجہ سے ہے کہ وہ رائے سے کلام کرتے تھے، اگر یہ بات ہے تو امام مالک، اوزاعی اور سفیان بھی رائے سے کلام کرتے تھے، کہا تم ابوحنیفہ کو ان لوگوں کے ساتھ ملاتے ہو؟ علم میں ابوحنیفہ کی مثال تو اس اکیلی اونٹنی جیسی ہے جو ایک الگ سرسبز وادی میں چرتی ہو اور دوسرے سب اونٹ دوسری وادی میں۔[1]

اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے نظر کی تو دیکھا کہ لوگوں کے خیالات امام ابوحنیفہ کے بارے میں اس کے خلاف ہیں جو ہمارے خراسان میں تھے۔ (کتاب الورع عن الامام احمد بن حنبلؒ ص ۷۵، ۷۶ طبع مصر)

---

[1] محققین امت نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ سارے احکام شرع کے ذخیرہ میں بیس مسئلے بھی ایسے نہ ملیں گے جن میں امام اعظم متفرد ہوں یا ان کا کوئی قول یا امام ابو یوسف و محمدؒ کا کوئی قول امام شافعی، امام مالک و امام احمد کے موافق موجود نہ ہو اور ہم اوپر یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ تین ارباع مسائل فقہ میں چاروں ائمہ باہم متفق ہیں پھر یہ بات کتنی غلط اور بے بنیاد کہہ دی گئی کہ امام صاحب الگ وادی میں تھے اور باقی سب دوسری وادی میں، شاید بہت سے بڑے بڑے جو بڑے نہ بن سکے، اس کی وجہ ان کے ایسے ہی غلط نظریات و تنگ نظری ہوگی۔ واللہ اعلم (مؤلف)

یہ حال عراق کا تھا جہاں امام اعظم اور ان کے ۴۰ شرکاء تدوین فقہ نے فقہی مسائل کا ایسا نادر روزگار مجموعہ تیار کیا تھا، جس کی نظیر مذاہب عالم پیش کرنے سے عاجز ہیں اور جو دنیائے اسلام کے لئے رہتی دنیا تک کے لئے مکمل ترین قانونی نظام ہے، جہاں قدر کرنے والے اس عظیم ترین احسان کی صحیح قدر و قیمت پہنچاتے رہے اور تا قیامت پہنچائیں گے، خدا کی شان ہے کہ وہاں عبدالرحمٰن بن مہدی ایسے ناقدرے بھی ہوئے ہیں اور اب بھی اہل حدیث غیر مقلدین و سلفی حضرات اس غلط راہ پر چل رہے ہیں اور ہمارا مقصد یہاں صرف ایسے ہی اہل حدیث یا اہل ظاہر کا ذکر ہے جو فقہاء اربعہ یا ان کی فقہ سے بیر رکھتے ہیں یا کسی فقہی مکتب خیال کی طرف منسوب ہوتے ہوئے بھی بڑے بڑے مسائل فروع و اصول میں ان کے الگ تفردات ہیں۔

۴۔ محدث ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی م ۲۲۰ھ

ان کے بارے میں مقدمہ انوارالباری میں کافی لکھ چکا ہوں، افسوس ہے کہ امام بخاریؒ کا ذہن فقہ حنفی اور امام اعظمؒ وغیرہ کی طرف سے ہٹانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے ورنہ امام بخاریؒ کا کارنامے آج ائمہ مجتہدین سے کم درجہ میں امت مرحومہ کے لئے مفید نہ ہوتے اور اب ہمیں امام بخاریؒ کی جلالت قدر اور عظیم خدمات حدیث کی وجہ سے کوئی صحیح و ضروری نقد کرنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔

۵۔ محدث جلیل حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ م ۲۳۵ھ

آپ کی جلیل القدر حدیثی تالیف دنیائے حدیث کے لئے احسان عظیم ہے اور اگر یہ کتاب پہلے شائع ہو جاتی تو بہت سے نزاعات کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ آپ نے احادیث نبویہ کے ساتھ ساتھ آثار صحابہ و تابعین و تعامل امت کی روشنی بھی دکھلا دی تھی، اگر چہ امام اعظمؒ کی فقہ پر آپ نے مستقل نقد بھی کر دیا ہے، جس کا بڑا حصہ غلط فہمیوں کے سبب سے ہے، تاہم اس کا جواب بھی کافی و شافی شائع ہو چکا ہے خود بھی نقد کرتے ہیں اس لئے ہر نقد صحیح کو پسند کرتے ہیں۔

۶۔ محدث اسحٰق بن راہویہ م ۲۳۸ھ

یہ خود پہلے صاحب رائے تھے، بلکہ غالباً حنفی بھی، جیسا کہ خود ان کے بیان سے مترشح ہوتا ہے، پھر اہل حدیث بن گئے اور امام بخاری کو بھی سبق پڑھایا کہ مجرد صحیح کا مجموعہ تیار کرو، امام بخاری جو آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے، یہ بھی ممکن ہے ان ہی کا اثر ہو، بہر حال! امام بخاری نے ان کے مشورہ سے صحیح بخاری لکھی اور حدثنا کے بعد صرف حدیث مجرد اور وہ بھی صرف اپنے مسلک کے مطابق والی لاتے ہیں دوسری کا ذکر فکر کچھ نہیں، البتہ اپنے خیال کے لئے مؤید اگر کوئی صحابی کا قول و فعل ہو تو اس کو ترجمۃ الباب میں لے آتے ہیں۔

۷۔ امام بخاریؒ م ۲۵۶ھ

آپ کا مفصل تذکرہ مقدمہ انوارالباری جلد دوم میں مع تعارف تالیفات ہو چکا ہے، انوارالباری کا مطالعہ کرنے والے اس کو اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیا کریں، تو فائدہ زیادہ ہوگا، حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو علماء ظاہر سے اشبہ کہا ہے اور میرے پاس بھی اس کے قرائن ہیں، ممکن ہے پھر کہیں لکھنے کا موقعہ نکلے، باقی جن مسائل میں ظاہریت اختیار کی ہے یا فقہاء و مجتہدین کے خلاف امام بخاری نے رائے قائم کی ہے، ان کی جواب دہی ہم کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وبہ نستعین۔

۸۔ شیخ داؤد ظاہریؒ م ۲۷۰ھ

یہ مشہور ظاہری محدث گذرے ہیں جنہوں نے فقہ اربعہ کی مخالفت میں جھنڈے گاڑے تھے۔

۹۔محدث ابن خزیمہ م ۳۱۱ھ

یہ بھی مشہور محدث تھے، علم کلام میں حذاقت تو در کنار درک بھی نہیں تھا، اسی لئے اپنی کتاب التوحید میں بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں اور ہماری بدقسمتی کہ ان کے بہت سے اصول و عقائد کے مسائل میں علامہ ابن تیمیہ نے ان کو اپنا متبوع بنالیا ہے ان کی صحیح ابن خزیمہ نادرۂ روزگار تھی اب ۲۔۳ جلدیں شائع ہوگئی ہیں اور یہ بھی امام بخاریؒ کی طرح اپنے مسلک کی تائید اور دوسروں کی تردید کیلئے بڑے بڑے تراجم الابواب اور عنوانات قائم کرتے ہیں، دو جلدیں میرے پاس آچکی ہیں، اس لئے اب ان کا ذکر بھی مسائل کی بحث میں آئے گا۔ان شاءاللہ

۱۰۔علامہ ابن حزم ظاہری م ۴۵۷ھ

نہایت مشہور و معروف محدث تھے، مگر ظاہری یا نئی اصطلاح میں سلفی ائمہ مجتہدین و کبار امت پر سخت تنقید کرنے والے بلکہ توہین کی حد تک ان کی زبان، حجاج کی تلوار کی طرح تیز تھی، پھر علامہ ابن تیمیہ کی طرح اپنی ہی کہتے ہیں دوسروں کی نہیں سنتے، ان کی ''محلی'' احادیث و آثار صحابہ و تابعین کا نہایت گراں قدر مجموعہ ہے جو دس بڑی جلدوں میں شائع شدہ ہے، کوئی محدث ان کی اس کتاب کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا، وغیرہ فوائد مع نقائص ظاہریت و سب و شتم ائمہ۔

۱۱۔علامہ تقی الدین بن تیمیہ م ۷۲۸ھ

نہایت جلیل القدر محدث اور علم و فضل کے بحر ناپید اکنار، حتیٰ کہ بعض علماء امت نے تو یہ رائے بھی قائم کردی کہ ان کا علم و مطالعہ ان کی عقل و فہم سے بھی کوسوں آگے بڑھ گیا تھا اور شاید اسی لئے تفردات کا ایک ڈھیر لگا گئے اور وہ بھی صرف فروعی مسائل تک نہیں رکے بلکہ عقائد و اصول میں بھی داخل ہوگئے، جیسے قدم عرش استقرار عرش، اثبات جہت اللہ تعالیٰ کے لئے وغیرہ، ان کے رد میں علامہ سبکی وحصنی وغیرہ کی تالیفات قابل مطالعہ ہیں بعد عقائد اور طلاق ثلث وغیرہ مسائل میں انہوں نے امام احمد کی بھی مخالفت کی ہے، جو ان کے متبوع و مقلد بھی ہیں اور بہت سے مسائل میں ظاہریت اختیار کی ہے۔

۱۲۔علامہ ابن القیم م ۷۵۱ھ

آپ نے اپنے استاذ محترم علامہ ابن تیمیہ کی تمام مسائل و عقائد میں مکمل پیروی کی ہے، بجز اس کے علامہ ابن تیمیہ کا رویہ حنفیہ اور فقہ حنفی کے ساتھ نرم ہے، بلکہ بہت سے مسائل میں تائید کا پہلو اختیار کیا ہے، لیکن ابن قیم نے حنفیہ کی مخالفت میں کسر اٹھا نہیں رکھی، ملاحظہ ہو اعلام الموقعین، اگر چہ دوسرے مذاہب فقہ کی بھی مخالفت اور ظاہریت کے مظاہرے کئے ہیں، سلوک و تصوف کے مسائل میں اپنے استاد سے بہت نرم ہیں۔

۱۳۔مجدالدین فیروزآبادی ۸۱۷ھ

آپ کا میلان بھی ظاہریت کی طرف تھا اور اپنی کتاب ''سفر السعادة'' میں حنفیہ کے خلاف ہنگامے برپا کئے ہیں، جن کے جوابات علامہ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادة میں دیئے ہیں، تفصیل فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ (اردو) میں ہے اور اس میں شیخ موصوف اور شاہ ولی اللہ کے علوم و خدمات کا موازنہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

۱۴۔شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۲۰۶ھ

آپ کی خدمات جلیلہ در بارہ ردو بدعت وشرک قابل مدح وستائش ہیں، مگر اس کے ساتھ جو کچھ افراط وتفریط پیدا ہوئی اور علامہ ابن تیمیہ کی تقلید، نیز ظاہریت کی تائید واشاعت وغیرہ وہ لائق نقد ہے، چونکہ اس وقت نجد وحجاز میں ان ہی کا سکہ رائج ہے، ضرورت ہے کہ اجتماع حج کے موقعہ پر علمائے اسلام جمع ہوکر حالات ومسائل کو اعتدال پر لانے کے لئے جد وجہد کیا کریں اور اتحاد کلمہ کی راہ نکالیں، غلطی بجز انبیاء علیہم السلام کے ہر ایک سے ہوسکتی ہے اور ہم میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہے، واللہ الموفق لما یحب ویرضیٰ۔

۱۵۔علامہ شوکانی م ۱۲۵۰ھ

بڑے محدث وعلامہ تھے، حدیثی خدمات بھی نہایت قابل قدر ہیں، مگر عدم تقلید وظاہریت کے میلانات نے قدر وقیمت کم کردی ہے بعض مسائل میں جراءت کے ساتھ علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ کے خلاف بھی لکھا ہے، ہمارے زمانہ کے اہل حدیث ان کا اتباع وتقلید کرنے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔

۱۶۔نواب صدیق حسن خان م ۱۳۱۷ھ

یہ بھی اپنے زمانہ میں ظاہریت وعدم تقلید کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے کارہائے نمایاں انجام دے گئے ہیں، اگر چہ بعض مواقع میں جراءت کے ساتھ اپنے حزب کے خلاف کلمۂ حق بھی کہہ دیتے تھے جید عالم تھے، مفید علمی کتابیں شائع کیں، ایسے باثر حضرت اگر اتحاد کلمہ کے لئے سعی کرتے تو کامیابی ضرور ہوتی، مگر اللہ کی مشیت کہ ایسا نہ ہوسکا۔

۱۷۔محدث نذیر حسین صاحب م ۱۳۲۰ھ

علامہ محدث نے مدتوں درس حدیث دیا اور علمی روشنی پھیلائی مگر ظاہریت وعدم تقلید پر ایسے جامد تھے کہ فقہاء کے لئے ناموزوں کلمات تک نکالنے سے بھی باک نہ تھا۔ عفا اللہ عنہ

۱۸۔محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری م ۱۳۵۳ھ

محدث جلیل صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، آپ بھی اہل حدیث کے بڑے عالم تھے، اور حدیثی خدمات قابل قدر انجام دیں، بعض اوقات مسائل متنازعہ کے اندر بحث وکلام میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، ملا علی قاری حنفیؒ کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے بہ کثرت نقول ذکر کرتے ہیں، ہمارے اساتذہ واکابر دیوبند کی تردید میں بڑی دلچسپی لی ہے اور خلیج اختلافات کو بڑھایا ہے۔

۱۹۔محدث عبیداللہ مبارکپوری دام فیضہم

علامہ محدث، صاحب مرعاۃ شرح مشکوٰۃ بحث ونظر میں اچھی اچھی نقول ذکر کی ہیں اور شروع جلدوں کی نسبت بعد کی جلدوں میں اعتدال وسلامت روی کا رجحان زیادہ ہے جو فال نیک ہے، ۶ جلدیں شائع ہوچکی ہیں، خدا کرے کتاب مذکور باحسن اسلوب مکمل ہوکر شائع ہو اور اختلافات کی خلیج پاٹنے کا سامان زیادہ سے زیادہ میسر ہو تعصب وتنگ نظری سے دور ہوکر جو بھی حدیثی خدمت ہو وہ سب ہی اہل علم وعوام کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اور ہمیں سب ہی کو اپنی مرضیات کی توفیق دے۔

امام بخاری کے ابواب المساجد اور خلاف فقہاء مہم کی تقریب سے مذکورہ بالا حضرات اہل ظاہر کا تذکرہ ہوا ہے اور امام بخاری اگر چہ بکل معنی الکلمہ ظاہری نہیں تھے، تاہم اشبہ بالظاہری ضرور تھے اور ایسے مواقع میں جہاں وہ کسی فقیہ کے خلاف مسئلہ کا اثبات کرتے ہیں یا

صرف اپنی ہی مؤید حدیثیں ذکر کرتے ہیں، مقابل جانب کی نہیں، وہاں صحیح بخاری کے مدرس کو بہت ہی بڑے وسیع علم ومطالعہ کی ضرورت ہے جیسا کہ ہمارے دور میں علامہ کشمیری یا حضرت مدنیؒ کا تھا، مگر اب تو بیشتر مدارس میں دورہ حدیث ہونے لگا ہے اور وہاں کا شیخ الحدیث جو صحیح معنی میں درس بخاری وترمذی کا اہل نہیں ہوتا، صحیح بخاری وترمذی کا درس دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیشتر فضلا وفارغین نیم سلفی بن کر نکلتے ہیں اور وہ اپنے وطن جا کر سلفی عوام تک کی جواب دہی بھی پوری طرح نہیں کر سکتے۔ فیاللاسف ولفضیحۃ علم الحدیث والی اللہ المشتکی۔

باب من دعی لطعام فی المسجد و من اجاب منه

(جسے مسجد میں کھانے کے لئے بلایا جائے وہ اسے قبول کرلے)

(۴۰۷) حدثنا عبدالله بن یوسف قال انا مالک عن اسحٰق بن عبدلله انه سمع انسا قال و جدت النبی ﷺ فی المسجد و معه ناس فقمت فقال لی ارسلک ابو طلحة فقلت نعم قال لطعام قلت نعم فقال لمن حوله قوموا فانطلق و انطلقت بین ایدیهم.

ترجمہ: حضرت انسؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چند اصحاب کے ساتھ پایا، میں کھڑا ہو گیا تو آں حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے، میں نے کہا جی ہاں، آپ نے پوچھا کھانے کے لئے (بلایا ہے) میں نے عرض کی کہ جی ہاں (کھانے کے لئے بلایا ہے) آپ نے اپنے قریب موجود لوگوں سے فرمایا کہ چلو سب حضرات آنے لگے اور میں ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔

تشریح: حسب تحقیق حضرت شاہ ولی اللہؒ اس باب کا مقصد مسجد میں کلام مباح کا جواز بتلانا ہے، کیونکہ مسجدیں عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں اور حدیث میں کلام دنیا کی ممانعت بھی وارد ہے، اس وہم کو دفع کیا گیا۔

باب القضاء و اللعان فی المسجد بین الرجال و النساء

(مسجد میں مقدمات کے فیصلے کرنا اور مردوں اور عورتوں میں لعان کرانا)

(۴۰۸) حدثنا یحییٰ نا عبدالرزاق نا ابن جریج انا ابن شهاب عن سهل بن سعد ان رجلاً قال یا رسول الله ارایت رجلا وجد مع امراته رجلاً یقتله فتلاعنا فی المسجد و انا شاهد.

ترجمہ: سہل بن سعد نے بیان کیا کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ایسے شخص کو آپ کیا حکم دیں گے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو دیکھتا ہے کیا اسے قتل کر دینا چاہئے؟ پھر اس مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ مسجد میں لعان کیا اور اس وقت میں موجود تھا۔

تشریح: لعان اس کو کہتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو ملوث دیکھے یا اس قسم کا کوئی یقین اسے ہو لیکن معقول شہادت اس سلسلے میں اس کے پاس کوئی نہ ہو تو شریعت نے خاص شوہر اور بیوی کے تعلقات کی رعایت سے اس کی اجازت دی کہ دونوں قاضی کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کریں اور ایک دوسرے پر جھوٹا ہونے کی صورت میں لعنت بھیجیں، تو پھر دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی، قضا مسجد میں عندالحنفیہ جائز ہے بلا کراہت اور یہی مذہب امام مالک واحمد کا ہے لیکن عندالشافعیہ مکروہ ہے۔ حافظ نے اس مسئلہ پر باب من قضی و لاعن فی المسجد (کتاب الاحکام) میں بحث وتفصیل کی ہے۔ جو فتح الباری کے ص ۱۲۵ ج ۱۳ پر ہے (اس باب میں امام بخاری نے شافعیہ کا رد کیا ہے)۔

باب اذا دخل بيتاً يصلي حيث شآء او حيث امر و لا يتجسس

(جب کسی کے گھر جائے تو کیا جس جگہ اس کا جی چاہے وہاں نماز پڑھے یا جہاں اسے نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے وہاں پڑھے اور (اندر جاکر) تجسس نہ کرنا چاہئے)

(۴۰۹) حدثنا عبدالله بن مسلمة نا ابراهيم بن سعد عن ابن شهاب عن محمود بن الربيع عن عتبان بن مالک ان النبی ﷺ اتاه فی منزله فقال این تحب ان اصلی لک من بیتک قال فاشرت له الیٰ مکان فکبر النبی ﷺ و صففنا خلفه فصلی رکعتین.

ترجمہ: حضرت عتبان بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے آپ نے پوچھا کہ تم اپنے گھر میں کہاں پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ تمہارے لئے نماز پڑھوں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا پھر نبی کریم ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم آپ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو گئے، آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شارحین بخاری نے دونوں صورتوں کو امام بخاری کا مقصد بتلایا ہے کہ جو چاہے اختیار کرلے مگر میں سمجھتا ہوں کہ مقصد ترجمہ تو حسب امر صاحب الدار ہی ہے، مگر پھر یہ خیال کر کے کہ حکم شارع کو اسی پر منحصر نہ سمجھ لیا جائے دوسری صورت بھی ذکر کر دی، احقر عرض کرتا ہے کہ شاید اسی لئے تجسس کو منع کیا، کیوں کہ جہاں چاہے کسی کے گھر میں نماز پڑھنے میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی جگہ پڑھنا چاہے جہاں جانا گھر والے کو پسند نہ ہو یا پردے و حجاب کے خلاف ہو یا اسی جگہ ایسا گھریلو سامان ہو جس کو وہ اس پر ظاہر نہ کرنا چاہتا ہو وغیرہ۔ البتہ اگر صاحب بیت ہی عام اجازت دے دے کہ جہاں چاہے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

یہ تو عام بات ہوئی لیکن اگر کوئی شخص کسی ولی بزرگ کو بلا کر اپنے گھر کے کسی حصہ کو بابرکت بنانے کے لئے یا نماز خانگی کے لئے جگہ متعین کرانا چاہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ بزرگ جگہ دریافت کرلے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمالیا، واللہ اعلم۔

اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کا ثبوت ہوا اور سلفی حضرات جو ان امور کو بے حیثیت گردانتے ہیں اس کا رد ہوا حرمین شریفین کے مآثر متبرکہ حتی کہ مولد نبوی اور بیت مبارک حضرت خدیجہؓ کو معطل و بے نشان کر دیا گیا ہے اور اس کو خالص توحید کا نام دیا جاتا ہے، یعنی ان چند لوگوں کے سوا اور ساری دنیائے اسلام کے کروڑوں مسلمان عوام اور علماء سب کی توحید ان کے مقابلہ میں ''نخالص'' ہے، مگر کیا یہی حدیث بخاری اس بات کا کامل ثبوت نہیں کہ حضور علیہ السلام کے کسی ایک جگہ پر صرف ایک نماز نفل پڑھ لینے سے صحابہ کرام اس مقام کو کتنا متبرک سمجھتے تھے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ کو حضرت عتبان بن مالک نے بت پرستوں کی طرح پرستش کی جگہ بنالیا تھا؟! پھر کیا وجہ ہے کہ جس بیت مبارک میں حضور علیہ السلام کی پیدائش ہوئی برسوں اس میں آپ نے عبادت کی، شب و روز گذارے اور بیت حضرت خدیجہؓ میں کتنی ہی بار وحی الٰہی نازل ہوئی ہوگی اور اس میں حضور نے نہ صرف سینکڑوں نوافل بلکہ فرائض بھی ادا کئے ہونگے پھر یہ کہ تیرہ سو برس تک ہر دور کے حجاج و زائرین ان مقامات متبرکہ کی زیارت کرتے رہے اور حضرت عتبانؓ کی طرح وہاں برکت حاصل کرنے کے لئے نفل نمازیں بھی پڑھتے رہے، چودھویں صدی میں آکر ان مقدس مقامات کو صرف اس خطرۂ موہوم کو آڑ بنا کر کہ لوگ وہاں شرک کریں گے، ان کے آثار تک مٹا دیئے گئے، یا کچھ باقی ہیں تو ان کو مقفل کر دیا گیا ہے، کیا وہاں بھی دیگر مساجد و مقامات مدینہ طیبہ وغیرہ کی طرح سپاہیوں کا پہرہ بٹھا کر مزعوم شرک کی روک تھام نہ ہو سکتی تھی، دوسرے صحابہ کرام کے بیسیوں واقعات سے استبراک ثابت ہے، تو کیا ان سے بھی بڑھ کر یہ لوگ کسی

توحید خالص کے ماننے والے ہیں، میری عاجزانہ درخواست موجودہ علماء وامراءِ نجد سے ہے کہ وہ تلافی مافات کی طرف جلد توجہ فرمائیں،
علامہ ابن قیمؒ نے زادالمعاد کے شروع ہی میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی حدیث مسلم شریف سے نقل کی ہے کہ انہوں نے جبۂ مبارکہ نبویہ نکالا اور فرمایا کہ یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آخر تک رہا ان کے انتقال کے بعد میرے پاس آیا، چونکہ نبی کریم ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے، اس لئے ہم اس کو دھو کر مریضوں کو پانی پلاتے ہیں اور ان کو شفا ہوتی ہے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ جن کے حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں سات ماہ تک مہمان رہے، حضرت ابوایوب اور زوجہ محترمہ کا معمول رہا کہ دونوں وقت حضور علیہ السلام کے لئے کھانا پیش کرتے اور جو بچتا وہ کھاتے، کوئی نجدی مزاج کہے گا کہ ایسا تو سب ہی کرتے ہیں مگر ابھی اور دیکھئے کہ حضرت ابوایوبؓ برکت حاصل کرنے کے لئے وہیں انگلیاں ڈالتے ہیں جہاں حضور اکرم ﷺ کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوا دیکھتے تھے (زرقانی، وفاء الوفا، حاکم واصابہ)

افسوس ہے کہ ہمارے نجدی بھائی اور ان کے ہم خیال ایسی باتوں کو مہمل خیال کرتے ہیں، حدیث سے جماعت نوافل کا بھی ثبوت ہوا، مگر جتنا ثبوت ہے، اتنا ہی رہنا چاہئے، کیونکہ نہ اس جماعت کے لئے کوئی تداعی یا اہتمام ہوا نہ اس کا بار بار تکرار ہوا، بلکہ مسجد نبوی میں تو تراویح وکسوف کے علاوہ دوسرے نوافل کی حضور علیہ السلام نے جماعت کرائی ہی نہیں، اس لئے فقہاء نے یہ استنباط بجا کیا کہ نوافل کی جماعت تداعی واہتمام کے ساتھ خلاف سنت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تداعی واہتمام کی صورت اصل مذہب میں متعین نہ تھی، بعد کے مشائخ نے وضاحت کردی لہٰذا اب وہی معمول بہا رہے گی، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ نماز تہجد وغیرہ کی جماعت رمضان میں بھی مکروہ تحریمی ہے اگر چار مقتدی ہوں خواہ خود جمع ہوں یا بطلب آئیں، تین میں اختلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں کذا فی کتب الفقہ (فتاوی رشیدیہ ص ۲۸۹ وص ۲۹۹)

باب المساجد فی البیوت وصلی البرآء بن عازب فی مسجد فی داره جماعةً

(گھروں کی مسجدیں اور براء بن عازبؓ نے اپنے گھر کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی)

(۴۱۰) حدثنا سعید بن عمیر قال نا اللیث قال حدثنی عقیل عن ابن شهاب قال اخبرنی محمود بن الربیع الانصاری ان عتبان بن مالک و هو من اصحاب رسول الله ﷺ ممن شهد بدراً من الا نصار انه الی رسول الله ﷺ فقال یا رسول الله قد انکرت بصری و انا اصلی لقومی فاذا کانت الا مطار سال الوادی الذی بینی و بینهم لم استطع ان اتی مسجد هم فا صلی بهم و وددت یا رسول الله انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذه مصلی قال فقال له رسول الله ﷺ سا فعل ان شاء الله تعالی قال عتبان فغدا علی رسول الله ﷺ و ابوبکر حین ارتفع النهار فاستاذن رسول الله ﷺ فاذنت له فلم یجلس حین دخل البیت ثم قال این یحب ان اصلی من بیتک قال فاشرت له الی ناحیة من البیت فقام رسول الله ﷺ فکبر فقمنا فصففنا فصلی رکعتین ثم سلم قال و حبسناه علی خزیرة صنعنا ها له قال فثاب فی البیت رجال من اهل الدار ذوو عدد فاجتمعوا فقال قائل منهم این مالک بن الدخیشن فقال بعضهم ذلک منافق لا یحب الله و رسوله فقال رسول الله ﷺ لا تقل ذلک الا تراه قد قال لا اله الا الله یرید بذلک وجه الله قال الله ورسوله اعلم قال فانا نریٰ وجهه و نصیحته الی المنافقین قال رسول الله ﷺ فان الله عزو جل قد حرم علی النار من قال لآ اله الا الله یبتغی بذلک وجه الله قال ابن شهاب ثم سالت الحصین بن محمد الانصاری وهو احد بنی سالم وهو من سراتهم عن حدیث محمود بن الربیع فصدقه بذلک.

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع انصاری نے خبر دی کہ حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور غزوہ بدر کے شرکاء میں تھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میری بینائی میں کچھ فرق آ گیا ہے اور میں اپنی قوم کے لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں، لیکن جب موسم برسات آتا ہے تو میرے اور میری قوم کے درمیان جو نشیبی علاقہ ہے وہ بھر جاتا ہے اور میں انہیں نماز پڑھانے کے لئے مسجد تک جانے سے معذور ہو جاتا ہوں اور یا رسول اللہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور کسی جگہ نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنا لوں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہاری اس خواہش کو پورا کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، عتبان نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ عنہ دوسرے دن جب دن چڑھا تو تشریف لائے، رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور میں نے اجازت دی، جب آپ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے نہیں بلکہ پوچھا کہ تم اپنے گھر کے کس حصہ میں مجھ سے نماز پڑھنے کی خواہش رکھتے ہو، انہوں نے کہا کہ میں نے گھر میں ایک طرف اشارہ کیا، رسول اللہ ﷺ (اس جگہ) کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور صف بستہ ہو گئے، آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی پھر سلام پھیرا، کہا کہ ہم نے آپ کو تھوڑی دیر کے لئے روکا اور آپ کی خدمت میں حریرہ پیش کیا جو آپ ہی کے لئے تیار کیا گیا تھا، عتبان نے کہا کہ محلہ والوں کا ایک مجمع گھر میں لگ گیا، مجمع میں سے ایک شخص بولا کہ مالک بن دخیشن یا (یہ کہا) ابن دخشن دکھائی نہیں دیتا، اس پر دوسرے نے لقمہ دیا کہ وہ تو منافق ہے جسے خدا اور رسول سے کوئی تعلق نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ نہ کہو، دیکھتے نہیں کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا ہے اور اس سے مقصود خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، منافقت کا الزام لگانے والے نے (یہ سن کر) کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، ہم تو اس کی توجہات اور ہمدردیاں منافقوں کے ساتھ دیکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے لا الہ الا اللہ کہنے والے پر اگر اس کا مقصد خدا کی خوشنودی ہو، دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے، ابن شہاب نے بیان کیا کہ پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو بنو سالم کے ایک فرد ہیں اور ان کے سرداروں میں سے ہیں محمود بن ربیع کی (اس حدیث) کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

تشریح: یہاں مسجد سے مراد یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ مخصوص کر لی جائے، اس لئے اس پر عام مساجد کے احکام نافذ نہیں ہوں گے اور جس شخص کو یہ گھر وراثت میں ملے گا مسجد بھی اسی کے ساتھ ملے گی، منیۃ المصلی میں ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی مسجد میں جو گھر کے احاطہ میں اس نے بنائی ہے نماز با جماعت پڑھے تو وہ مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت سے محروم رہے گا مگر تارک جماعت نہ ہوگا، یہ مسئلہ صرف اسی میں ہے اور گھروں میں نماز جماعت کا ثبوت امراء جور کے زمانہ میں اور دوسرے اعذار کے وقت بھی ہوا ہے (فیض الباری ص ۱۴۱ ج ۲)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عتبان نے فرمایا اصابنی فی بصری بعض الشیء جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بینائی بالکل نہیں جاتی رہی تھی، عتبان بن مالک کو آں حضور ﷺ نے جماعت چھوڑنے کی اجازت دی تھی لیکن ابن ام مکتوم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی کیونکہ یہ مادرزاد نابینا تھے، خزیرہ عرب کا ایک کھانا، گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لئے جاتے تھے، پھر پانی ڈال کر انہیں پکایا جاتا تھا جب خوب پک جاتا تو اوپر سے آٹا چھڑک دیتے، اسے عرب خزیرہ کہتے تھے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ گوشت کو رات بھر کچا چھوڑ دیتے تھے، پھر صبح کو مذکورہ صورت سے پکاتے تھے۔

حاطب بن ابی بلتعہ مومن صادق تھے لیکن اپنی بیوی اور بچوں کی محبت میں آں حضور ﷺ کی لشکر کشی کی اطلاع مکہ کے مشرکوں کو دینے کی کوشش کی، یہ ان کی ایک بہت بڑی غلطی تھی لیکن اس سے ان کے ایمان واسلام میں کوئی فرق نہیں آیا، ممکن ہے مالک بن دخشن کی دنیاوی ہمدردیاں بھی منافقوں کے ساتھ اسی طرح کی ہوں اور عام صحابہ نے ان کی اس روش کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا ہو لیکن نبی کریم ﷺ کی اس تصریح کے بعد آپ کے مومن ہونے کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے، آپ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ساتھ تھے اور حضرت

ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے آپ کی منافقوں کے ساتھ ہمدردانہ روش پر شبہ کا اظہار کیا تو آں حضور ﷺ نے یہی فرمایا تھا کہ کیا غزوۂ بدر میں وہ شریک نہیں تھے؟!

باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ و کان ابن عمر یبداء برجله الیمنیٰ فاذاخرج بدأ برجله الیسریٰ

(مسجد میں داخل ہونے اور دوسرے کاموں میں داہنی طرف سے ابتداء کرنا! ابن عمرؓ مسجد میں داخل ہونے کے لئے داہنے پاؤں سے ابتداء کرتے تھے اور نکلنے کے لئے بائیں پاؤں سے)

(۴۱۱) حدثنا سلیمان بن حرب قال نا شعبة عن الاشعث بن سلیم عن ابیه عن مسروق عن عائشة قالت کان النبی ﷺ یحب التیمن ما استطاع فی شأنه کله فی طھورہ و ترجله وتنعله.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام کاموں میں جہاں تک ممکن ہوتا داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے، طہارت کے وقت بھی، کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں بھی۔

تشریح: (۴۱۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے یہ افعال بطور عادت تھے، بطور عبادت کے نہیں جیسا کہ شارح وقایہ نے لکھا ورنہ حضور کی مواظبت وہمیشگی سے یہ افعال مسنون ہوجاتے، کیونکہ تعبد وتعود میں فرق ہے، لہٰذا مستحب ہوں گے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تراجم میں لکھا۔

باب هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد لقول النبی ﷺ لعن الله الیهود اتخذوا قبور انبیائهم مساجد و ما یکره من الصلوٰة فی القبور ورآی عمر بن الخطابؓ انس بن مالک یصلی عند قبر فقال القبر القبر ولم یامر بالاعادة

(کیا دور جاہلیت میں مرے ہوئے مشرکوں کی قبروں کو کھود کر ان پر مساجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا نے یہودیوں پر لعنت بھیجی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور قبروں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت انس بن مالکؓ کو ایک قبر کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ قبر سے بچو، قبر سے بچو، لیکن آپ نے ان سے اعادہ کے لئے نہیں فرمایا)

(۴۱۲) حدثنا محمد بن المثنیٰ قال نا یحییٰ عن هشام قال اخبرنی ابی عن عائشة ان ام حبیبة و ام سلمة ذکر نا کنیسة راینها بالحبشة فیها تصاویر فذکر تا ذلک للنبی ﷺ فقال ان اولٰٓئک اذا کان فیهم الرجل الصالح فمات بنوا علےٰ قبرہ مسجداً و صورو فیه تلک الصور فاولٰٓئک شرار الخلق عند الله یوم القیٰمة.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے بتلایا کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ نے ایک کلیسا کا ذکر کیا جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصویریں تھیں، انہوں نے اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے بھی کیا، آپ نے فرمایا کہ ان کا یہ حال تھا کہ اگر ان کا کوئی نیکوکار صالح شخص فوت ہوجاتا تو وہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں یہی تصویریں بنادیتے، یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں قیامت کے دن بدترین مخلوق ہوں گے۔

تشریح: (۴۱۲) انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر نماز پڑھنے میں ایک طرح ان کی تعظیم وتکریم کا پہلو نکلتا ہے اور کفار اور یہود اسی طرح گمراہی

میں مبتلا ہوئے اس لئے یہودیوں کے اس فعل پر لعنت ہے خدا کی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں اور ان میں تصاویر بنا کر پرستش کی، لیکن مشرکین کی قبروں کو اکھاڑ کر ان پر مسجد کی تعمیر میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان کی تعظیم کا خیال ہی پیدا نہیں ہوسکتا اس کے علاوہ مشرکوں کی قبروں کی اہانت جائز ہے، اس لئے آں حضور کی حدیث اور آپ کے عمل میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۴۱۳) حدثنا مسدد قال ثنا عبدالوارث عن ابی التیاح عن انس بن مالک قال قدم النبی ﷺ المدینة فنزل اعلے المدینة فی حی یقال لهم بنو عمر و بن عوف فاقام النبی ﷺ فیهم اربعاً و عشرین لیلة ثم ارسل الی بنی النجار فجاء و متقلدین السیوف فکانی انظر الی النبی ﷺ علے راحلته و ابو بکر رفه و ملأ بنی النجار حوله حتی القی بفناء ابی ایوب و کان یحب ان یصلے حیث ادرکته الصلوٰة و یصلی فی مرابض الغنم و انه امر ببناء المسجد فارسل الی ملاء بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا، قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الی الله عزو جل قال انس فکان فیه ما اقول لکم قبور المشرکین وفیه خرب و فیه نخل فامر النبی ﷺ بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسویت و بالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد وجعلوا عضادتیه الحجارة و جعلوا ینقلون الصخر وهم یرتجزون النبی ﷺ معهم وهو یقول اللهم لا خیر الا خیر الأخره فاغفر الانصار و المهاجره.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہاں کے بالائی علاقہ میں بنوعمرو بن عوف کے یہاں (قبا میں) ٹھہرے نبی اکرم ﷺ نے یہاں چوبیس دن قیام فرمایا پھر آپ نے بنونجار کو بلا بھیجا تو وہ لوگ تلواریں لٹکائے ہوئے آئے، گویا میری نظروں کے سامنے یہ منظر ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر تشریف فرما ہیں، ابوبکر صدیقؓ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں اور بنونجار کی جماعت آپ کے چاروں طرف ہے، اسی حال میں ابوایوب کے گھر کے سامنے آپ نے اپنا سامان اتارا اور نبی کریم ﷺ یہ پسند کرتے تھے کہ جہاں بھی نماز کا وقت آجائے فوراً نماز ادا کرلیں، آپ بکریوں کے باڑوں میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور آپ نے یہاں مسجد بنانے کے لئے فرمایا، چنانچہ آپ نے بنونجار کے لوگوں کو بلوا کر فرمایا کہ اے بنونجار! تم اپنے اس باغیچہ کی قیمت لے لو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں یارسول اللہ ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے، ہم تو صرف خداوند تعالیٰ سے اس کا اجر مانگتے ہیں۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ میں جیسا کہ تمہیں بتا رہا تھا یہاں مشرکین کی قبریں تھیں اس احاطہ میں ایک ویران جگہ تھی اور کچھ کھجور کے درخت تھے نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی قبروں کو حکم دے کر اکھڑوا دیا، ویرانہ کو صاف اور برابر کرایا اور درختوں کو کٹوا دیا، لوگوں نے ان درختوں کو مسجد کے قبلہ کی جانب نصب کردیا اور پتھروں کے ذریعہ مسجد کی دونوں جانب کو مضبوط بنا دیا، صحابہ پتھر اٹھاتے ہوئے رجز پڑھتے تھے اور نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ آخرت کی بھلائی کے علاوہ اور کوئی بھلائی (قابل توجہ) نہیں، پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمایئے۔

تشریح: جب عرب کسی بڑی شخصیت سے ملنے جاتے تو ان کی یہ ایک وضع تھی کہ تلوار گردن سے لٹکا لیتے تھے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ کھجور کے ان درختوں سے قبلہ کی دیوار بنائی گئی تھی اور کھڑا کر کے اینٹ اور گارے سے انہیں استوار کردیا گیا تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چھت کا وہ حصہ جو قبلہ کی طرف تھا اس میں ان درختوں کا استعمال کیا گیا تھا، رجز شعر سے مختلف چیز ہے، یہ نام عرب جاہلیت کا رکھا ہوا ہے، اس کی صورت فقرہ بندی یا تک بندی کی سی ہوتی تھی۔

علامہ کرمانی نے لکھا کہ حدیث میں چونکہ لعنت کو قبور انبیاء علیہم السلام اکھاڑ کر مساجد بنانے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، اس لئے جائز ہوگا کہ غیر انبیاء و صالحین کی قبور مسمار کر کے اس جگہ مساجد بنالی جائیں، جیسا کہ خود حضور علیہ السلام نے مسجد نبوی کے لئے بھی کیا ہے، علامہ

قسطلانی وحافظ نے لکھا کہ قبور مشرکین کے لئے چونکہ کوئی حرمت نہیں ہے اس لئے ان کو اکھاڑ کر مسجد بنانا جائز ہوا بخلاف قبور انبیاء اوران کے اتباع کے کہ ان کی قبور کو اکھاڑنے میں ان کی اہانت ہے، لہٰذا حضور اکرم ﷺ کے ارشاد و فعل میں کوئی تعارض نہیں ہے، البتہ علامہ نے مشرکین کے ساتھ لاذمة لھم کی قید بڑھائی۔اس سے معلوم ہوا کہ اہل ذمہ مشرکین کی قبور کو نہ اکھاڑا جائے، غالباً اس لئے کہ اہل ذمہ کے اموال واعراض بھی اہل اسلام کی طرح قابل احترام ہوتے ہیں اوران کی قبور کی اہانت درست نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ نے لعنت کی وجہ تشبیہ بعبدۃ الاوثان بتلائی، یعنی یہود ونصاریٰ اس لئے ملعون قرار پائے کہ پہلے انہوں نے بطور یادگار انبیاء وصالحین کی قبور پر مسجدیں بنائیں پھران میں تصاویر رکھ کر بت پرستوں کی طرح پوجا کرنے لگے تھے، گویا لعنت کی وجہ یہ تشبہ تھی، لہٰذا اگر مقابر مسلمین کی زمین ہموار کر کے مسجد بنالیں تب بھی جائز ہوگا، کیونکہ تشبہ نہ ہوگا، البتہ قبور مشرکین کو اگر بغیر نبش کے یونہی زمین ہموار کر کے مساجد بنائیں گے تو وہ درست نہ ہوگا، کیونکہ وہ محل عذاب ہے بوجہ وجود اجسام مشرکین تحت الارض البتہ مسلمانوں کی قبور اگر نماز کے وقت قدموں کے نیچے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں (جیسا کہ حطیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مرقد ہے اور وہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔حاشیہ) پھر لکھا کہ اگر باوجود اس کے بھی مقابر میں نماز پڑھی جائے گی خواہ قبور صالحین کی ہوں یا دوسری، تو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ہوگی (لامع الدراری ص۱۶۵ج۱) اس آخری مسئلہ میں تامل ہے، کیونکہ جامع صغیر سے حضرت علامہ کشمیریؒ نے نقل کیا تھا کہ اگر قبر اور مصلی کے درمیان سترہ ہو تو نماز بلا کراہت درست ہے اور اگر قبر کے سامنے نہ ہو بلکہ جوانب میں ہو تب بھی نماز میں کراہت نہ ہوگی، ممکن ہے حضرتؒ نے بلاسترہ والی نماز مراد لی ہو۔

علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ علماء نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ کہیں تعظیم میں مبالغہ کی صورت نہ بن جائے اور لوگ عقیدہ ضعیف کر کے فتنہ میں نہ پڑ جائیں کہ پھر یہی چیز کفر وشرک تک پہنچا سکتی ہے، جیسا کہ پہلی امتوں میں ہو چکا ہے اور اسی لئے جب صحابۂ کرام نے مسجد نبوی میں توسیع کی ضرورت محسوس کی تو قبر نبوی کو بڑی بڑی دیواروں کے ساتھ گھیر دیا تا کہ قبر مبارک ظاہر نہ رہے ورنہ عوام وجہال اسی کی طرف نماز پڑھنے لگتے، محقق امت علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ ممانعت نبوی کا مقصد قبور انبیاء پر سجود سے روکنا ہے اور بعض کے نزدیک قبلہ بنانے سے روکنا ہے کہ اس کی طرف نماز نہ پڑھیں، علامہ ملا علی قاریؒ نے لکھا کہ سبب لعنت یا تو یہ ہے کہ یہود قبور انبیاء پر تعظیمی سجدہ کرتے تھے، جو شرک جلی تھا یا یہ تھا کہ وہ خدا کی نماز بھی مقابر انبیاء ہی میں ان کی قبور کی طرف توجہ کر کے پڑھتے تھے کہ عبادت خدا کی اور تعظیم مفرط انبیاء کی دونوں ایک ساتھ انجام دیں جو شرک خفی تھا، کیونکہ اس میں مخلوق کی تعظیم حدود اذن خداوندی سے متجاوز ہوگئی تھی اس کو ہمارے ائمہ میں سے بعض شارحین نے ذکر کیا ہے (اوجز ص۲۱۰ج۲) ہم نے زیادہ تفصیل یہاں اس لئے دیدی ہے کہ اکابر کے سب اقوال کی روشنی میں وجوہ ممانعت اچھی طرح واضح ہو جائیں اور پھر جو کچھ افراط وتفریط پہلے لوگوں سے ہوگئی ہے وہ بھی سمجھ لی جائے اور خاص طور سے یہ بات بھی ذہن نشین ہو جائے کہ ہر تعظیم غیر اللہ کو شرک قرار دیدینا بھی کوئی دینی وعلمی خدمت نہیں ہے، اب حال یہ ہے کہ ایک طرف تو ہر تعظیم شرک سے کم نہیں اور دوسری طرف وہ تعظیم بھی جائز مطلق جو حدود مالم یاذن به الله میں داخل ہے، چونکہ ہمارے بعض اکابر متاخرین سے بھی کہیں بے جا تساہل اور کہیں بے جا تشدد ہو گیا ہے اور ان کی وجہ سے نزاعات کی خلیج بہت بڑھی ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ متقدمین کے فیصلوں کو نظر انداز کرنے کی روش ختم ہو اور اتحاد کلمہ کے لئے راہیں ہموار ہوں۔ واللہ المیسر۔

مقصد نبوی: حضور اکرم ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ میری قبر پر میلہ کی طرح اجتماع نہ ہو اور نہ میری قبر کی اتنی زیادہ تعظیم کی جائے کہ یہود ونصاریٰ اور بت پرستوں کے مشابہ ہو جائے جس کو صحابہ کرام نے یحذر ما صنعوا سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ غایت تعظیم کا درجہ ہی عبادت ہے، جو غیر اللہ کے لئے جائز نہیں، لیکن اس درجہ سے نازل جتنے بھی درجات ہیں وہ سب درجہ بدرجہ شعائر اللہ انبیاء عظام واولیاء کرام اور

مقامات مقدسہ کے لئے نہ صرف جائز بلکہ واجب و مستحب بھی ہیں، اس کے خلاف جو بھی فیصلہ کرے وہ افراط و تفریط میں مبتلا ہے۔

مسجد بجوار صالحین

یہاں یہ مسئلہ بھی لائق ذکر ہے کہ مقابر کے اندر یا قبور صالحین کے پاس مسجد بنانا کیسا ہے؟ نجدی حضرات نے تو حرمین شریفین کے پختہ مزارات صحابہ و تابعین کا انہدام کیا تھا تو جن مزارات کے ساتھ مساجد تھیں وہ بھی منہدم کرادی تھیں، حالانکہ اکابر اہل سنت نے اگرچہ مزارات پختہ بنانے کو ناجائز قرار دیا مگر جو بن گئے تھے ان کا انہدام بھی کبھی پسند نہیں کیا تھا، کیونکہ اس سے بھی مقبورین کی توہین ہوتی ہے، اور اس اہانت سے بچنا چاہئے تھا تاہم انہدام مساجد کی تو کوئی بھی شرعی معقولیت نہ تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علماء و عوام نے ان مساجد کو مقابر کی مساجد قرار دیا، حافظ نے لکھا کہ امام احمد و اہل ظاہر مقبرہ میں نماز کو ناجائز فرماتے ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ مقبرہ حمام نماز کی جگہ نہیں ہے، امام احمد وغیرہ نے اس کے ظاہر پر عمل کیا اور دوسرے اس کی علت نکال کر اس پر مدار رکھتے ہیں، مثلاً امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مقبرے میں اگر قبریں ٹوٹی پھوٹی یا ادھڑی پڑی ہوں اور مقبورین کے لحم و شحم خون و پیپ وہاں کی مٹی میں مل گیا ہو تو ایسے مقبرہ میں نماز نہ پڑھی جائے اور اگر پاک صاف جگہ ہو تو نماز جائز بلا کراہت ہے، امام مالک بھی مقبرے میں نماز بلا کراہت جائز فرماتے ہیں، امام ابوحنیفہ، ثوری داوزاعی کراہت کے قائل ہیں، بوجہ نجاست وغیرہ۔

علامہ بیضاوی نے لکھا کہ یہود و نصاریٰ قبور انبیاء علیہم السلام کو سجدہ تعظیمی کرتے اور ان کو قبلہ بناتے تھے کہ نماز بھی ان ہی کی طرف کو پڑھتے تھے، اس لئے ان پر لعنت کی گئی لیکن اگر کسی صالح کے قرب میں محض برکت کے خیال سے مسجد بنائی جائے تو وعید میں داخل نہ ہوگی، غرض ممانعت صرف اس ڈر سے ہے کہ قبر کو وثن و بت نہ بنالیا جائے، لیکن اس سے امن و اطمینان ہو تو کوئی ممانعت نہ ہوگی، البتہ بعض لوگوں نے سد ذرائع کے طور پر روکا ہے تو یہ بھی معقول وجہ ہے (فتح الباری بحوالہ فتح الملہم ص ۱۲۱ ج ۲) علامہ ابن حزم نے پانچ صحابہ سے ممانعت **صلوٰۃ عند القبر** نقل کی ہے اور پھر یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس کے خلاف کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ علامہ خطابی نے معالم السنن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رخصت **صلوٰۃ فی المقبرہ** نقل کی ہے اور حسن بصری نے بھی مقبرہ میں نماز پڑھی ہے (فتح الملہم ص ۱۲۱ ج ۲) حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع سے پوچھا کہ ابن عمر وسط قبور میں نماز کو مکروہ سمجھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے خود حضرت عائشہ و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ بقیع کے قبرستان میں پڑھی ہے، حضرت ابوہریرہ امام تھے اور مقتدی حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ تھے (اوجز ص ۲۱۱ ج ۲ از سنن بیہقی ص ۴۳۵ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ طیبیؒ نے فرمایا جو شخص کسی صالح کے جوار میں مسجد بنائے اس طرح کہ اس کی قبر مسجد سے باہر رہے اور مقصد اس کے قرب سے برکت حاصل کرنا ہو، اس کی تعظیم یا اس کی طرف رخ کرنا نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے نفع کی بھی امید ہے۔ (فیض الباری ص ۴۲ ج ۲)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جس طرح دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے مقبرہ میں مسجد ہے یا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قبور سے متصل مسجد ہے یا سرہند شریف و دیگر مقامات میں اولیاء عظام کے قرب میں مساجد بنی ہوئی ہیں وہ سب جواز بلا کراہت کے تحت ہیں اور ان کے اندر نماز بھی بلا کراہت جائز ہے۔

کیونکہ جامع صغیر کے حوالہ سے سترہ کے ساتھ نماز میں عند الحنفیہ کسی قسم کی بھی کراہت نہیں ہے چونکہ ایک زمانہ میں علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کے تشددات کا اثر دور دور تک پھیلا تھا، تو خیال ہوتا ہے کہ اس کے اثرات ہندوستان میں بھی آئے تھے، اور بعض مسائل میں ہمارے

اکابر کا تشدد بھی شاید اسی کے تحت ہوا ہو، چنانچہ یہ بھی نقل ہوا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جو مسجد شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مزار پر بنوائی ہے، اس کو شاہ اسحٰق صاحب اچھا نہ جانتے تھے، کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ قبرستان میں مسجد نہیں بنوانا چاہئے اور استدلال میں یہی بخاری والی حدیث پیش کرتے تھے جس کی یہ تشریح چل رہی ہے اور اسی لئے شاہ اسحٰق صاحب اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھتے الا نادراً ایک مرتبہ قبروں پر مسجد بنانے کے متعلق کسی نے آپ سے پوچھا تو فرمایا کہ نہ چاہئے، اس نے کہا کہ پھر آپ کے نانا نے کیوں بنوائی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان سے پوچھو، میرا مسلک یہی ہے (ارواح ثلاثہ ص ۹۰)

ایسا ہی ایک واقعہ ص ۳۴ پر بھی ہے وغیرہ جس سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مسلک میں توسع اور شاہ اسحٰق صاحب کے مزاج میں تشدد ثابت ہوتا ہے اور حضرت شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کے مزاج میں بھی غیر معمولی تشدد تھا، حضرت شاہ اسحٰقؒ نے ''اربعین'' ''مأتہ مسائل'' میں بھی شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے خلاف رائے و تشدد مسئلہ استمداد قبور وغیرہ میں اختیار کیا ہے اور ہمارے حضرت علامہ کشمیریؒ کی رائے میں توسع اور عدم تشدد ان کے رسالہ ''تحلیل الذبائح فی حریم الضرائح'' سے ثابت ہے جو کشمیر سے شائع ہوا تھا اور احقر کے پاس ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جن مسائل میں حنفی مسلک پر گنجائش نکل سکتی ہو، ان میں تشدد مناسب نہیں اور اس بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا اعتدال ہمارے لئے اسوہ بنے تو اچھا ہے۔ **واللہ المسؤل ان یوفقنا لما یحب یرضاہ.**

ہمارے حضرت علامہ کشمیریؒ بھی بہ نسبت تشدد کے سہولت و توسع کو زیادہ پسند فرماتے تھے، ایک دفعہ امکان کذب کے بارے میں فرمایا کہ تعبیر اچھی نہیں، لوگ متوحش ہوں گے اور عوام اردو دان کیا سمجھیں گے کہ امکان ذاتی کیا ہے اور امتناع بالغیر کیا وہ تو یہی سمجھیں گے کہ خدا بھی ہماری طرح جھوٹ بول سکتا ہے اور اپنا عقیدہ خراب کر لیں گے، کچھ ایسا ہی حال مسئلہ امکان نظیر اور علم غیب کلی و جزئی وغیرہ کا بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ اربعا و عشرین لیلۃ: ۔حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا اس بات سے ثابت ہوا کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے پہلا جمعہ بنی سالم (مدینہ منورہ) میں ادا فرمایا ہے، جس کو سب ہی مانتے ہیں، حالانکہ جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکا تھا، تو اگر جمعہ دیہات میں ہو سکتا تو آپ قبا کے ۲۴ روزہ قیام میں ضرور ادا فرماتے۔ (لامع ص ۱۶۵) حاشیہ لامع ص ۸ ج ۲ میں ہے کہ حافظ ابن قیم[1] نے جو صرف چار روز قیام کی بات لکھی وہ روایات بخاری کے خلاف ہے، کیونکہ بخاری میں **باب مقدم النبی** ﷺ مدینہ میں صرف ایک دوسری روایت ۱۴ رات کی ہے اور حافظ نے اس کی تصویب بھی کی ہے، پھر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ میرے نزدیک اوفق بالروایات ۲۴ والی ہے کیونکہ اکثر روایات کی رو سے حضور علیہ السلام پیر کے دن قبا میں داخل ہوئے تھے اور جمعہ کے روز وہاں سے کوچ فرمایا، اس صورت میں دخول و خروج کا دن نکال دیں تو ۲۴ دن ہی بیٹھتے ہیں اور ۱۴ والی کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہوتی (الابواب والتراجم ص ۲۱۴ ج ۲) حافظ ابن حجر اور حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۴ والی روایت کی تصویب کی ہے شاید اس لئے کہ مسلم میں بھی ۱۴ کی روایت ہے (شرح المواہب ص ۳۵۲ ج ۱)

دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خوارزمی سے دخول قبا کا دن جمعرات کا منقول ہے، لہٰذا دخول و خروج کے دو دن نکال کر ۱۴ یوم قیام کی بات بھی درست ہوگی بلکہ نقل مذکور پر ۲۴ یوم کی صورت مرجوح ہو جاتی ہے اور ممکن ہے کہ حافظ ابن حجر اور شاہ صاحب نے اس سبب سے بھی ۱۴

---

[1] زاد المعاد میں ۱۴ دن لکھے ہیں، پھر معلوم نہیں علامہ ابن قیم کی طرف چار دن کی بات کیوں منسوب ہوگئی، سیرۃ النبی ص ۲۷۵ ج ۱ میں تمام مورخین وار باب سیر کی طرف چار دن کا قول منسوب کیا ہے، بظاہر یہ عمومی دعویٰ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ محقق مورخ ابن جریر طبری نے ذکر کیا کہ حضرت علیؓ حضور علیہ السلام کے بعد تین روز تک مکہ معظمہ میں ٹھیرے، پھر پیدل چل کر قبا پہنچے اور حضور علیہ السلام سے قبا ہی میں مل گئے اور حضرت اسماءؓ بھی آپ کی موجودگی قبا کے دوران مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر قبا پہنچ گئیں، بظاہر حضرت زبیرؓ نے مکہ معظمہ پہنچ کر ان کو مدینہ منورہ کے لئے روانہ کیا ہوگا (جو حضور علیہ السلام سے شام سے واپسی میں ملے تھے) اور کچھ وقت ان کو مکہ معظمہ پہنچنے میں بھی لگا ہوگا پھر یہ سب ۳، ۴ روز میں کیونکر ممکن تھا؟ اور شرح مواہب میں بھی جو سیرت کی اہم ترین کتاب ہے ۱۴ رات کا قیام قبا کا ذکر ہے، پھر اگر کسی تاریخ یا سیرت کی کتاب میں چار کا قول بھی دوسرے اقوال کے ساتھ نقل ہوا ہے تو یہ کہہ دینا کیا مناسب ہے کہ تمام مورخین اور ارباب سیر نے چار دن لکھے ہیں۔

کی تصویب کی ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ حضور علیہ السلام سیدھے مدینہ میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اوپر کے حصے سے قبا کی طرف سے داخل ہوئے تھے اور دخول اعلی المدینۃ (قبا) کی صواب تر تاریخ ۸ ربیع الاول ۱ھ ہے جو ۲۴ جون ۶۲۲ء روز جمعرات کے مطابق ہوتی ہے۔

اس طرح مکمل ۱۴ روز قیام کے بعد جمعہ ۲۳ ربیع الاول ۱ھ، جولائی ۶۲۲ء کو شہر مدینہ منورہ میں داخلہ صحیح ہوتا ہے، دخول قبا والا دن جمعرات اور دخول مدینہ طیبہ کا دن جمعہ حساب میں نہ لگے گا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ذکی الدین مصری ہیئت جدید وقدیم کا ماہر تھا، اس نے فرانسیسی میں کتاب لکھی ہے، جس میں شمسی تاریخوں کو قمری کے مطابق کیا ہے اور حضور علیہ السلام کے زمانہ کے کسوف کو بھی متعین کیا ہے اس کتاب کا عربی ترجمہ "افادۃ الافہام" کے نام سے ہوا ہے اور اچھی کتاب ہے۔

حضرتؒ نے اس ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ میں صرف حرمین میں رہا ہوں، مصر نہیں گیا، فصیح عربی بولنے میں علماء حرمین کو میرے ساتھ تکلف ہوتا تھا، البتہ بغداد کے ایک عالم اور صاحب رسالہ حمید یہ کہ وہ میرے ساتھ ایک ماہ رہے مگر وہ بھی بعض اوقات تکلف سے اور سوچ سوچ کر میری باتوں کا جواب دیتے تھے، احقر عرض کرتا ہے کہ حرمین مصر وغیرہ کے علماء کا حال ہمارے زمانہ قیام حرمین ومصر میں بھی ایسا ہی تھا، کیونکہ وہ لوگ گفتگو میں وارجہ زبان کے عادی ہوگئے ہیں، اس لئے فصیح زبان میں ان کو تکلف ہوتا ہے، تاہم لکھنے کی زبان ان لوگوں کی بہت اعلیٰ ہے، دوسری وجہ حضرتؒ کے ساتھ تکلف کی یہ بھی ہوگی کہ حضرتؒ بحر العلوم تھے، ان کا ساتھ علماء عصر نہ دے سکتے تھے اور حضرت کے آخری جملہ سے بھی یہی بات نکلتی ہے، نیز معلوم ہوا کہ حیات انور ص ۲۲۴ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم کے مضمون میں جو یہ چھپ گیا ہے کہ حضرتؒ مصر گئے تھے، وہ غلط ہے، کاش! وہ مصر، ترکی اور شام وعراق گئے ہوتے اور علامہ کوثری ایسے علماء عصر سے ملتے تو بات ہی کچھ اور ہوتی اور دنیائے علم میں انقلاب عظیم آجاتا۔ واللہ غالب علی امرہ۔

افادۂ علمیہ مہمہ: قولہ وھو یقول اللّٰھم لا خیر الاخیر الآخرۃ پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- اخفش (امام نحو) کی رائے ہے کہ رجز بحور اشعار میں سے نہیں ہے، دوسرے علماء نحو اسی میں سے مانتے ہیں مگر میرے نزدیک اخفش کی رائے دقیق وقوی ہے، رجز اردو کے فقرہ بندی وتک بندی کی طرح ہے اور شعر ورجز کو مقابل سمجھا جاتا تھا، چنانچہ تبابع یمن کے ہاں راجز بھی ہوتے تھے اور شاعر بھی اور تمام شعراء کے بعد راجز سناتا تھا، لہٰذا رجز شعر کے علاوہ ہے پھر جو لوگ رجز کو شعر میں داخل مانتے ہیں وہ بھی اس میں قصد وارادہ کو ضروری سمجھتے کہتے ہیں، تو حضور اکرم ﷺ سے انشاء شعر تو کسی طرح ثابت نہیں ہے یعنی آپ نے خود شاعری نہیں کی، نہ کوئی شعر کبھی کہا کیونکہ آپ کی شان گرامی کے لئے مناسب وموزوں نہ تھا، البتہ دوسروں کے اشعار یا رجز پڑھے ہیں اور اشعار پڑھنے میں بھی جان بوجھ کر وزن توڑ دیتے تھے جن پر حضرت ابو بکر صدیقؓ فرما بھی دیا کرتے تھے کہ حضرت! اس طرح نہیں ہے، اور آپ جواب میں فرما دیتے تھے کہ میں شاعر نہیں ہوں، آپ سے یہ شعر بھی پڑھنا ثابت ہے، جس کے اسناد میں ائمہ نحو ہیں۔

تفاءل بما تھویٰ یکن فلقلما یقال لشیء کان الا تحقق

اصل شعر میں تحققا الف کے ساتھ تھا جس کو آپ نے توڑ دیا۔ العرف الشذی اور فیض الباری میں تحققا چھپا ہے جو غلط[1] ہے کیونکہ سنن

---

[1] "العرف الشذی" حضرت شاہ صاحبؒ کے درس ترمذی دیوبند کی یادگار ہے، جو ایک طالب علم نے قلمبند کی تھی، اس میں سینکڑوں غلطیاں ضبط وکتابت وطباعت کی ہیں اور حضرتؒ اس سے خوش نہ تھے، مجلس علمی ڈابھیل کے زمانہ میں حضرتؒ کی زندگی میں کئی بار امالی درس بخاری شریف کی اشاعت کے لئے بھی تحریک ہوئی مگر حضرتؒ مطمئن نہ ہوئے پھر وفات کے بعد راقم الحروف نے حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی ثم مدنیؒ سے یہ کام کرایا جس کو نصب الرایہ کے ساتھ ہی فیض الباری کے نام سے مصر میں ہم لوگوں نے طبع کرادیا تھا وہاں نصب الرایہ کے مسودات پر نظر ثانی اور تصحیح وپروف کا کام احقر کے سپرد تھا اور فیض الباری کا رفیق محترم

بیہقی ص ۴۴۳ ج ۷ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا حضور علیہ السلام نے کبھی پورا شعر نہیں پڑھا، مگر ایک، اور پھر یہی مذکورہ بالا شعر ذکر کیا، اس کے بعد امام بیہقی نے فرمایا کہ رجز پڑھنے کا ثبوت حضور علیہ السلام سے ضرور ہوا ہے اور پھر سندوں کے ساتھ آپ کے پڑھے ہوئے بہت سے رجزوں کا ذکر کیا، پھر یہ اختلاف ہے کہ قرآن مجید سے شعر میں اقتباس جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً

ایها الناس اتقوا ربکم–زلزلة الساعة شیء عظیم–ومن یتق الله یجعل له–و یرزقه من حیث لا یحتسب

یہاں ایک ایک لفظ کم کر کے شعر بنا دیا ہے، اس طرح شافعیہ کے یہاں جائز ہے، مگر ہمارے یہاں جائز نہیں ہے اور اس سے مجھے تو خوف ہی ہے، اگر بغیر کم کئے ہو جائے تو خیر!

باب الصلوٰة فی مرابض الغنم

(بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا)

(۴۱۴) حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن ابی التیاح عن انس بن مالک قال کان النبی ﷺ یصلی فی مرابض الغنم ثم سمعته بعد یقول کان یصلی فی مرابض الغنم قبل ان یبنی المسجد.

ترجمہ: حضرت ابوالتیاح کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھتے تھے، پھر میں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ نبی کریم ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز مسجد کی تعمیر سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: عرب بکریاں اور اونٹ پالتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، جہاں رات کے وقت انہیں لا کر وہ باندھتے تھے ان میں ایک طرف اپنے اٹھنے بیٹھنے کی بھی جگہ بنا لیا کرتے تھے جس کی صفائی کا بھی التزام رکھتے تھے، چونکہ مساجد کی ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی اور نماز پڑھنے کے لئے اسلام میں کسی خاص جگہ کی قید نہیں تھی، اس لئے آں حضور ﷺ نے بھی اور صحابہؓ نے بھی بکریوں کے ان باڑوں میں نماز ادا فرمائی پھر یہاں کی بھی کوئی تخصیص نہیں تھی، جہاں بھی نماز کا وقت ہو جاتا آپ فوراً ادا کر لیتے، جب مسجد کی تعمیر ہوگئی تو اب عام حالات میں نماز مسجد ہی میں پڑھنا بہتر قرار پایا۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری سے متعلق تھا، موصوف نے مولانا موصوف کے علم و فضل اور تالیفی محاسن کے اعتراف کے ساتھ ہی اس کی فروگذاشتوں کا بھی مقدمہ میں ذکر کر دیا تھا تا کہ العرف الشذی کی طرح حضرتؒ ماخوذ نہ ہوں، اور جتنی اصلاحات وہ کر سکے وہ کر بھی دی تھیں، لیکن افسوس ہے کہ جو لوگ مقدمہ نہیں پڑھتے وہ اب بھی غلطیوں کو حضرتؒ کی ہی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور حال ہی میں ایک مضمون بطور تبصرہ حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات و علمی کارناموں سے متعلق "اسلام اور عصر جدید" جامعہ نگر نئی دلی، (جولائی ۱۹۷۶ء) میں مولانا قاضی زین العابدین سجاد صاحب میرٹھی کا شائع ہوا ہے، اس میں ص ۱۰۹ پر آپ نے لکھا:- کہ "آپ کے امالی میں فیض الباری جسے آپ کے ممتاز شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی نے آپ کی زندگی ہی میں آپ کی نظر ثانی کے بعد مرتب کیا ہے علماء و فضلا کا مرجع ہے"۔ دوسری جگہ ص ۱۱۲ پر لکھا:- "فیض الباری حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر سے گذر چکی ہے اس سے زیادہ مستند مجموعہ آپ کے امالی کا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا"۔

احقر (سابق مدیر مجلس علمی ڈابھیل) نے یہ تبصرہ حیرت سے پڑھا اور محترم قاضی صاحب کو لکھا کہ ان کی یہ دونوں باتیں بے سند اور خلاف واقعہ ہیں، نہ فیض الباری حضرتؒ کی زندگی میں مرتب ہوئی تھی اور نہ حضرتؒ کی نظر ثانی سے مشرف ہو سکی، اگر ایسا ہوتا یا حضرتؒ اپنے قلم سے بخاری و ترمذی پر کچھ لکھ جاتے تو حضرتؒ کے علوم سے استفادہ کرنے والوں کی انتہائی خوش نصیبی ہوتی، مگر قاضی صاحب موصوف نے کوئی جواب نہیں دیا، نہ اس بے سند بات کی تردید شائع کی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوں گے اور اس کے تسامحات و فروگذاشتوں کو بھی جو ضبط الفاظ و فہم معانی کی کمی یا حوالوں کی عدم مراجعت کی وجہ سے ہوگئی ہیں حضرتؒ کی طرف منسوب کریں گے، حالانکہ اسی سے بچانے کیلئے مولانا بنوری نے مقدمہ لکھا تھا۔

انوار الباری میں اب تک فیض الباری کے بیشتر تسامحات اور فروگذاشتوں کی اصلاح اور حوالوں کی تصحیح ہو چکی ہے، جو صاحب دونوں کو سامنے رکھ کر مقابلہ کریں گے، وہ اس کو محسوس کر لیں گے، احقر کے نزدیک اس وقت حضرتؒ کے امالی درس کے مجموعات میں سے اولویت کا شرف مولانا بنوری کی معارف السنن کو ہے، پھر انوار المحمود کو کہ اس کا کچھ حصہ حضرتؒ کے مطالعہ میں بھی آ گیا تھا اور مؤلف نے محنت بھی کافی کی تھی، ان کے بعد العرف الشذی وغیرہ ہیں، پھر بھی یہ بات حقیقت کا اظہار ہے کہ حضرتؒ کی جامعیت علوم و فنون، پورے علوم سلف و خلف کے بے نظیر وسعت مطالعہ اور آپ کی اعلیٰ تحقیق و توفیق کا ادنیٰ ترین عکس بھی کسی امالی میں نہیں آ سکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب الصلوٰة فی مواضع الابل

(اونٹوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھنا)

(۴۱۵) حدثنا صدقة بن الفضل قال حدثنا سليمان بن حيان قال حدثنا عبيد الله عن نافع قال رايت ابن عمر يصلي الیٰ بعيره وقال رايت النبی ﷺ يفعله.

ترجمہ: حضرت نافع نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اپنے اونٹ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے دیکھا اور حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح پڑھتے دیکھا تھا۔

تشریح: اس باب وحدیث سے امام بخاری کو یہ بتلانا ہے کہ اونٹوں کے طویلہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت جن احادیث میں موجود ہے وہ دوسری وجوہ سے ہے کہ بعض اونٹ شریر ہوتے ہیں، بدک جائیں تو نماز اطمینان سے پڑھنی مشکل ہو وغیرہ، ورنہ وہ اگر سدھائے ہوئے ہوں اور سواری کے ہوں جو اکثر بہت ہی زیادہ شریف مزاج ہوتے ہیں تو ان کے پاس نماز میں کوئی حرج نہیں ہے اور حدیث الباب سے یہی بات ثابت کی ہے کہ اونٹ کو سترہ بنا کر نماز پڑھی گئی ہے، اگر ان کے قرب میں فی نفسہ کوئی خرابی نماز میں آسکتی تو حضور علیہ السلام خود کیوں نماز پڑھتے، لیکن امام احمدؒ نے یہاں فقہی وقت نظر سے کام نہ لے کر ظاہری ممانعت حدیث کی وجہ سے اونٹوں کے طویلہ میں نماز کو نادرست قرار دیا ہے اور اسی کا رد امام بخاریؒ نے کیا ہے، حافظ نے یہاں لکھا کہ ممانعت والی احادیث امام بخاری کی شرط پر نہ ہوں گی، اس لئے ان کو ذکر بھی نہیں کیا، مگر میں کہتا ہوں کہ امام بخاری دوسروں کے مسلک والی احادیث روایت کرنے کا التزام ہی کب کرتے ہیں تاویل مذکور کی جائے۔ واللہ اعلم۔

باب من صلى وقدامه تنور او نار او شیء مما يعبد فاراد به وجه الله عز وجل وقال الزهری اخبرنی انس بن مالک قال قال النبی ﷺ عرضت علی النار انا اصلی

(جس نے نماز پڑھی اور اس کے سامنے تنور، آگ یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی عبادت کفار ومشرکین کے یہاں کی جاتی ہے اور نماز پڑھنے والے کا مقصد اس وقت صرف خدا کی عبادت ہو، زہری نے کہا کہ مجھے انس بن مالک نے خبر پہنچائی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے آگ (دوزخ کی) لائی گئی اور اس وقت میں نماز پڑھ رہا تھا)

(۴۱۶) حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن عبدالله بن عباسؓ قال انخسفت الشمس فصلی رسول الله ﷺ ثم قال اريت النار فلم ار منظرا کاليوم قط افظع.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سورج گہن ہوا تو نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی اور فرمایا کہ مجھے دوزخ دکھائی گئی اور آج کے منظر سے بھیانک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ہمارے فقہاء حنفیہ اس حالت میں نماز کو مکروہ کہتے ہیں کہ جلتی ہوئی آگ یا انگارے سامنے موجود ہوں کیونکہ مجوسی ان کو پوجتے ہیں لیکن اگر چراغ وغیرہ سامنے ہو تو حرج نہیں کیونکہ مجوسی ان کو نہیں پوجتے اور ممکن ہے امام بخاری نے حنفیہ کی طرف تعریض کی ہو، لیکن ان کا استدلال "عرضت علی النار" سے نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ عالم غیب کی چیز تھی جو بحث سے خارج ہے، البتہ امام بخاری کی طرف سے یہ عذر کیا جاسکتا ہے کہ وہ چونکہ مسائل کا فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرنا چاہتے ہیں اور احادیث کے اندر وہ متشدد ہیں تو لامحالہ اس قسم کی مناسبات بعیدہ سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں، پھر یہ کہ احادیث میں مسائل فقہیہ صراحۃً کہاں مل سکتے ہیں؟

حافظ نے لکھا کہ ابن سیرین کی طرف اشارہ ہوگا، جو تنور کی طرف نماز کو مکروہ کہتے ہیں، علامہ قسطلانی نے کہا کہ حنفیہ نے تشبہ بالعبادۃ کی

وجہ سے مکروہ کہا ہے، شرح کبیر میں ہے کہ آگ کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے، امام احمد نے بھی قبلہ کی جانب تنور ہو تو اس کی طرف نماز سے روکا ہے بلکہ چراغ و قندیل بھی سامنے ہو تو نماز ان کے نزدیک مکروہ ہے (حاشیہ لامع ۱۶۶ ج ا و الا بواب والتراجم شیخ الحدیث ۲۱۵) گویا امام بخاری نے اس باب سے حنفیہ امام احمد وغیرہ سب پر تعریض کی ہے، جبکہ استدلال کمزور ہے اور کوئی صریح حدیث بھی ان کے خلاف نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

باب كراهية الصلوٰة في المقابر

(مقبروں میں نماز پڑھنے کی کراہت)

(۴۱۷) حدثنا مسدد قال حدثنا يحيیٰ عن عبيد الله بن عمر قال اخبرني نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال اجعلوا في بيوتكم من صلوٰتكم ولا تتخذوها قبورا.

ترجمہ: حضرت نافع نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو اور انہیں بالکل قبریں نہ بنالو۔

تشریح: امام بخاریؒ ترجمۃ الباب کے مطابق کوئی حدیث نہیں لائے، حافظ نے لکھا کہ امام بخاری نے گویا حدیث ترمذی و ابوداؤد کی طرف اشارہ کیا، جو ان کی شرط پر نہ ہوگی کہ ساری زمین نماز کی جگہ ہے سوا مقبرہ و حمام کے اور حدیث الباب کے جملہ "ولا تتخذوها قبورا" سے یہ استنباط کیا کہ قبریں محل عبادت نہیں ہیں، لہٰذا ان کے درمیان نماز مکروہ ہوگی۔

پہلے ذکر ہوا کہ امام احمد و اہل ظاہر مقبرہ میں نماز کو حرام قرار دیتے ہیں، امام مالک بلا کراہت جائز اور حنفیہ کراہت کے ساتھ بلا سترہ کے اور سترہ ہو تو سامنے قبر میں بھی کراہت نہیں اور جانب قبلہ کے علاوہ قبور ہو تب بھی کراہت نہیں، پس اس باب سے بڑا رد تو امام مالک کا ہوتا ہے اور دلائل مذاہب کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔

افادہ انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- حدیث الباب کی شرح مختلف طور سے کی گئی ہے، ایک یہ کہ اپنی میتوں کو گھروں میں دفن نہ کرو مگر وہ یہاں مناسب نہیں کہ بیان نماز کا ہے، دفن کا نہیں ہے، دوسرے یہ کہ گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو، گھروں کو مقابر کی طرح مت کرو کہ ان میں بغیر سترہ کے نماز نہیں پڑھ سکتے، ان جیسا گھروں کو مت بنا دو۔

تیسرے یہ کہ گھروں کو قبور کی طرح معطل نہ کرو، کہ جیسے اہل قبور قبروں میں نماز نہیں پڑھتے تم بھی گھروں میں نہ پڑھو اس صورت میں ترجمۃ الباب سے مناسبت نہ رہے گی کیونکہ اس شرح میں مقبرہ میں جواز عدم جواز نماز کی بات نہ نکلے گی جبکہ امام بخاری نے فقہی کراہت کا ترجمہ و عنوان قائم کیا ہے، اگرچہ میرے نزدیک یہ شرح سب سے زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، دوسرے یہ شرح میری خاص تحقیق کے بھی خلاف ہے کیونکہ میرے نزدیک قبور میں تعطل نہیں ہے، بلکہ ان میں قراءۃ قرآن مجید، نماز، اذان وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا حج بھی ثابت ہے، شرح الصدر امام سیوطیؒ میں بھی تفصیل ہے اور اہل کشف بھی ان کے قائل ہیں، جو ہم سے زیادہ ان امور سے واقف ہوتے ہیں، لہٰذا ہم بھی ان کا انکار نہیں کر سکتے الا یہ کہ شرع میں ان کی صراحت سے انکار وارد ہوتا۔ حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ اگرچہ قبور کے اندر اصل تو تعطل ہی ہے اور مذکورہ بالا واقعات بطور مستثنیات کے ہیں، گو مستثنیات کی بھی کمی نہیں ہے، تاہم عام طور سے بھی چونکہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہاں تعطل ہے، اس لئے حدیث کا ظاہر درست ہی رہے گا۔

پھر فرمایا:- اگرچہ عالم دو ہیں (۱) عالم شہادۃ اور (۲) عالم غیب مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ (۳) شریعت عام لوگوں کے علم و احساس کو بھی واقعہ و نفس الامر کی طرح قرار دے دیتی ہے، جیسے آیت والشمس تجري لمستقر لها میں بظاہر عام ادراک و احساس کی رعایت کی

گئی ہے، پھر ہوسکتا ہے کہ نفس الامر واقعہ بھی ایسا ہی ہو یا فلک کا جریان مع اپنی جگہ ثبوت شمس کے ہو یا جیسے حدیث میں نیند کو اخ الموت کہا گیا، حالانکہ نیند میں آدمی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے یا اموات خدا کی مشیت کے ساتھ ہماری باتیں سنتے بھی ہیں (اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو بالاتفاق سنتے ہیں، ان کے بارے میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں)

باب الصلوٰة في مواضع الخسف والعذاب ويذكر ان عليا رضی اللہ عنہ كره الصلوٰة بخسف بابل

(عذاب کی وجہ سے دھنسی ہوئی جگہوں میں اور عذاب کے مقامات میں نماز کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بابل کی دھنسی ہوئی جگہ میں (عذاب کی وجہ سے) نماز کو ناپسند فرمایا)

(۴۱۸) حدثنا اسمٰعيل بن عبد الله قال حدثني مالك عن عبدالله بن دينار عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال لا تدخلو على هٰؤلاء المعذبين الا ان تكونو باكين فان لم تكونو اباكين فلا تدخلو عليهم لا يصيبكم ما اصابهم.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ان معذب قوموں کے آثار سے اگر تمہارا گذر ہو تو روتے ہوئے گذرو، اگر تم اس موقع پر رونہ سکو تو ان سے گذرو ہی نہ، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائے جس نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

تشریح: ان مقامات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگر چہ حدیث میں جو اس عنوان کے تحت دی گئی ہے نماز سے متعلق کوئی تصریح موجود نہیں ہے، لیکن اس میں اس بات کو بتلایا گیا ہے کہ ایک مومن کے دل میں ان مقامات سے گذرتے ہوئے کس طرح کا تاثر ہونا چاہئے، اس سے پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے کہ ایک سفر میں جب رات کے آخری حصہ میں آں حضور ﷺ نے صحابہ کے ساتھ پڑاؤ ڈالا تو فجر کی نماز کا وقت گذر گیا اور آپ بیدار نہ ہوئے سورج نکلنے کے بعد جب آنکھ کھلی تو فوراً صحابہ سے فرمایا کہ یہاں سے نکل چلو کیونکہ یہاں شیطان کا اثر ہے اور تھوڑی دور جا کر آپ نے نماز ادا فرمائی اس لئے جن مقامات پر خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے وہاں بھی شیطانی اثرات ضرور ہوں گے۔

باب الصلوٰة في البيعة وقال عمر رضی اللہ عنہ انا لا ندخل كنا ئسكم من اجل التماثيل التي فيها الصور و كان ابن عباس يصلي في البيعة الا بيعة فيها التماثيل

(کلیسا میں نماز، حضرت عمر کلیسا میں نماز پڑھتے تھے، لیکن جن میں مجسمے رکھے ہوتے ان میں نہیں پڑھتے تھے)

(۴۱۹) حدثنا محمد بن سلام قال اخبرنا عبدة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ان ام سلمة ذكرت لرسول الله ﷺ كنيسة راتها بارض الحبشة يقال لها مارية فذكرت له ما رات فيها من الصور فقال رسول الله ﷺ اولٰئك قوم اذا مات فيهم العبد الصالح او الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا و صورو فيه تلك الصور اولٰئك شرار الخلق عند الله.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک کلیسا کا ذکر کیا ہے جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اسے ماریہ کہتے تھے، انہوں نے ان مجسموں کا بھی ذکر کیا جنہیں اس میں دیکھا تھا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ تھے کہ اگر ان میں کوئی نیک بندہ (یا یہ فرمایا کہ) نیک شخص مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں اسی طرح کے مجسمے رکھتے یہ لوگ خدا کی بدترین مخلوق ہیں۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ کنیسہ میں نماز بلا کراہت جائز ہے، بشرطیکہ وہاں تصاویر و تماثیل نہ ہوں۔ (لامع ص ۱۷۰ ج ۱)

باب: (۴۲۰) حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی عبید الله بن عتبة ان عائشة و عبدالله بن عباس قالا لما نزل برسول الله ﷺ طفق یطرح خمیصة له علیٰ وجهه فاذا اغتم به کشفها عن وجهه فقال وهو کذلک لعنة الله علی الیهود و النصاری اتخذوا قبورا انبیآئهم مساجد یحذر ما صنعوا.

(۴۲۱) حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن ابن شهاب عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال قاتل الله الیهود واتخذوا قبور انبیاء هم مساجد.

ترجمہ ۴۲۰: حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ مرض الوفات میں اپنی چادر کو بار بار چہرے پر ڈالتے تھے جب گھبراہٹ ہوتی یا دم گھٹتا تو چادر ہٹا دیتے آپ نے اس اضطراب و پریشانی کی حالت میں فرمایا خدا کی یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں یہود و نصاریٰ کی بدعات سے آپ لوگوں کو ڈرا رہے تھے۔

ترجمہ ۴۲۱: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودیوں پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالی ہیں۔

تشریح: آپ نے اپنے مرض الوفات میں خاص طور سے یہود و نصاریٰ کی اس بدعت کا ذکر کیا اور ان پر لعنت بھیجی کیونکہ آپ بھی نبی تھے اور سابق میں انبیاء و صالحین کے ساتھ ایک معاملہ گزر چکا تھا، اس لئے آپ چاہتے تھے کہ اپنی امت کو اس بات پر خاص طور سے متنبہ کر دیں۔

باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً

(نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ مجھے روئے زمین کے ہر حصہ پر نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے)

(۴۲۲) حدثنا محمد بن سنان قال حدثنا هشیم قال حدثنا سیار هو ابو الحکم قال حدثنا یزید الفقیر قال حدثنا جابر بن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ اعطیت خمساً .... لم یعطهن احد من الانبیاء قبلی نصرت بالرعب مسیرة شهر و جعلت لی الارض مسجد و طهورا و ایما رجل من امتی ادرکته الصلوٰة فلیصل واحلت لی الغنائم و کان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس کافة و اعطیت الشفاعة.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء کو نہیں دی گئی تھیں، میرا رعب ایک مہینہ کی مسافت تک دشمنوں پر پڑتا ہے اور میرے لئے تمام زمین میں نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے، اس لئے میری امت کے جس فرد کی نماز کا وقت (جہاں بھی) آجائے اسے وہیں نماز پڑھ لینی چاہئے اور میرے لئے غنیمت حلال کی گئی ہے، پہلے انبیاء اپنی خاص قوموں کی ہدایت کے لئے بھیجے جاتے تھے لیکن مجھے دنیا کے تمام انسانوں کی (قیامت تک) ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

تشریح: حافظ نے لکھا کہ شاید امام بخاری اس باب اور حدیث سے اس امر کی طرف اشارہ کر گئے کہ سابقہ ابواب میں کراہت تحریم کے لئے نہ تھی کیونکہ تمام زمین کو مسجد فرما دیا گیا۔ (فتح الباری ص ۳۵۹ ج ۱)

باب نوم المراة فی المسجد

(عورت کا مسجد میں سونا)

(۴۲۳) حدثنا عبید بن اسمٰعیل قال حدثنا ابو اسامة عن ہشام عن ابیہ عن عائشة ان ولیدة کانت سوداء لحی من العرب فاعتقوھا فکانت معھم قالت فخرجت صبیة لھم علیھا وشاح احمر من سیور قالت فوضعتہ او وقع منھا فمرت بہ حدیاة وھو ملقی فحسبتہ لحما فخطفتہ قالت فالتمسوہ فلم یجدوہ قالت فاتھمونی بہ قالت فطفقوا یفتشونی حتیٰ فتشو قبلھا قالت واللہ انی لقائمة معھم اذ مرت الحدیاة فالقتہ قالت فوقع بینھم قالت فقلت ھذا الذی اتھمتمونی بہ زعمتم وانا منہ بریئة وھو ذا ھو قالت وجاء ت الی رسول اللہ ﷺ فاسلمت قالت عائشة فکانت لھا خبا فی المسجد او حفش قالت فکانت تاتینی فتحدث عندی قالت فلا تجلس عندی مجلسا الا قالت. ویوم الوشاح من تعاجیب ربنا الا انہ من بلدة الکفر انجانی. قالت عائشة فقلت لھا ماشانک لا تقعدین معی مقعدا الا قلت ھذا قالت فحدثتنی بھٰذا الحدیث.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ عرب کے کسی قبیلہ کی کسی کالے یا سانولے رنگ کی باندی تھی، انہوں نے اسے آزاد کردیا اور وہ ان ہی کے ساتھ رہتی تھی، اس نے بیان کیا کہ ان کی ایک لڑکی کہیں باہر گئی وہ تسمے کا سرخ جڑاؤ پہنے ہوئے تھی اس باندی نے بتایا کہ یا تو لڑکی نے اسے خود کہیں چھوڑ دیا تھا یا اس سے گر گیا تھا پھر اس طرف سے ایک چیل گزری وہ سرخ جڑاؤ پڑا ہوا تھا، چیل اسے گوشت سمجھ کر جھپٹ لے گئے بعد میں قبیلہ والوں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن ملتا کہاں سے ان لوگوں نے اس کی تہمت مجھ پر لگادی اور میری تلاشی لینی شروع کردی، انہوں نے اس کی شرم گاہ تک کی تلاشی لی اس نے بیان کیا کہ واللہ میں ان کے ساتھ اسی حالت میں کھڑی تھی کہ وہی چیل آئی اور اس نے ان کا زیور گرادیا وہ ان کے سامنے ہی گرا، میں نے (اسے دیکھ کر) کہا یہی تو تھا جس کی تم مجھ پر تہمت لگاتے تھے، تم لوگوں نے مجھ پر اس کا الزام لگایا تھا حالانکہ میں اس سے بری تھی، یہی تو وہ زیور ہے، اس نے کہا کہ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام لائی حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ اس کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگادیا گیا (یا یہ کہا کہ) چھوٹا سا خیمہ لگادیا گیا، حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ وہ باندی میرے پاس آتی تھی اور مجھ سے باتیں کرتی تھی، جب بھی وہ میرے پاس آتی تو یہ ضرور کہتی، جڑاؤ کا دن ہمارے رب کی عجیب نشانیوں میں سے ایک ہے، اسی نے مجھے کفر کے شہر سے نجات دی، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا، آخر بات کیا ہے، جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو یہ بات ضرور کہتی ہو، آپ نے بیان کیا کہ پھر اس نے مجھے یہ واقعہ سنایا۔

تشریح: یہ ایک خاص واقعہ ہے اور زیادہ سے زیادہ رخصت کے درجہ میں، اس سے کوئی مسئلہ اخذ کیا جاسکتا ہے کیونکہ سوتے وقت مسجد کا جو واقعی احترام ہے وہ قائم نہیں رکھا جاسکتا حضرت عمرؓ کے عہد میں دو اجنبی بلند آواز سے گفتگو کررہے تھے، آپ نے جب سنا تو انہیں بلاکر فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے باشندے ہوتے تو میں تمہیں اس کی سزا دیئے بغیر نہ رہتا نبی کریم ﷺ کی مسجد میں اس طرح بلند آواز سے گفتگو کرتے ہو! جب مسجد کی حرمت وعزت اس درجہ ملحوظ ہے تو عام حالات میں سونے کی اجازت کس طرح دی جاسکتی ہے اور وہ بھی عورتوں کے لئے؟ حنفیہ کے یہاں مسافروں کا اس سے استثناء ہے ورنہ مردوں کے لئے بھی مسجد میں سونا عام حالات میں ان کے نزدیک مکروہ ہے غالباً اس نومسلم لونڈی کا خیمہ مسجد نبوی کے شمالی حصہ میں لگوایا گیا ہوگا، جو تحویل قبلہ کے بعد سے فقہی لحاظ سے داخل مسجد بھی نہ رہا تھا اور اس کا ایک حصہ اصحاب

صفہ کے لئے بھی تھا تو ایسے واقعات کو احکام مسجد ثابت کرنے کے لئے لانا ہی کیا ضروری تھا، دوسرے بقول حضرت شاہ صاحبؒ امام بخاری نے ایسے خاص و وقتی واقعات بجائے رخصت کے درجہ میں رکھنے کے عزیمت کے درجہ میں پہنچا دیا، اور یہ فقہ البخاری ہے کہ جن امور کا احتمال اور نظر انداز کرنا مناسب تھا ان کو وسعت دے کر عمل کے لئے پیش کر رہے ہیں جس کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ کم فہم لوگ ان امور کو بھی سنت سمجھ کر عمل کرنے لگیں گے، مثلاً امام بخاری ایک باب لائیں گے ص ۶۶ پر ادخال البعیر فی المسجد اور ص ۶۷ پر لائیں گے باب رفع الصوت فی المسجد تو بعض مسجد تو بعض لوگوں نے سنت سمجھ کر مسجد حرام میں بیت اللہ کا طواف اونٹ پر کیا تھا اور کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں گھوڑے بھی باندھے گئے اور ہاون دستہ بھی کوٹا اور کھڑ کھڑایا گیا تھا اور ہمارے سلفی بھائی بھی کہا کرتے ہیں کہ یہاں کیا رکھا ہے (یعنی مسجد نبوی یا مزار اقدس میں) اور مواجہ مقدسہ میں بیٹھنے کو برا سمجھتے ہیں اور اپنے زعم میں ان امور کو خالص توحید کے عقیدہ سے منافی سمجھتے ہیں، کیونکہ ایک واقعہ جزئیہ امام بخاری نے رفع الصوت فی المسجد کے جواز کا پیش کر دیا تھا اگر چہ دوسرا واقعہ حضرت عمرؓ کی ممانعت کا بھی روایت کر دیا ہے یہ سب افراط و تفریط ہے۔ واللہ اعلم۔

باب نوم الرجال فی المسجد وقال ابو قلابة عن انس بن مالک قدم رهط من عکل علی النبی ﷺ و کانو فی الصفة وقال عبدالرحمن بن ابی بکر کان اصحاب الصفة الفقرآء

(مسجد میں مردوں کا سونا) اور ابو قلابہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ عکل کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور صفہ میں ٹھہرے، عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے فرمایا کہ صفہ میں رہنے والے اصحاب فقراء تھے)

(۴۲۴) حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن عبید الله قال حدثنی نافع قال اخبرنی عبد الله بن عمر انه کان ینام وهو شآب اعزب لا اهل له فی مسجد النبی ﷺ.

(۴۲۵) حدثنا قتیبة بن سعید قال حدثنا عبدالعزیز بن ابی حازم عن ابی حازم عن سهل بن سعد قال جآء رسول الله ﷺ بیت فاطمة فلم یجد علیا فی البیت فقال این ابن عمک کان بینی و بینه شیء فغاضبنی نخرج فلم یقل عندی فقال رسول الله ﷺ لانسان انظر این هو فجاء فقال یا رسول الله هو فی المسجد را قد فجاء رسول الله ﷺ وهو مضطجع قد سقط ردآه عن شقه و اصابه تراب فجعل رسول الله ﷺ یمسحه عنه و یقول قم ابا تراب قم ابا تراب.

ترجمہ: حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ وہ اپنی جوانی کے زمانے میں جب بیوی بچے نہیں تھے نبی کریم ﷺ کی مسجد میں سوتے تھے۔

تشریح: صفہ مسجد نبوی میں ایک طرف سایہ دار جگہ تھی جہاں فقراء و مساکین رہا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے اپنی جوانی کا جو واقعہ بیان کیا ہے اسے مسجد میں سونے کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ حضرت ابن عمر اس دور میں مدینہ میں بے وطن تھے نہ گھر تھا نہ بار اس لئے آپ مسجد میں سوتے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے خود فرمایا کہ میں نے چاہا کہ ایک جھونپڑی ڈال لوں مگر افسوس کے مخلوق خدا میں سے کسی نے میری مدد نہ کی، لہٰذا وہ تو مسافر سے بھی زیادہ مسجد میں اقامت کے مستحق تھے اور مسافر کے لئے اجازت ہے۔

ترجمہ: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن ابی حازم نے بیان کیا حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ حضرت علیؓ گھر میں موجود نہیں ہیں اس لئے آپ نے حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے چچا کے لڑکے کہاں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ناگواری پیش آگئی اور وہ مجھ پر خفا ہو کر کہیں

باہر چلے گئے ہیں اور میرے یہاں قیلولہ بھی نہیں کیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے کہا کہ علیؓ کو تلاش کریں کہ وہ کہاں ہیں وہ آئے اور بتایا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے، حضرت علیؓ لیٹے ہوئے تھے، چادر آپ کے پہلو سے گرگئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ جسم سے دھول جھاڑتے جاتے تھے اور فرمارہے تھے، اٹھوابوتراب اٹھو۔

تشریح: چونکہ آپ کے بدن پر مٹی زیادہ لگ گئی تھی اسی مناسبت سے آپ نے ابوتراب فرمایا، تراب کے معنی مٹی کے ہیں، حضرت علیؓ کو اگر بعد میں کوئی اس کنیت کے ساتھ خطاب کرتا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے، نبی کریم ﷺ چاہتے تھے کہ جونا گواری پیش آگئی ہے وہ دور ہوجائے اس واقعہ سے اسلام میں رشتۂ مصاہرت میں مدارات کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، یہاں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ رات کے وقت سونے اور دن کے وقت قیلولہ کے لئے لیٹ جانے میں بڑا فرق ہے اس لئے قیلولہ سے رات کے سونے کا مسئلہ حل نہ ہوگا۔

(۴۲۶) حدثنا یوسف بن عیسٰی قال حدثنا ابن فضیل عن ابیه عن ابی حازم عن ابی هریرة قال لقد رایت سبعین من اصحاب الصفة ما منهم رجل علیه رداء اما ازار و اما کساء قد ربطوا فی اعناقهم فمنها ما یبلغ نصف الساقین و منها ما یبلغ الکعبین فیجمعه بیده کراهیة ان تریٰ عورته.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے ستر۷۰ اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جس کے پاس چادر (رداء) ہو یا تہبند ہوتا تھا یا رات کو اوڑھنے کا کپڑا جنہیں یہ اصحاب اپنی گردنوں سے باندھ لیتے تھے یہ کپڑے کسی کی آدھی پنڈلی تک آتے اور کسی کے ٹخنوں تک، یہ حضرات ان کپڑوں کو اس خیال سے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے اپنے ہاتھوں سے تھامے رہتے تھے۔

تشریح: رداءایسی چادر کو کہتے تھے جسے تہبند کے اوپر کرتا پہننے کے بجائے اوڑھتے تھے، اس حدیث سے اصحاب صفہ کی غربت وفلاکت کا پتہ چلتا ہے۔

باب الصلوٰة اذا قدم من سفر و قال کعب بن مالک کان النبی ﷺ اذا قدم من سفر بداء بالمسجد فصلی فیه

(سفر سے واپسی پر نماز، کعب بن مالک نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور نماز پڑھتے)

(۴۲۷) حدثنا خلاد بن یحییٰ قال حدثنا مسعر قال حدثنا محارب بن دثار عن جابر بن عبدالله قال اتیت النبی ﷺ وهو فی المسجد قال مسعر أراه قال ضحی فقال صل رکعتین و کان لی علیه دین فقضانی و زادنی.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، مسعر نے کہا میرا خیال ہے کہ محارب نے چاشت کا وقت بتایا تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ (پہلے) دورکعت نماز پڑھ لو، میرا آں حضور ﷺ پر کچھ قرض تھا جسے آپ نے ادا کیا اور مزید بخشش کی۔

تشریح: حضرت جابرؓ سفر سے آئے تھے، مسجد نبوی میں پہنچے تو حضرت نے ان کو دورکعت سنت مراجعت سفر کے لئے ارشاد فرمایا اس حدیث جابرؓ کو امام بخاری بیس جگہ لائے ہیں اور مسائل اخذ کئے ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۶۱ ج ۱)

باب اذا دخل احدکم المسجد فلیر کع رکعتین قبل ان یجلس

(جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے)

(۴۲۸) حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن عامر بن عبداللہ بن الزبیر عن عمرو بن سلیم الزرقی عن ابی قتادہ السلمی ان رسول اللہ ﷺ قال اذا دخل احدکم المسجد فلیر کع رکعتین قبل ان یجلس.

ترجمہ ۴۲۸: حضرت ابوقتادہ سلمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

تشریح: یہاں تحیۃ المسجد کا بیان ہوا ہے اور یہ نفل حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے پڑھی جائیں اور فقہاء نے لکھا کہ اگر بیٹھنے سے پہلے سنتوں یا فرضوں میں مشغول ہو جائے تو ان کے ضمن میں نماز تحیۃ المسجد کا ثواب مل جاتا ہے، مگر جاہل لوگ اس کے خلاف مسجد میں داخل ہو کر پہلے بیٹھ جاتے ہیں، پھر نفل یا سنت وغیرہ پڑھتے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ اس نماز کو اہل ظاہر نے واجب کہا ہے اور بعض اہل ظاہر تہجد، چاشت وسنت فجر کو بھی واجب کہتے ہیں گویا اتنے فرض و واجب کا اضافہ ہو گیا پانچ نمازوں پر، مگر حنفیہ نے اگر وتروں کو واجب کہہ دیا تو سارے سلفی وغیر سلفی طعن کرنے لگے کہ ایک نماز زیادہ کر دی ہے۔ واللہ المستعان۔

باب الحدث فی المسجد

(مسجد میں ریاح خارج کرنا)

(۴۲۹) حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال ان الملٰئکۃ تصلی علیٰ احدکم ما دام فی مصلاہ الذی صلے فیہ مالم یحدث تقول اللھم اغفرلہ اللھم ارحمہ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم اپنے مصلے پر جہاں تم نے نماز پڑھی تھی رہو اور ریاح خارج نہ کرو تو ملائکہ تمہارے لئے برابر رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، کہتے ہیں اے اللہ اس کی مغفرت کیجئے اے اللہ اس پر رحم کیجئے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ مسجد میں اخراج ریاح مکروہ تحریمی ہے، دوسرا قول مکروہ تنزیہی کا ہے تاہم میرے نزدیک معتکف اس حکم سے مستثنیٰ ہے، واللہ اعلم، حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ غالباً اخراج ریاح کی صورت میں اس پر بددعا کرتے ہوں گے کیونکہ بدبو سے ان کو تکلیف ہوتی ہے، لیکن یہ ضرر معنوی ہے جس طرح نوم جب بلا وضو یا تیمم کے یا وضو بلا تسمیہ، یا طعام بلا تسمیہ (کہ شیطان کھانے میں شریک ہو جاتا ہے) یا جماع بلا تسمیہ وغیرہ مگر چونکہ ان سب کے لئے امر شرعی وارد نہیں ہوا اور نہ ترک پر وعید آئی، اس لئے ان سب جگہ صرف کراہت تنزیہی اور استحباب کا درجہ ہوگا، اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص تحقیق اور زیادہ تفصیل انوار الباری ص ۱۲۰ ج ۴ (باب التسمیۃ علی کل حال) میں آچکی ہے۔

افادہ: حافظؒ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے اس باب سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو بے وضو آدمی کے لئے جنبی کی طرح دخول مسجد کو ممنوع کہتے ہیں، اس پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے ایراد کیا کہ یہ غرض ہوتی تو امام بخاری باب الحدث فی المسجد کا عنوان قائم کرتے اور ممکن ہے جواز حدث فی المسجد کا اثبات مقصود ہو کیونکہ وہ حدیث سے ثابت ہے، یا کراہت بتلانی ہو کیونکہ اس کی وجہ سے وہ شخص فرشتوں کی دعاء سے محروم ہو جاتا ہے۔

علامہ نووی نے شرح المذہب میں حدث کو غیر ممنوع کہا، سروجی نے کہا کہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے، علامہ دردیر نے اس کو مسجد کے احترام کے خلاف اور ممنوع قرار دیا ابن عابدین نے بھی منع کیا، سلف میں بھی اختلاف رہا ہے، بعض نے کہا کوئی حرج نہیں، بعض نے کہا کہ ضرورت کے وقت جائز ہے ورنہ نہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے (الابواب ص۲۱۸ ج۲)

باب بنیان المسجد وقال ابو سعید کان سقف المسجد من جرید النخل و امر عمر بنآء المسجد و قال اکن الناس من المطرو ایاک ان تحمر او تصفر فتفتن الناس وقال انس یتباھون بھا ثم لا یعمرونھا الا قلیلا و قال ابن عباس لتزخر فنھا کما زخرفت الیھود والنصاریٰ

(مسجد کی عمارت، حضرت ابوسعید نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں سے ہموار کی گئی تھی، حضرت عمرؓ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تو فرمایا کہ میں تمہیں بارش سے بچانا چاہتا ہوں، مسجدوں پر سرخ وزرد رنگ کروانے سے بچو کہ اس سے لوگ غافل ہو جائیں گے، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (اس طرح پختہ بنوانے سے) لوگ مساجد پر فخر ومباہات کرنے لگیں گے اور اس کو آباد کرنے کے لئے بہت کم لوگ رہ جائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم بھی مساجد کی اسی طرح زیبائش کرو گے جس طرح یہود ونصاریٰ نے کی)

(۴۳۰) حدثنا علی بن عبداللہ قال حدثنا یعقوب بن ابراھیم بن سعید قال ثناء ابی عن صالح بن کیسان ثنا نافع ان عبداللہ بن عمر اخبرہ ان المسجد کان علیٰ عھد رسول اللہ ﷺ مبنیاً باللبن وسقفہ الجرید و عمدہ خشب النخل فلم یزد فیہ ابو بکر شیئاً و زاد فیہ عمرو بناہ علیٰ بنیانہ فی عھد رسول اللہ ﷺ باللبن والجرید واعاد عمدہ خشبا ثم غیرہ عثمان فزاد فیہ زیادۃً کثیرۃ وبنیٰ جدارہ با الحجارۃ المنقوشۃ والقصۃ وجعل عمدہ من حجارۃ منقوشۃ وسقفہ بالساج.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں مسجد کچی اینٹ سے بنائی گئی تھی، اس کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور ستون اسی کے تنوں کے، حضرت ابوبکرؓ نے اس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں کی البتہ حضرت عمرؓ نے اسے بڑھایا اور اس کی تعمیر رسول اللہ ﷺ کی بنائی ہوئی عمارت کے مطابق کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے کی اور اس کے ستون بھی لکڑی ہی کے رکھے، پھر حضرت عثمانؓ نے اس کی عمارت کو بدل دیا اور اس میں بہت سے تغیرات کئے، اس کی دیواریں بھی منقش پتھروں اور گچہ سے بنوائیں، اس کے ستونوں کو بھی منقش پتھروں سے بنوایا اور چھت ساگوان کی کر دی۔

تشریح: ابن بطال نے کہا ہے کہ شاید حضرت عمرؓ نے یہ بات لوگوں کے غافل ہونے کی اس واقعہ سے سمجھی ہو جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابوجہم کی دھاریدار چادر واپس کر دی تھی، پہلے اس میں آپ نے نماز پڑھی اور واپس کرتے وقت فرمایا کہ یہ چادر مجھے میری نماز سے غافل کر دیتی، حافظ ابن حجرؒ نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس اس سلسلہ میں کوئی خاص علم رہا ہو کیونکہ ابن ماجہ میں ایک روایت میں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کسی قوم میں جب بدعملی پھیل جاتی ہے تو وہ اپنی عبادت گاہوں کو بڑی زیب وزینت کے ساتھ سجاتے ہیں، متعدد صحیح احادیث میں بھی مساجد کے پختہ بنوانے کو قیامت کی علامت کہا گیا ہے، ان احادیث وآثار سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کو پختہ کروانا جائز ہی نہ ہونا چاہئے یہی وجہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کو پختہ کرایا تو بعض صحابہ نے اس پر اعتراض کیا لیکن حضرت عثمان ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے زیادہ دین کے رموز سے واقف تھے، چنانچہ اس واقعہ کے بعد جب ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ تشریف لائے اور آپ کو حالات کا علم ہوا تو آپ نے ایک حدیث سنائی جس میں بصراحت اس بات کی پیشین گوئی تھی کہ ایک دن آئے گا کہ میری اس مسجد کی تعمیر پختہ بنیادوں پر ہوگی، حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کو اپنے دور خلافت میں ذاتی خرچ

سے پختہ کرایا تھا اور جب آپ کو یہ حدیث ابو ہریرہ نے سنائی تو خوش ہو کر اپنی جیب سے پانچ سو درہم آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دیئے۔
اس کے علاوہ جب بعض صحابہ نے اعتراض کیا تو آپ نے یہ حدیث پیش کی تھی کہ جس نے ایک مسجد تعمیر کی خدا جنت میں اس کے لئے ویسا ہی مکان بنائے گا، گویا آپ کے نزدیک کیفیت تعمیرات بھی اس اجر میں مراد ہے، مساجد کی پختگی اور ان کی زیب وزینت کے سلسلے میں جس طرح کی احادیث آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کا منصب یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف سے بے توجہی اور حصول آخرت کی ترغیب دیں، مساجد اور اس سے متعلقہ چیزیں اگرچہ دین سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کی ظاہری حسن وزیبائش عموماً بنانے والوں کے لئے دنیا میں فخر و مباہات کا سبب بن جاتی ہیں، پھر دین میں مطلوب عبادت، اس میں خشوع وخضوع ہے نہ کہ تعمیر وتزئین اسی لئے آں حضور ﷺ خاص طور سے اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ظاہری زیب وزینت پر اپنی ساری توجہ صرف کر کے اصل مقصد سے غافل نہ ہو جائیں اور ہوتا بھی یہی ہے کہ لوگ بعد میں روح اور تقویٰ سے زیادہ ظاہری شان وشوکت کو اہمیت دینے لگتے ہیں، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ بکثرت احادیث کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا جاتا کہ آں حضور ﷺ نے اس طرح کے مسائل پیدا ہو جانے والی دوسری صورتوں کی تردید بڑی شدت کے ساتھ کی ہے جو مقصود ومطلوب نہیں ہوتیں اور عام طور سے ان ہی کو مقصود ومطلوب بنالیا جاتا ہے، یا جو اہم ہوتی ہیں اور لوگوں کے دل و دماغ انہیں اہمیت نہیں دیتے، مساجد کی زیبائش اگر اس کی تعظیم کے پیش نظر کی جائے اور اس میں کوئی اپنا ذاتی روپیہ لگائے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی رخصت ہے، ابن المنیر نے کہا ہے کہ جب لوگ اپنے ذاتی مکان پختہ بنوانے لگے اور اس کی زیبائش وآرائش پر روپیہ خرچ کرنے لگے تو اگر انہوں نے مساجد کی تعمیر میں بھی یہی طرز عمل اختیار کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے تاکہ مساجد کی اہانت واستخفاف نہ ہونے پائے، اس لئے اصل تو یہی ہے کہ مساجد سادہ طریقہ پر تعمیر ہوں لیکن زمانہ بدل گیا تو پختہ بنوانے میں بھی حرج نہیں، لہٰذا اس طرح کے تمام مسائل میں بنیادی بات یہ ہے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ، روح، تقویٰ اور دلوں کی طہارت کے لئے سب سے زیادہ مہلک ہے اور ان تمام احادیث وآثار میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں یہی بنیادی مقصد پیش نظر ہے جب یہود ونصاریٰ اپنے مذہب کی روح سے غافل ہو گئے تو سارا زور چند ظاہری رسوم ورواج پر دینے لگے (عمدۃ القاری، فتح الباری وافادات انوری)

افادہ: مسجد نبوی آں حضور ﷺ کے عہد میں بھی دو مرتبہ تعمیر ہوئی تھی، پہلی مرتبہ اس کا طول وعرض ساٹھ ساٹھ ہاتھ تھا، دوبارہ آپ ہی کے عہد میں اس کی تعمیر غزوہ خیبر کے بعد ہوئی، اس مرتبہ اس کا طول وعرض سو سو ہاتھ رکھا گیا، حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اس میں مزید اضافہ کرایا تھا، حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں طول وعرض بھی بڑھوا دیا تھا اور پختہ بنیادوں پر اس کی تعمیر کرائی بعض سلاطین نے ان تمام تغیرات کو جو عہد نبوی میں ہوئے اور اس کے بعد حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد میں ہوئے نشانات لگا کر ممتاز کر دیا ہے اس کے بعد متعدد سلاطین نے بھی مسجد نبوی میں اضافہ کرایا، لیکن یہ ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہیں۔
حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر ممانعت عمری وفعل حضرت عثمانؓ کی توجیہ کے ذیل میں غرض شارع کی مزید وضاحت فرمائی کہ احادیث میں پختہ مکانات بنانے کی بھی ناپسندیدگی آئی ہے تاکہ اسباب دنیا میں انہماک وغلو نہ ہو، جس کی وجہ سے اکثر آخرت کی طرف سے غفلت آجاتی ہے، لیکن اگر یہ برائی پیدا نہ ہو تو علماء نے اجازت دی ہے اور اس کی طرف محقق ابن المنیر نے اشارہ کیا ہے کہ جب لوگ اپنے پختہ مکانات بنانے لگے تو مساجد ہی کو اس سے کیوں محروم کیا جائے لہٰذا اصل تو یہی ہے کہ مساجد بھی پختہ نہ بنائی جائیں مگر زمانہ کے حالات اس کے متقاضی ہوں تو پھر اس کو احادیث کے خلاف نہ شمار کیا جائے گا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر سلاطین وامراء پہلے زمانہ میں مساجد عالی شان اور پختہ نہ بناجاتے تو آج مساجد کا خصوصاً بلاد کفر میں نام ونشان بھی نہ ہوتا (جامع قرطبہ ودیگر مساجد وآثار اندلس اور اسی طرح مساجد و آثار ہند اس کی مثال ہیں، لہٰذا مساجد ومدارس ودیگر آثار اسلامیہ کے استحکام کو فوائد ومصالح سے خالی نہیں کہہ سکتے) معلوم ہوا کہ ممانعت نبویہ کا

مقصد اپنے موضوع نبوت و رسالت کے تحت اظہار ناپسندیدگی کے لئے تھا، پھر جیسے جیسے مصالح و منافع حضرات صحابہ و تابعین و متاخرین اکابر امت محمدیہ کے سامنے آتے گئے، ان کے مطابق عمل بھی اتباع سنت ہی قرار دیا جائے گا اور مصالح امت کی وجہ سے وہ کراہت و ناپسندیدگی ختم ہو جائے گی، اسی کے ساتھ مندرجہ ذیل امور بھی قابل لحاظ ہیں:-

(۱) اپنے رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے کی ممانعت بھی بیان حلت و حرمت شرعی کے لئے نہیں وارد ہوئی بلکہ یہ بتلانے کے لئے ہوئی کہ انسان کو دنیا میں مسافر کی طرح رہنا چاہئے لہٰذا اس کو عالی شان عمارتوں اور اسباب عیش و تلذذ کی طرف راغب نہ ہونا چاہئے۔

(۲) اس کی دوسری مثال مشکوٰۃ کی حدیث ہے کہ اپنے ظالم بادشاہوں پر بددعا نہ کرو، بلکہ اپنے اعمال کی اصلاح کرو کیونکہ جیسے تم ہو گے ایسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے، اس حدیث سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ بادشاہوں کو بددعا دینی جائز نہیں حالانکہ غرض حدیث صرف اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلانی ہے، جس سے آدمی اکثر غافل رہتا ہے، اور ظالم کے لئے بددعا سے خود ہی کبھی غافل نہیں ہوتا، اس لئے اہم امر کی طرف توجہ دلائی، یہ غرض نہیں ہے کہ اس کو بددعا نہ دیں، اسی لئے وہ شرعاً بالکل جائز ہے۔

(۳) اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو شخص تہجد پڑھ کر چھوڑ دے، اس کے لئے بہتر تھا کہ وہ پڑھتا ہی نہیں، شارحین حدیث نے اس میں بحث کی کہ کبھی کبھی تہجد پڑھنے والا اچھا ہے یا بالکل نہ پڑھنے والا؟ میں کہتا ہوں کہ پہلا ہی یقیناً افضل ہے اور جنہوں نے حدیث مذکور کی وجہ سے دوسرے کو افضل سمجھا وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ مراد نبوی کو نہ سمجھ سکے، آپ کا مقصد تو صرف ترغیب تھی مواظبت و مداومت کی اور ترک کے لئے ناپسندیدگی ظاہر کرنی تھی، کسی کے بھی تھوڑے یا بہت عمل خیر کو نظر انداز کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور وہ بھی شارع علیہ السلام کی طرف سے، غرض کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصود شارع علیہ السلام اس چیز میں ہوتا ہے جو آپ کی زبانی ارشاد میں نہیں آتی۔

(۴) حدیث بخاری میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے گھر میں عید کے روز لڑکیاں دف بجا رہی تھیں، حضور علیہ السلام چادر اوڑھ کر منہ ڈھانک کر لیٹ گئے (یعنی رغبت نہ تھی، اجازت تھی) حضرت ابوبکرؓ آئے اور فرمایا کہ یہ شیطان کے مزامیر کیسے؟ حضور نے فرمایا کہ رہنے دو ابوبکر! عید کا دن ہے خوشی کا، پھر حضرت عمرؓ آئے تو لڑکیاں دف کو نیچے دبا کر بیٹھ گئیں اس پر حضور نے فرمایا کہ شیطان عمر سے بھاگتا ہے، اس سے میں کہتا ہوں کہ وہ چیز تو شیطان کی ہے لیکن تھوڑے کو شریعت جواز میں رکھے گی لیکن اگر زیادہ ہو جائے تو وہ بالکل شیطانی عمل بن جائے گا، باعتبار جنس تھوڑے کو بھی شیطانی کہہ سکتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے اور اسی کی طرف حضرت ابوبکرؓ نے اشارہ کیا تھا، مگر حضور علیہ السلام نے شرعی مقصد کی طرف رہنمائی فرما دی کہ تھوڑا ہو اور عید جیسے دن ہو تو حد جواز میں رہے۔

(۵) مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک سائل آیا، آپ نے کچھ دے دیا، پھر مانگا پھر دیدیا، پھر مانگا پھر دیدیا اور جب چلا گیا تو فرمایا کہ آگ کے انگارے ہیں جو اس نے لئے، صحابہ نے عرض کیا کہ پھر کیوں دیئے؟ فرمایا کہ خدا کو پسند نہیں کہ میں بخیل بنوں، مقصد یہ کہ سائل کو نہ چاہئے تھا، اور میں تو دوں گا ہی۔

فائدہ: علامہ تورپشتی حافظ حدیث حنفی المذہب ہیں، ان کی کتاب عقائد میں میرے پاس ہے، اس میں وعید کی احادیث لکھ کر چند سطریں لکھی ہیں، جن سے میں سمجھا کہ ان کو سبب نار بنایا ہے، خواہ پھر وہ اس پر مرتب ہوں یا نہ ہوں، یہ حقیقی علم ہے جو طول ممارست سے حاصل ہوتا ہے، اگر یہی مراد ہے تو احادیث وعید میں ایک نئی حقیقت کا انکشاف ہے جو مواضع عدیدہ میں کام آئے گی، فافہم ولا تغفل۔

باب التعاون فی بناء المسجد و قول الله عزو جل ما كان للمشر كين ان يعمروا مسجد الله الأية

(تعمیر مسجد میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور خداوند تعالیٰ کا قول ہے "مشرکین خدا کی مسجدوں کی تعمیر میں حصہ نہ لیں" الآیۃ)

حدثنا مسدد قال حدثنا عبد العزيز بن مختار قال حدثنا خالد الحذآء عن عكرمة قال قال لي ابن عباس و لا بنه علي انطلقا الىٰ ابي سعيد فاسمعا من حديثه فانطلقنا فاذا هو في حائط يصلحه فاخذ ردآئه فاحتبى ثم انشاء يحدثنا حتىٰ اتى علىٰ ذكر بنآء المسجد فقال كنا نحمل لبنة لبنة و عمار لبنتين لبنتين فرآه النبي ﷺ فجعل ينفض التراب عنه ويقول ويح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الىٰ الجنة ويدعونه الى النار قال يقول عمار اعوذ بالله من الفتن.

ترجمہ: حضرت عکرمہؓ نے بیان کیا کہ مجھ سے اور اپنے صاحبزادے علی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاؤ اور ان کی احادیث سنو ہم چلے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کچھ درستی کررہے تھے۔ (جب ہم حاضر خدمت ہوئے) آپ نے اپنی چادر سنبھالی اور اسے اوڑھ لیا۔ پھر ہم سے حدیث بیان کرنے لگے۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر کا ذکر آیا تو آپ نے بتایا کہ ہم تو (مسجد کی تعمیر میں حصہ لیتے وقت) ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے لیکن عمار دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا افسوس عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی جسے عمار جنت کی دعوت دیں گے اور وہ جماعت عمار کو جہنم کی دعوت دے رہی ہوگی۔ ابوسعیدؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمارؓ کہتے تھے کہ فتنوں سے خدا کی پناہ:

تشریح: مسجد کی تعمیر کے لئے مسلمانوں سے چندہ لینا جائز ہے، لیکن کفار و مشرکین سے نہیں۔ البتہ یہ صورت ہوسکتی ہے کہ وہ کافر یا مشرک کسی مسلمان کو رقم ہبہ کردے، پھر وہ مسلمان بناء مسجد میں صرف کردے۔ (افادۃ الشیخ الانورؒ) حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صاحب کنز نے بھی مسجد کے لئے کافر کے چندہ کو ناجائز کہا اور تملیک مسلم کے بعد جائز کہا۔ میں نے سنا کہ حضرت گنگوہی نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر میں ہمیشہ عدم جواز کا ہی فتوے دیتا ہوں اور دلیل قولہ تعالیٰ ما كان للمشركين ان يعمروا مساجد الله الآيه ہے۔

لامع الدراری ص ۱۰۳ میں ہے کہ کافر و مشرک کے مال سے تیار شدہ مسجد میں نماز درست ہے، اور حاشیہ لامع میں ہے کہ یہ مولانا عبدالحیٰ کے خلاف ہے کیونکہ انھوں نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ ہم نے اوپر حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی جواز کی خاص صورت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جواز نہیں ہے، اور ہم نے فتاویٰ رشیدیہ میں بھی احکام المساجد میں دیکھا کہ حضرت گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا "جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عمدہ عبادت کا کام ہے۔ اس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا" لہٰذا حضرتؒ نے جہاں مطلق جواب دیا ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ خاص ہوگا، حضرت مولانا عبدالحیٰ صاحبؒ نے یہ لکھا کہ "حسب تصریح معتبرات، مال ہنود کا تعمیر معابد خاصہ اہل اسلام میں صرف کرنا درست نہیں ہے" اس کو نقل کرکے حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا کہ مولاناؒ نے معتبرات کی عبارتیں اور حوالے نہیں دیئے کہ ان میں دیکھا جاتا اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے مال کفار کا مسجد میں لگانے کا جواز مصرح ہے، حضرت مفتی صاحب نے لکھا کہ اموال کفار (جزیہ، خراج، ہدیہ اور ترکۂ ذمی وغیرہ) بیت المال میں جمع ہوتے تھے اور ان سے ہر قسم کے رفاہ عام کے کام ہوتے تھے، سرحدوں کی حفاظت اور اسلامی فوج پر صرف ہوتے تھے، پل اور سڑکیں بنتی تھیں وغیرہ نیز علامہ شامی نے لکھا کہ ایسے ہی بناء مسجد و حوض و رباط وغیرہ پر بھی صرف ہوتا تھا۔ (فتاویٰ ص ۷۷ ج ۷)

حضرت مفتی صاحبؒ نے ان مصارف کی پوری تفصیل دی ہے اور اسی پر ہنود کے اموال کو بھی قیاس کیا ہے حالانکہ بیت المال میں جمع ہوکر وہ اموال کفار مسلمانوں کی ملک میں داخل ہوکر پھر ان سب مصارف میں خرچ ہوتے تھے اور پھر خود بھی ایک دوسرے سوال بابتہ چندۂ ہنود للمسجد کے جواب میں یہ تحریر فرمایا:- ''تعمیر مسجد کے لئے غیر مسلموں سے چندہ طلب کرنا جائز نہیں اور اگر غیر مسلم خود چندہ دیں یعنی بغیر مانگے خوشی سے دیدیں تو اس صورت میں قبول کرنے میں مضائقہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کی تملیک کردیں اور مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں خرچ کردیں، اسی طرح غیر مسلم (ہندو یا عیسائی) مسجد تعمیر کرکے مسلمانوں کو دے دیں، تو اس کے شرعاً مسجد ہونے کی صورت یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کی ملک کردیں اور مسلمان اپنی طرف سے اس کو مسجد کے نام سے نامزد کرکے وقف کردیں، غیر مسلم کا وقف اس صورت میں صحیح ہوتا ہے کہ جس کام کے لئے وہ وقف کرتا ہے وہ کام اس کے مذہب اور اسلام کے نزدیک قربت ہو، ورنہ وقف صحیح نہیں ہوتا، یعنی قاضی اسلام ایسے وقف کی صحت کا حکم نہیں کرے گا جو واقف کے مذہب کے لحاظ سے قربت نہیں (جیسے ہندو کی بنائی ہوئی مسجد) یا اسلام کے نزدیک قربت نہیں (جیسے مسلمانوں کا بنایا ہوا بت خانہ) واللہ اعلم (کفایت المفتی ص ۱۸۱ ج ۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان سب حضرات میں باہم کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے اور تعمیر مساجد کی صفت خاصہ کا تعلق ہر حیثیت سے صرف ایمان والوں کے ساتھ ہے اور صرف اموال للمسجد میں بھی مومن و غیر مومن کا فرق شرعاً نا قابل انکار ہے۔ سچ اور حق ہے "انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ" اور "ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ" پھر اگر معتبرات میں یہ فرق نہ ہوتا تو شرطوں اور خاص صورتوں کی تقیید کیوں ہوتی؟

حضرت تھانویؒ نے بھی لکھا:- اگر کوئی ہندو اپنے اعتقاد میں اس کو (یعنی مسجد میں روپیہ لگانے یا مسجد بنانے کی قربت (یعنی عمل موجب ثواب سمجھتا ہے تو اس قاعدہ وکلیہ کے اقتضاء سے اس کا چندہ مسجد کے لئے لینا جائز ہونا چاہئے''۔ (امدادالفتاویٰ ص ۱۱۱ ج ۲)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت فیوضہم نے مسجد و مدرسہ کے لئے امداد غیر مسلم کے سوال پر لکھا:- مسجد و مدرسہ کی عمارت کو نقصان ہوا ہو تو امداد لینے کی گنجائش ہے، جماعت خانہ یہ نماز گاہ کے علاوہ بیت الخلاء یا غسل خانے وغیرہ بنانے اور مرمت کے لئے امداد لی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۷ ج ۲)

حقیقت بظاہر یہ معلوم ہوئی کہ مساجد صرف خدائے واحد کی عبادت کے لئے ہیں اور جو موحد خالص نہیں ہیں یعنی مشرکین وہ صرف خدائے واحد کی عبادت کو عمدہ کام یقین کرکے مالی امداد کیسے کرسکتے ہیں؟ البتہ دوسری مصالح یا منافع دنیویہ کے خیال سے وہ ضرور مساجد بھی بنا سکتے ہیں اور مالی امداد بھی دے سکتے ہیں، لہٰذا ان کا حکم معلوم!۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہم تو ذکر آیت قرآنی سے امام بخاریؒ کا اشارہ بھی اسی طرف سمجھتے ہیں کہ مساجد کی تعمیر ظاہری میں مشرکین کو شریک نہ کیا جائے کیونکہ وہ اپنے دلوں کے کفر سے خوب واقف ہیں اور اسی لئے ان کے سب اعمال اکارت ہوئے اور ہمیشہ کے لئے دوزخ کے مستحق بنے، پھر ایسے لوگوں کی امداد خدا کی مسجدوں کے لئے کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ چونکہ امام بخاری کی شرط پر کوئی حدیث ممانعت نہ ہوگی، اس لئے ممانعت پر آیت سے استدلال فرمایا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا خدائے واحد کی خاص عبادت کے لئے قائم کی جانے والی مساجد کی تعمیر ظاہری و باطنی دونوں کا حق واستحقاق صرف مومنوں کا رہا، جن کے قلوب خشیۂ خداوندی سے معمور و منور ہیں۔ والحمدللہ اولاً وآخراً۔

خلاصۂ بحث

حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب اور حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے اصوب ہے کہ مشرکین کی مالی امداد مسجد کی خاص جائے عبادت و نماز کے لئے قبول نہ کی جائے اور یہ کہ کوئی مسلمان اپنی ملک میں لے کر پھر اس رقم کو اپنی طرف سے مسجد میں لگائے اور فتاویٰ رشیدیہ نیز کفایت المفتی میں

جہاں مطلق اجازت تحریر ہوگئی ہے وہ بھی مقید و مشروط پر محمول ہوگی۔ امداد الفتاوی ص ۱۱۱ ج ۲ میں مفسرین کی تفسیر کو "لکل فن رجال" کہہ کر فقہاء کے مقابلہ میں مرجوح یا ساقط گردانںے کی بات بھی سمجھ میں نہ آسکی، پھر جبکہ فقہاء کا بھی وہ منشا نہیں جو سمجھا گیا، اس لئے ہمارے نزدیک اصل مسئلہ بالکل واضح ہے اور سب ہی کا متفقہ بھی ہے اور کبھی بھی کسی مشرک کی نیت قربت تعمیر مسجد کے لئے درست نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

واقعۂ شہادت حضرت عمارؓ

ترجمۃ الباب کے تحت جو بحث و تشریح ضروری تھی وہ گذر گئی، اب حدیث الباب پر بھی کچھ لکھنا ہے جو نہایت اہم و ضروری ہے، جس وقت حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تعمیر نبوی کر رہے تھے، تو دیکھا گیا کہ اور صحابہ تو ایک ایک اینٹ یا پتھر اٹھا کر لاتے ہیں اور حضرت عمارؓ دو دو اٹھاتے ہیں یہ بھی کتب سیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے تعمیر مسجد نبوی کے لئے مسجد کے قریب ہی کچی اینٹیں پتھوائی تھیں (اور شاید وہ بڑی وزنی ہوں کہ عام طور سے آدمی ایک ہی اٹھا سکے، جیسی اب کراچی میں بنتی ہیں) حضور علیہ السلام بھی سب کے ساتھ اینٹیں ڈھو رہے تھے، صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ تکلیف نہ کریں! ہم کافی ہیں، مگر آپ نے شرکت جاری رکھی، اسی دوران میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمارؓ سے پوچھا کہ تم دو دو کیوں لا رہے ہو؟ جواب کئی نقل ہوئے، ایک یہ کہ حضور! میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے ثواب زیادہ ملے، دوسرا یہ کہ ایک اپنے حصہ کی لاتا ہوں اور دوسری آپ کے حصہ کی، اس پر رحمت عالم ﷺ نے مسرت و رنج کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ارشاد فرمایا:- "افسوس! عمار کی شہادت ایک باغی گروہ کے ہاتھوں سے ہوگی"۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ سالہا سال کے بعد جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے، حضرت معاویہؓ کے حامی لشکر کے ہاتھوں سے آپ کی شہادت ہوگئی، چونکہ حضرت عمارؓ کے بارے میں حضور علیہ السلام کا مذکورہ بالا ارشاد سارے صحابہ میں مشہور و معروف تھا، جس کی روایت بخاریؒ مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد و مسند احمد وغیرہ میں بھی ہے، اور متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ میں مذبذب تھے، حضرت عمارؓ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے ایک علامت بھی قرار دے دیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے؟ اور باطل پر کون؟ حافظ نے الاصابہ ص ۵۰۲ ج ۲ میں لکھا کہ قتل عمارؓ کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور اہل سنت اس بات پر متفق ہوگئے درانحالیکہ پہلے اس میں اختلاف تھا اور الاصابہ ص ۵۰۶ ج ۲ نیز تہذیب التہذیب ص ۴۱۰ ج ۷ میں لکھا کہ متواتر روایات و آثار سے یہ بات منقول ہے کہ حضرت عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا اور الاستیعاب ص ۴۲۴ ج ۲ میں علامہ محقق ابن عبدالبرؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے، حافظ ابن کثیر نے بھی البدایہ ص ۲۷۰ ج ۷ میں لکھا کہ حضرت عمارؓ کی شہادت سے اس حدیث کا راز کھل گیا کہ حضرت عمارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حضرت علی حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ باغی اور ص ۲۴۱ ج ۷ میں یہ بھی لکھا کہ جنگ جمل سے حضرت زبیرؓ کے ہٹ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو نبی کریم ﷺ کا ارشاد بابتہ حضرت عمارؓ یاد تھا اور انہوں نے دیکھا کہ وہ حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود ہیں۔ مگر جب جنگ صفین میں حضرت عمارؓ کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہؓ کے لشکر میں پہنچی اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنے والد اور حضرت معاویہؓ دونوں کو حضور علیہ السلام کا

---

۱ واضح ہو کہ حافظ ابن حجرؒ کے سامنے وہ نسخہ بخاری کا تھا جس میں جملہ تقتلک الفئۃ الباغیۃ نہیں تھا، اسی لئے اس کی مفصل وجہ بھی ان کو لکھنی پڑی اور پھر فائدہ کا عنوان دے کر یہ بھی لکھا کہ قتل عمار والے جملہ کی حدیث کو ایک جماعت صحابہ نے روایت کیا ہے اور ان میں سے اکثر طریقے صحیح یا حسن ہیں اور اس حدیث میں ایک پیش گوئی ہے جو اعلام نبوت میں سے ہے کہ اس کا ظہور بعینہ ارشاد نبوی کے مطابق ہوا اور اس میں حضرت علیؓ و حضرت عمارؓ کی کھلی ہوئی فضیلت بھی ہے اور نواصب کا رد بھی ہے، جن کا زعم یہ ہے کہ حضرت علیؓ اپنی جنگوں میں حق پر نہیں تھے (فتح الباری ص ۳۶۵ ج ۱ و عمدۃ القاری ص ۳۹۳ ج ۲)

اس وقت جو بخاری کا مطبوعہ نسخہ ہمارے پاس ہے، اس میں یہاں بھی یہ مذکورہ جملہ موجود ہے اور کتاب الجہاد باب مسح الغبار عن الرأس ص ۳۹۴ میں موجود ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے حضرت عمارؓ کے سر سے گرد و غبار بھی جھاڑا تھا واضح ہو کہ علامہ عینی کے سامنے بھی یہی نسخہ ہے۔ (مؤلف)

ارشاد یاد دلایا تو حضرت معاویہؓ نے فوراً اس کی یہ تاویل کی کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدان جنگ میں لایا (طبری ص ۲۹ ج ۴، ابن الاثیر ص ۱۵۸ ج ۳، ہدایہ ص ۲۶۸ ج ۷) علامہ ابن کثیر نے اس تاویل کو بہت مستبعد قرار دیا۔

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا کہ حضرت علیؓ کو جب حضرت معاویہؓ کی یہ تاویل پہنچی تو فرمایا:- ''اس طرح کی تاویل سے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قتل خود نبی اکرم علیہ السلام تھے''۔ (والعیاذ باللہ)

صاحب تاریخ الخمیس نے خلاصۃ الوفا سے اس طرح نقل کیا، حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت معاویہؓ کے وزیر تھے، جب حضرت عمارؓ شہید کر دیئے گئے تو آپ جنگ سے رک گئے اور ایک بڑی تعداد بھی آپ کے اتباع میں رک گئی، اس پر حضرت معاویہؓ نے پوچھا کہ تم کیوں رک گئے؟ تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا کہ ہم نے اس شخص کو قتل کر دیا، اور میں نے خود رسول اکرم علیہ السلام کو یہ کہتے سنا ہے کہ انکو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا، حضرت معاویہؓ نے کہا چپ ہو جاؤ کیا ہم نے ان کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو علی اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان کو تو اس نے قتل کیا جس نے ان کو ہم سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے، پھر جب یہ بات حضرت علیؓ کو پہنچی تو فرمایا کہ اگر میں نے ان کو قتل کیا ہے تو نبی کریم علیہ السلام نے بھی حضرت حمزہؓ کو قتل کیا ہوگا کیونکہ آپ نے ہی ان کو قتال کفار کے لئے بھیجا تھا، مختصراً (الابواب والتراجم لشیخ الحدیث دام ظلہم ص ۲۱۹ ج ۴)

اعتراض و جواب

یہاں حدیث میں یہ جملہ بھی ہے کہ ''حضرت عمارؓ ان کو جنت کی طرف بلاتے تھے اور وہ لوگ ان کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے''۔ تو اشکال یہ ہے کہ حضرت معاویہ کے ساتھ بھی کچھ صحابہ تھے، تو اتنی بات تو درست ہو سکتی ہے کہ وہ باغیوں کے گروہ میں تھے اور اجتہادی غلطیوں کا صدور جس طرح صحابی رسول حضرت معاویہؓ سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے خلیفۂ وقت حضرت علیؓ سے قاتلین حضرت عثمانؓ کے مطالبۂ قصاص کو وجہ نزاع و قتال قرار دیا تھا، اسی طرح ان کا ساتھ دینے والے صحابہ سے بھی اجتہادی غلطی ہوئی ہوگی، مگر یہ بات تو نہیں ہو سکتی کہ ان صحابہ نے حضرت عمارؓ کو نار جہنم کی طرف بلایا ہو، تو اس کا جواب تو یہ ہے کہ ان کو خوش فہمی اور گمان تو یہی تھا کہ اس طرح حضرت علیؓ کو مجبور کر کے قاتلین حضرت عثمانؓ سے قصاص لیں گے اور یہ فعل دخول جنت کا مستحق بنا دے گا، پھر یہ کہ اگرچہ خلیفۂ وقت حضرت علیؓ کی مخالفت اور ان سے قتال و جنگ سبب دخول نار تھا، مگر وہ اجتہادی غلطی کی وجہ سے عند اللہ معذور ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا دوسرا جواب جو مجھے زیادہ پسند ہے یہ ہے کہ فئۃ باغیۃ تک کلام حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں ہے کہ صاحب ہدایہ نے بھی کتاب القضاء میں تصریح کی ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے بغاوت کی تھی پھر یدعو ھم الی الجنۃ سے حضرت عمارؓ کی منقبت اور مکی زندگی کا حال بیان ہوا ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ قریش کو جنت کی طرف بلاتے تھے اور وہ ان کو طرح طرح کے عذاب دے کر حالت کفر کی طرف لوٹنے کی فکر و سعی کرتے تھے، ایک جواب یہ بھی ہے کہ مراد صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عمارؓ کو قتل کیا وہ اہل شام تھے (فتح الباری ص ۳۶۴ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی حکم باعتبار جنس کے ہوتا ہے اگرچہ اس کا تحقق بعض انواع میں نہ ہوتا ہو، لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ اس قسم کی دعوت جو حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے دی گئی اگرچہ وہ سبب نار تھی مگر وہ حضرات صحابہ کے حق میں سبب نار نہ بن سکی کیونکہ وہ لوگ مجتہد تھے اور ان کی نیت حق و صواب ہی کی تھی، جس طرح علامہ تورپشتی نے اپنی کتاب عقائد میں لکھا کہ بہت سی احادیث میں معاصی پر وعید نار آئی ہے لیکن وہ معاصی سبب نار ہو کر بھی ترتب مسبب سے خالی ہو سکتے ہیں کیونکہ مسببات کا ترتب دوسرے امور ارتفاع موانع و وجود شرائط وغیرہ پر بھی موقوف ہوتا ہے اور بسا اوقات غیر ظاہری و مخفی ہوتا ہے اور شریعت کسی امر حسی پر نار کا حکم کر دیتی ہے۔ واللہ اعلم۔

خلافت حضرت علیؓ

اس حدیث بخاری سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چوتھے نمبر پر خلافت برحق ان ہی کی تھی اوران کی مخالفت بغاوت تھی، اگر چہ امراجتہادی ہونے کی وجہ سے حضرت معاویہ اوران کے ساتھی ماخوذ نہ ہوں، اس کے لئے ہدایہ کا حوالہ اوپر حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد میں گذر چکا ہے اور فتح القدیر وشرح فقہ اکبرواحکام القرآن ابن عربی وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے اورعملاً بھی ایک شام کے صوبے کو چھوڑ کر جزیرۃ العرب اوراس کے علاوہ تمام اسلامی مقبوضات کے مسلمانوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کو مان لیا تھا اورمدینہ طیبہ میں تو دوسرے خلفاء سابقین کی طرح اکابر مہاجرین وانصار نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت کرلی تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ مروان کو برا کہنا خصوصاً اس سلوک کی وجہ سے جواس نے حضرت حسینؓ ودیگر اہل بیت کے ساتھ روا رکھا، اس سے دل بیزاری رکھنا لوازم سنت ومحبت اہل بیت سے ہے، جوفرائض ایمان کا مقتضیٰ ہے، لیکن حضرت معاویہؓ ایک صحابی تھے، ان کے حق میں بعض احادیث بھی وارد ہیں اورعلماء اہلسنت ان کے بارے میں مختلف ہیں، علماء ماوراء النہر اور مفسرین وفقہاء ان کی تمام حرکات جنگ وجدال کو جوحضرت علیؓ سے کیں، خطاء اجتہادی پر محمول کرتے ہیں اور محققین اہل حدیث نے تتبع روایات صحیحہ کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی اورتعصب اموریت وقریشیت سے خالی نہ تھیں، پس ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی ہوں گے جس سے فسق لازم ہوا، مگر فاسق پر لعنت جائز نہیں، لہٰذا ان کے لئے دعاء مغفرت وشفاعت کریں تو بہتر ہے۔ (فتاوی عزیزی ص ۱۷۷ ج ۱)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا کہ اس حدیث رسول ﷺ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت امام وقت پر بغاوت کرنے کے بعد منعقد ہوگی (ازالۃ الخفاء ۵۲۹ ج ۱) اورلکھا کہ حضرت معاویہؓ خود کہتے تھے کہ میرے دل میں خلافت کی خواہش اس وقت سے ہے کہ حضور علیہ السلام سے میں نے یہ سنا تھا کہ اے معاویہ! اگر تم بادشاہ ہوجاؤ تو لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اوروہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں خلیفہ نہیں ہوں بلکہ بادشاہان اسلام کا پہلا بادشاہ ہوں اورجب تم میرے بعد بادشاہوں کا تجربہ کروگے تو اس وقت میری قدر جانوگے، الخ (ازالۃ الخفاء ص ۳۴۵ ج ۱)

یہ امربھی قابل ذکر ہے کہ علماء اہل سنت میں سے کوئی بھی ایسا نہیں گذرا جس نے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم نہ کیا ہو یا ان کی بیعت کے صحیح ہونے میں شک کیا ہو، بلکہ علماء حنفیہ نے تو ان کی خلافت کے اقرار کو عقائد اہل سنت میں سے ایک عقیدہ قرار دیا ہے، اور یہ بھی سب ہی نے تسلیم کیا ہے کہ ان کے ساتھ جتنی لڑائیاں ہوئیں ان سب میں حق ان ہی کے ساتھ تھا، البتہ اس سلسلہ میں بھی علامہ ابن تیمیہؒ کا تفرد معلوم ہوتا ہے جیسا کہ منہاج السنہ کی بعد عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے، ملاحظہ ہو ترجمہ عبادات منہاج السنہ کے لئے کتاب "امام ابن تیمیہ" افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری مدراسی ص ۵۰۰ وص ۵۰۹۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الاستعانة بالنجار والصناع فی اعواد المنبر و المسجد

(بڑھائی اور کاریگر سے مسجد اور منبر کے تختوں کو بنوانے میں تعاون حاصل کرنا)

۴۳۲. حدثنا قتیبة بن سعید قال حدثنا عبدالعزیز عن ابی حازم عن سهل قال بعث رسول الله ﷺ الی امرأة مری غلامک النجار یعمل لی اعوادا اجلس علیهن.

۴۳۳. حدثنا خلاد بن یحییٰ قال حدثنا عبدالواحد ایمن عن ابیه عن جابر ابن عبدالله ان امرأة قالت یا رسول الله الا اجعل لک شیئاً تقعد علیه فان لی غلاماً نجاراً قال ان شئت فعملت المنبر.

ترجمہ ۴۳۲: حضرت سہلؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کے یہاں آدمی بھیجا کہ وہ اپنے بڑھئی غلام سے کہیں کہ میرے لئے (منبر) لکڑیوں کے تختوں سے بنادے جس پر میں بیٹھا کروں۔

ترجمہ ۴۳۳: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ کیا میں آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنادوں جس پر آپ بیٹھا کریں میری ملکیت میں ایک بڑھئی غلام بھی ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو منبر بنوادو، تب انہوں نے منبر بنوادیا۔

تشریح: دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی کار خیر میں دوسروں کی مدد حاصل کرنا مطابق سنت ہے، جس طرح یہاں حضور علیہ السلام نے ایک عورت سے مدد لی کہ وہ اپنے غلام سے منبر بنوادے، پھر یہ کہ بظاہر اس عورت نے ہی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کش کی ہوگی کہ منبر بنوادوں گی، پھر جب بنوانے میں تاخیر محسوس کی تو حضور علیہ السلام نے یاددہانی کی ہوگی جس کو راویوں نے اپنے اپنے طریقہ سے روایت کردیا، لہٰذا دونوں احادیث میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح الباری وعمدہ)

(نوٹ) امام بخاری اگر ترتیب بدل دیتے تو یہ صورت زیادہ واضح ہوجاتی۔

باب من بنیٰ مسجداً

(جس نے مسجد بنوائی)

۴۳۴. حدثنا یحیی بن سلیمان حدثنا ابن وهب قال اخبرنی عمرو ان بکیراً حدثه ان عاصم بن عمر بن قتادة حدثه انه سمع عبید الله الخولانی انه سمع عثمان بن عفانؓ یقول عند قول الناس فیه حین بنیٰ مسجدا الرسول الله ﷺ انکم اکثرتم وانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من بنیٰ مسجدا قال بکیر حسبت انه قال یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة.

ترجمہ: حضرت عبیداللہ خولانی نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے سنا کہ آپ نے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی (اپنے ذاتی خرچ سے) تعمیر کے متعلق لوگوں کے اعتراضات کو سن کر فرمایا کہ تم لوگ بہت زیادہ تنقید کرنے لگے، حالانکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ جس نے مسجد بنوائی (بکیر راوی) نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے مقصود خداوند تعالیٰ کی رضا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسا ہی ایک مکان جنت میں اس کے لئے بنائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں مسجد بنانے کی فضیلت بیان ہوئی اور علامہ عینیؒ نے ۲۳ صحابہ سے دوسری احادیث فضیلت بھی اس موقع پر نقل کی ہیں، ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسجد بنانے والے کو بطور اجر وثواب کے جنت میں یاقوت اور موتیوں سے مرصع گھر ملے گا، رہا یہ

اشکال کہ اور سب اعمال خیر کا تو دس گنا اجر ملے گا، اس کا صرف مثل یا برابر کیوں ہوگا تو اول تو مثلیت سے زیادہ کی نفی نہیں ہوتی اور بہتر جواب یہ ہے کہ ہر عمل کے اجر میں برابری تو عدل ہے اور کم وکیف میں زیادتی حق تعالیٰ کا محض فضل وانعام ہے۔ (عمدہ ص ۳۹۹)

حافظ نے لکھا کہ ایک بہتر جواب یہ بھی ہے کہ اس کی جزا میں گھر تو جنت میں ایک ہی ملے گا مگر کیفیت میں اس سے کہیں بہتر ہوگا کہ دنیا میں بھی ایک گھر ایک سو گھروں سے بھی زیادہ شاندار ہوتا ہے، علامہ نووی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ یہ مراد ہو کہ اس ایک گھر کی فضیلت بیوت جنت پر ایسی ہوگی جیسی یہاں مسجد کی بیوت دنیا پر ہے (فتح ص ۳۶۷) (کیونکہ حدیث امام احمد سے مروی ہے کہ یہاں جو مسجد بنائے گا اس کو جنت میں اس سے افضل گھر ملے گا)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا کی مسجدیں اسی طرح جنت میں اٹھالی جائیں گی، غالباً یہ کسی حدیث کا مضمون ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب یاخذ بنصول النبل اذا مر فی المسجد

(جب مسجد سے گزرے تو اپنے تیر کے پھل کو تھامے رکھے)

۴۳۵. حدثنا قتیبة بن سعید قال حدثنا سفیان قال قلت لعمرو اسمعت جابر ابن عبدالله یقول مر رجل فی المسجد ومعه سهام فقال له رسول الله ﷺ امسک بنصالها.

ترجمہ: حضرت سفیان نے بیان کیا کہ میں نے عمرو سے پوچھا کہ تم نے جابر بن عبداللہ سے سنا ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی سے گزرا وہ تیر لئے ہوئے تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اس کے پھل کو تھامے رکھو۔

تشریح: تیروں کو تھامنے اور سنبھالنے کا حکم اس لئے دیا کہ کسی نمازی کو تکلیف نہ پہنچ جائے، یوں ضرورۃً اسلحہ کو اپنے ساتھ مسجد میں لے جانے کا جواز بھی معلوم ہوگیا، امام بخاری نے تاریخ اوسط میں حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے مساجد کو بچوں سے، پاگلوں سے، بیع وشراء سے، جھگڑوں سے، چیخ وپکار سے، اقامت حدود سے اور تلواریں میان سے باہر نکالنے اور اشعار پڑھنے سے منع فرمایا اور حکم فرمایا کہ مساجد کے دروازوں کے قریب وضو خانے اور غسل خانے بنائے جائیں اور جمعہ کے روز مساجد میں خوشبو کی دھونی بھی دی جائے (عمدہ ۴۰۰ ج ۲)

باب المرور فی المسجد

(مسجد سے گذرنا)

۴۳۶. حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا ابو بردة ابن عبدالله قال سمعت ابا بردة عن ابیه عن النبی ﷺ قال من مر فی شیء من مساجدنا او اسکواقنا بنبل فلیاخذ علی نصالها لا یعقر بکفه مسلماً.

ترجمہ ۴۳۶: حضرت ابو بردہ ابن عبداللہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہماری مساجد یا ہمارے بازاروں سے تیر لئے ہوئے گذرے تو اسے اس کے پھل کو تھامے رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس سے کسی مسلمان کو زخمی کردے۔

تشریح: یہاں بازاروں کے لئے بھی وہی حکم مساجد والا بیان ہوا ہے۔

باب الشعر فی المسجد

(مسجد میں اشعار پڑھنا)

۴۳۷. حدثنا ابو الیمان الحکم بن نافع قال اخبرنا شعیب عن الزہری قال اخبرنی ابوسلمة ابن عبدالرحمن بن عوف انه سمع حسان بن ثابت ن الانصاری یستشهد ابا ہریرة انشدک اللہ ہل سمعت النبی ﷺ یقول یا حسان اجب عن رسول اللہ اللهم ایده بروح القدس قال ابو ہریرة نعم.

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ سے سنا کہ وہ ابو ہریرہؓ کو اس بات پر گواہ بنا رہے تھے کہ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اے حسان رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (مشرکوں کو اشعار میں) جواب دو، اے اللہ حسان کی روح القدس (جبریل علیہ السلام) کے ذریعے مدد کیجئے، حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہاں (میں گواہ ہوں)

متعلق حدیث: حدیث بخاری میں اگرچہ مسجد کا ذکر نہیں ہے مگر بخاری بدء الخلق میں حدیث لائیں گے، وہاں مسجد میں حضرت حسانؓ کے شعر پڑھنے کا ذکر ہے، مگر جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا اس سے امام بخاری عام طور سے مسجد میں اشعار پڑھنے کیلئے تو استدلال نہیں کر سکتے، یہاں تو خود حضور علیہ السلام کے حکم سے شرعی ضرورت سے پڑھوائے گئے تھے، جس سے وہ اس وقت عبادت کے حکم میں ہو گئے تھے، لہٰذا اس سے توسیع کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا (یہ حدیث بدء الخلق باب ذکر الملائکه میں ص ۴۵۶ پر، یہاں امام بخاری نے مسجد میں اشعار پڑھنے کے جواز کے لئے باب الشعر فی المسجد قائم کیا ہے اور حدیث الباب سے مطابقت نہیں ہے۔ (مؤلف)

تشریح: مشرکین عرب آں حضور ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ حضرت حسانؓ خاص طور سے ان کا جواب دیتے تھے۔ آپ دربار نبوی کے بلند پایہ شاعر تھے اور مشرکوں کو خوب جواب دیتے تھے۔ آپ کے اس سلسلے میں واقعات بکثرت منقول ہیں۔ آں حضور ﷺ آپ کے جواب سے محظوظ ہوتے اور دعائیں دیتے۔ مسجد نبوی میں آپ کے لئے خاص طور سے منبر رکھ دیا جاتا اور آپ اسی پر کھڑے ہو کر صحابہؓ کے مجمع میں اشعار سناتے جس میں خود نبی کریم ﷺ بھی تشریف فرما ہوتے۔ امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسجد میں اشعار پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ شریعت کی حدود سے باہر نہ ہوں۔ کیونکہ خود آنحضور علیہ السلام حضرت حسان کے ذریعے مشرکین کا عرب کے خاص مزاج کے پیش نظر جواب دلواتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام طحاویؒ نے اس پر باب باندھا ہے اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر مسجد میں آواز زیادہ بلند نہ ہو اور اشعار میں مطالب بھی درست ہوں تو پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔ حضرت حسانؓ کو شاہد بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مسجد میں اشعار پڑھنے کی وجہ سے سزا دینی چاہی تھی، اس پر انھوں نے حدیث سے مدد لی۔ یہاں محقق عینیؒ نے لفظ نشد و انشد کی لغوی بحث بہت عمدہ کی، اور بتلایا کہ اس کا استعمال نشدتک اللہ لازمی ہی صحیح ہے اور یہ معنیٰ متعدی ہے لیکن فعل متعدی انشد تک باللہ کہنا غلط ہوگا۔ (عمدہ ص ۳۰۲ ج ۲) (اس سے متعلق ایک شذرہ ص ۵۷ پر درج ہو گیا ہے)

علمی واصولی (فائدہ)

اسی مناسبت سے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی فرمایا حق تعالیٰ کے لئے فعل لازم جیسے استوی، نزل وغیرہ آتا ہے تو ان کے مابعد متعلقات صفت خداوندی ہوتے ہیں مثلاً قول باری تعالیٰ "استوی علی العرش میں معنی یہ ہوگا کہ صفت استواء کا تعلق عرش کے ساتھ ہوا اور اگر فعل متعدی ہو تو اس کا مابعد مفعول بہ ہوگا جیسے خلق السموات والارض میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ استواء ونزول کو ذات خداوندی سے متعلق سمجھنا صحیح نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں نے (مثل ابن تیمیہ) ان کو ذات سے متعلق کر کے استواء کو بمعنی استقرار وتمکن وجلوس علے العرش مراد لیا یا نزول مثل اجسام سمجھا ہے، اس کی پوری بحث بخاری کی کتاب التوحید میں آئے گی، ان شاء اللہ۔ والامر بید اللہ (علامہ ابن تیمیہ کے تفردات جلد سابق میں بھی بیان ہوئے ہیں)

باب اصحاب الحراب فی المسجد

(نیزے والے مسجد میں)

۴۳۸۔ حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعدعن صالح ابن کیسان عن ابن شھاب قال اخبرنی عروۃ بن الزبیران عائشۃ قالت لقد رایت رسول اللہ ﷺ یوماً علےٰ باب حجرتی و الحبشۃ یلعبون فی المسجد و رسول اللہ ﷺ لیسترونی بردائہ انظرالیٰ لعبھم زاد ابراھیم بن المنذر قال حدثنا ابن وھب قال اخبرنی یونس عن ابن شھاب عن عروۃ عن عائشۃقالت رایت النبی ﷺوسلم والحبشۃ یلعبون بحرابھم۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک دن اپنے حجرہ کے دروازے پر دیکھا اس وقت حبشہ کے لوگ مسجد میں کھیل رہے تھے، رسول ﷺ اپنی چادر سے مجھے چھپا رہے تھے، تاکہ میں ان کے کھیل کو دیکھ سکوں، ابراہیم بن منذر سے حدیث میں یہ زیادتی منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہم سے ابن وہب نے بیان کیا مجھے یونس نے ابن شہاب کے واسطہ سے خبر پہنچائی وہ عروہ سے وہ عائشہؓ سے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جبکہ حبشہ کے لوگ چھوٹے نیزوں (حراب) سے مسجد میں کھیل رہے تھے۔

تشریح: بعض مالکیہ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ مسجد میں نہیں کھیل رہے تھے بلکہ مسجد سے باہر ان کا کھیل ہو رہا تھا حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ یہ بات امام مالک سے ثابت نہیں ہے اور ان کی تصریحات کے خلاف ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے اس کھیل پر ناگواری کا اظہار کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نیزوں سے کھیلنا صرف کھیل کود کے درجے کی چیز نہیں ہے، بلکہ اس سے جنگی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں جو دشمن کے مقابلے کے وقت کام آئیں گی۔

مہلبؒ نے فرمایا ہے کہ مسجد چونکہ دین کے اجتماعی کاموں کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے وہ تمام کام جن سے دین کی اور مسلمانوں کی منفعتیں وابستہ ہیں مسجد میں کرنا درست ہیں اگرچہ بعض اسلاف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد میں اس طرح کے کھیل قرآن وسنت سے منسوخ ہوگئے ہیں، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ازواج مطہرات کے ساتھ کس درجہ حسن معاشرت کا لحاظ رکھتے تھے۔

علامہ عینی نے یہ بھی لکھا کہ اس سے مباح کھیل کے دیکھنے کا جواز نکلتا ہے اور عورتوں پر مردوں سے پردہ کا وجوب بھی معلوم ہوا (عمدہ ص۲۰۶ج۲) اس حدیث سے عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنے کا جواز اس لئے صریح نہیں کہ مقصد کھیل دیکھنا تھا، نہ مردوں کو دیکھنا کہ وہ تبعاً تھا، پھر یہ کہ فتنہ عورتوں کے مردوں کو دیکھنے میں نسبتاً زیادہ ہے کہ وہ جلد متاثر ہوتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حراب کا کھیل ایسا تھا جیسے ہمارے یہاں گدکا کھیلتے ہیں، پھر فرمایا کہ میرے پاس امام مالکؒ سے تصریح موجود ہے کہ یہ کھیل مسجد سے باہر حصہ میں تھا اور حضرت عائشہ مسجد میں تھیں اور امام مالکؒ مدینہ کے واقعات جاننے میں امام بخاری سے آگے ہیں، لہٰذا امام بخاری کا اس سے توسیع نکالنا درست نہیں۔

باب ذکر البیع والشرآء علی المنبر فی المسجد

(مسجد کے منبر پر خرید وفروخت کا ذکر)

(۴۳۹) حدثنا علی بن عبداللہ قال حدثنا سفین عن یحیی عن عمرة عن عائشة قالت اتتها بریرة تسألها فی کتابتها فقالت ان شئت اعطیت اھلک ویکون الولاء لی وقال اھلھا ان شئت اعطیتھا ما بقی وقال سفین مرة ان شئت اعتقتھا ویکون الولاء لنا فلما جاء رسول اللہ ﷺ ذکرته ذلک فقال ابتا علیھا فاعتقیھا فانما الولاء لمن اعتق ثم قام رسول اللہ ﷺ علی المنبر وقال سفین مرة فصعد رسول اللہ ﷺ علی المنبر فقال ما بال اقوام یشترطون شروطا لیس فی کتاب اللہ من اشترط شرطاً لیس فی کتاب اللہ فلیس له وان اشترط مائة مرة ورواہ مالک عن یحییٰ عن عمرة ان بریرة ولم یذکر صعد المنبر.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت بریرہؓ ان سے کتابت کے بارے میں مشورہ لینے آئیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے آقاؤں کو (تمہاری قیمت) دے دوں (اور تمہیں آزاد کر دوں) اور تمہارا ولاء کا تعلق مجھ سے قائم ہو اور بریرہ کے آقاؤں نے کہا (حضرت عائشہؓ سے) کہ اگر آپ چاہیں تو جو قیمت باقی رہ گئی ہے وہ دیدیں اور ولاء کا تعلق ہم سے قائم رہے رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو میں نے ان سے تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو اور ولاء کا تعلق تو اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو آزاد کر دے پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے، سفیان نے (اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے) ایک مرتبہ کہا پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو ایسی شرائط کرتے ہیں جن کا کوئی تعلق کتاب اللہ سے نہیں ہے، جو شخص بھی کوئی ایسی شرط کرے گا جو کتاب اللہ میں ذکر شدہ شرائط کے مناسب نہیں ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی چاہے سو مرتبہ کرے اس حدیث کی روایت مالک نے یحییٰ کے واسطہ سے کی وہ عمرہ سے کہ بریرہ اور انہوں نے منبر پر چڑھنے کا ذکر نہیں کیا ہے الخ۔

تشریح: کوئی غلام اپنے آقا سے طے کرلے کہ ایک متعینہ مدت میں اتنا روپیہ یا کوئی اور چیز وہ اپنے آقا کو دے گا اگر وہ اس مدت میں وعدہ کے مطابق روپیہ آقا کے حوالہ کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا اسی کو کتابت یا مکاتبت کہتے ہیں، غلام کی آزادی کے بعد بھی آقا اور غلام میں ایک تعلق شریعت نے باقی رکھا ہے، جسے ولاء کہتے ہیں اور اس کے کچھ حقوق بھی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک مسجد میں خرید وفروخت کے لئے بھاؤ طے کرنا اور ایجاب وقبول جبکہ وہ سامان مسجد میں نہ ہو، معتکف کے لئے جائز ہے اور حدیث الباب ہمارے مخالف نہیں ہے، کیونکہ یہاں صرف مسئلہ بیان ہوا ہے نہ بیع ہوئی نہ شراء اور حدیث ابی داؤد وغیرہ میں عقد بیع وشراء فی المسجد کی ممانعت موجود ہے۔

مکاتب کی بیع ہمارے یہاں جائز نہیں، دوسروں کے نزدیک جائز ہے مگر ہمارے یہاں مکاتب کے بدل کتابت سے عاجز ہونیکی شکل میں جائز ہے اور یہاں جو حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کو خرید کر آزاد کر دو تو بظاہر عجز ہی کی صورت میں خریدنے کو فرمایا ہوگا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ **اشترطی لھم الولاء** کہ تم ان کے لئے ولا کی شرط کرلو تو اس پر اشکال ہوا کہ جب شرط بیکار ہے اور ہر صورت ولا حضرت عائشہؓ کے لئے ہوتا تو پھر ایسی بے فائدہ شرط کرنے کو کیوں فرمایا، دوسرے یہ کہ اس میں خلف وعدہ بھی لازم ہوا کہ شرط کر کے پھر بھی ولاء کا حق ان کو نہیں دے سکتی تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری میں ہی دوسرے طریق سے **دعیھم لیشترطوا** آیا ہے کہ ان کو شرط کرنے دو، ولاء تو اسی کا ہوگا جو آزاد کرے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ

نے اس موقع پر ایک تحقیق شروط ملائمہ وغیر ملائمہ کی ذکر فرمائی جو میرے امالی درس میں بھی ہے اور فیض الباری ص ۵۶ ج ۲ میں بھی ہے، وہاں دیکھ لی جائے، بخوف طوالت ترک کرتا ہوں، عمدۃ القاری ص ۴۱۳ ج ۲ میں بھی اس کی اچھی تفصیل وتحقیق ہے، قابل مطالعہ اور حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ ہدایہ میں کفالۃ وبیع فاسد کے بیان میں بھی ملائم وغیر ملائم کی قدرے تفصیل ہے۔

باب التقاضی والملازمة فی المسجد

(قرض کا تقاضا کرنا اور مسجد میں بھی قرضدار کا پیچھا کرنا)

(۴۴۰) حدثنا عبدالله بن محمد قال حدثنا عثمان بن عمر قال اخبرنی یونس عن الزهری عن عبدالله بن کعب بن مالک عن کعب انه تقاضی ابن ابی حدرد دینا کان له علیه فی المسجد فارتفعت اصواتهما حتیٰ سمعها رسول الله ﷺ وهو فی بیته فخرج الیهما حتیٰ کشف سجف حجرته فنادیٰ یا کعب قال لبیک یا رسول الله قال ضع من دینک هذا واوماً الیه ای الشطر قال لقد فعلت یا رسول الله قال قم فاقضه.

ترجمہ: حضرت کعب سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضہ کیا (اسی دوران میں) دونوں کی گفتگو تیز ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے حجرۂ شریفہ سے سن لیا، آپ پردہ ہٹا کر باہر تشریف لائے اور پکارا کعب! کعبؓ، بولے لبیک یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے قرض میں سے اتنا کم کردو، آپ کا اشارہ تھا کہ آدھا کم کردیں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے کردیا، پھر آپ نے ابی حدرد سے فرمایا اچھا اب اٹھو اور ادا کردو۔

تشریح: یہاں تو صرف قرض کے تقاضے کا ذکر ہے، ملازمت کا نہیں، مگر باب الصلح میں امام بخاری اس حدیث کو پھر لائیں گے اور وہاں فلقیہ فلزمہ ہے کہ قرض دار سے ملے اور پھر اس کو چھوڑا نہیں، اس طرح آدھا موضع ترجمہ یہاں ہے اور آدھا وہاں ہے اس کو امام بخاری کے کمالات سے گنا گیا ہے کہ حدیث کے تمام طرق ومتون میں ذہن گھومتا رہا ہے اور یہی فن حدیث میں کمال کی نشانی ہے اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کسی حدیث کے تمام متون وطرق روایت پر نظر نہ ہو، پوری طرح کسی مسئلہ کی تنقیح نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ امام اعظم پر ہزاراں ہزار رحمتیں بھیجے کہ انہوں نے تدوین فقہ کے وقت اس امر کی بہت ہی زیادہ رعایت رکھی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ احادیث ناسخہ ومنسوخہ کا بھی ان کے پاس بہت بڑا علم تھا۔

قولہ وهو فی بیته: کہ آپ اس جھگڑے کے وقت اپنے گھر میں تھے، آگے ہے کہ آپ ان کی آواز سن کر حجرہ شریفہ سے نکلے اور حجرۂ شریفہ کا پردہ ہٹایا (سجف اس پردہ کو کہتے ہیں جس کے دو حصے ہوں ملے ہوئے دو کواڑوں کی طرح، کذا فی العمدہ ص ۴۱۶ ج ۲ غالباً جس طرح آج کل بھی کمرہ کے دروازوں پر پردے ڈالتے ہیں، جو دائیں بائیں سمٹ کر کھل جاتے ہیں) دوسری شرح بعض شارحین نے یہ کی ہے کہ حضور علیہ السلام اس وقت گھر میں نہیں بلکہ مسجد میں معتکف تھے، جو بوریوں سے بنایا گیا تھا، حافظ عینی نے یہاں کچھ وضاحت نہیں کی، مگر بیت اور سجف کے الفاظ پہلی شرح کو ترجیح دے رہے ہیں کہ بوریوں کے معتکف کی یہ شان نہیں ہوتی، یوں راویوں کے بیان میں بھی فروق ہوجاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے اسی جھگڑے کیوجہ سے اس سال کی لیلۃ القدر کی تعیین کا علم ذہن مبارک نبوی سے نکل گیا ہو، یا وہ کوئی اور جھگڑا ہوگا۔ واللہ اعلم

قولہ فاقضه: حضرتؒ نے فرمایا کہ بعض امور کا تعلق مروۃ وحسن معاملہ سے ہوتا ہے، مگر بعض علماء ان کو فقہی جواز عدم جواز کی طرف کھینچ لیتے ہیں، یہ اچھا نہیں اور ایک بیدار مغز عالم کو تیقظ سے کام لینا چاہئے۔

نیز فرمایا کہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں کلام فی المسجد کے لئے لکھ دیا کہ وہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے، حالانکہ بحر میں قید لگائی ہے کہ اگر مسجد میں باتیں کرنے کے ارادے سے جائے اور باتیں کرے تو مکروہ ہے، ورنہ اگر گیا تو نماز ہی کے لئے تھا اور وہاں سے کسی سے باتیں کیں تو گناہ نہیں ہے۔

باب کنس المسجد و التقاط الخرق و القذیٰ العیدان

(مسجد میں جھاڑو دینا اور مسجد سے چیتھڑے، کوڑے کرکٹ اور لکڑیوں کو چن لینا)

(۴۴۱) حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید عن ثابت عن ابی رافع عن ابی ھریرة ان رجلاً اسود او امرأة سوداء کان یقم المسجد فمات فسأل النبی ﷺ عنه فقالو مات فقال افلا کنتم اذ نتمونی به دلونی علی قبره او قال قبرھا فاتی قبرھا فصلی علیھا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی ایک دن اس کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا لوگوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کرگئی آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا اچھا اس کی قبر تک مجھے لے چلو، پھر آپ قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری اپنی عادت کے موافق بہت سی ان جزئیات پر بھی ابواب و تراجم کو پھیلا دیتے ہیں جن کا ذکر احادیث میں آگیا ہے اگرچہ ان پر مسائل و احکام کا دارومدار بھی نہیں ہوتا، چنانچہ یہاں مسجد میں جھاڑو دینے پر باب قائم کر دیا جبکہ وہ نہ کوئی خاص مسئلہ ہے نہ کسی کو اس سے اختلاف، صرف فضیلت مقصد بن سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کوڑے کرکٹ کو مسجد سے باہر کرنے کو مسجد کی کنکریاں باہر نکالنے کے حکم سے الگ سمجھا جائے کیونکہ ابوداؤد میں باب فی حصی المسجد کو باب فی کنس المسجد سے الگ باندھا ہے اور اس میں ہے کہ اگر کنکریوں کو کوئی باہر نکالے تو وہ اس کو قسم دیتی ہیں کہ مجھے خدا کے واسطے مسجد میں رہنے دے، تاکہ ان کو مسجد ایسی مبروک و مبارک جگہ میں رہنے کا شرف و فضل حاصل رہے یا اس لئے کہ نمازیوں کو ان سے آرام ملے گا۔ (بذل ص ۲۶۵ ج ۱)

حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر ان کا مسجد میں رہنا صفائی کیخلاف ہو یا بے ضرورت ہوں تو نکالنا ہی افضل ہوگا، اگرچہ وہ اپنے فضل و شرف کے لئے قسم دیتی رہیں گی، لیکن جسطرح مسجد حرام یا مسجد نبوی میں کنکریاں بچھی رہتی ہیں، ان کے متعدد فوائد ہیں، اس لئے ان کو نہ نکالنا ہی افضل ہوگا (کہ ان کی وجہ سے فرش گرم نہیں ہوتا اور بارش ہو جائے تو وہ جگہ پھر بھی نماز کے لائق رہتی ہے وغیرہ ابتداء اسلام میں اسی لئے مسجد نبوی میں کنکریاں ڈالی گئی تھیں۔ واللہ اعلم)

قولہ فصلی علیھا: حضور علیہ السلام نے اس عورت کی قبر پر تشریف لے جا کر نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ دوسرے صحابہ نے بھی پڑھی (کذا فی موطأ امام مالکؒ) اس بارے میں اختلاف مذاہب اس طرح ہے:- امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ فقط ولی[1] پڑھ سکتا ہے اور وہ دوسری اموات کی بھی پڑھ سکتا ہے اگرچہ اس کے علاوہ دوسروں نے بھی پڑھی ہو اور اس کو امام ابویوسف نے تین روز تک جائز بتلایا ہے، امام شافعی، احمد، داؤد ظاہری اور ایک جماعت کہتی ہے کہ قبر پر ہر شخص نماز پڑھ سکتا ہے جس کی بھی رہ گئی ہو، ابن القاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے کہا آپ اس حدیث مذکور کا کیا جواب دیتے ہیں؟ تو فرمایا یہ حدیث تو صحیح ہے مگر اس پر عمل نہیں ہے (امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث چھ طرق

---

[1] حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے بعض مشائخ سے اس امر کا بھی جواز منقول ہے کہ ولی کے ساتھ دوسرے بھی جو رہ گئے ہوں نماز پڑھ سکتے ہیں، یہاں بھی عورت کی نماز میں دوسرے صحابہ شریک ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ولی حضرت صدیق اکبرؓ تھے اور آپ نے خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے آخر میں حضور کی نماز پڑھی ہے اور یہ بھی روایت میں نے دیکھی ہے کہ آپ کے ساتھ بھی بعض صحابہ نے نماز پڑھی تھی۔

حسان سے ثابت ہے، علامہ ابن عبدالبر نے کہا بلکہ نو وجوہ حسان سے اور پھر تمہید میں وہ تمام طرق ذکر کئے علامہ زرقانی نے ایک کا اضافہ کیا، کل دس ہوئے) پھر علامہ ابن رشد نے لکھا کہ امام ابوحنیفہ نے غالباً ان احادیث پر اپنے قاعدہ کے موافق اخبار آحاد ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کیا، وہ کہتے ہیں کہ ایسی اخبار آحاد جو باوجود عموم بلویٰ کے بھی مشہور و منتشر نہ ہوئی ہوں اور نہ ان پر عام طور سے عمل کیا گیا ہو، یہ ان کے ضعف کی دلیل ہے اور اس لئے ان کے صدق کا غلبۂ ظن نہیں ہوتا بلکہ منسوخ ہونے کا بھی گمان ہوتا ہے۔

ابن رشد اور حنفیہ

علامہ نے اس کے بعد یہ بھی لکھا کہ ہم مالکیہ کا اصول تعامل و عدم تعامل اہل مدینہ سے استدلال کا پہلے بتا چکے ہیں اور اس نوع استدلال کا نام حنفیہ نے عموم بلویٰ رکھا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں جنس واحد سے ہیں۔ (بدایۃ المجتہد ص ۲۰۳ ج ۱)

حنفیہ پر رد اخبار آحاد کا بڑا اعتراض ہوا ہے، یہاں علامہ ابن رشد نے بڑے کام کی بات کہی ہے اس لئے اس کو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور مذاہب کے بارے میں بھی ان کی تنقیح عمدہ اور معتمد ہوتی ہے، اس لئے ذکر کی گئی۔

افادات انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث الباب میں بھی حنفیہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام ساری امت کے ولی تھے، لہٰذا آپ نے بھی آخر میں قبر پر جا کر پڑھی، جبکہ اس کی نماز پہلے پڑھی جا چکی تھی اور خصائص کبریٰ سیوطی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی شرکت ممکن ہوتے ہوئے بغیر آپ کے کسی کی نماز جنازہ درست ہی نہ تھی یہ رائے جن حضرات کی تھی، میرے نزدیک بہت ہی حق و صواب تھی اور یہ بات تتبع آثار سے بھی ثابت معلوم ہوتی ہے کہ نماز خواہ وہ وقتیہ تھی یا نماز جنازہ کی وہ بدوں حضور کے صحیح نہ تھی اور غالباً حضرت صدیق اکبرؓ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جب مرض وفات نبوی میں حضور نے اپنی جگہ امامت کے لئے فرمایا کہ ابن ابی قحافہ کی کیا مجال ہے کہ آپ کے سامنے آگے بڑھے، مقصد یہ تھا کہ غیر نبی کو نبی کا امام بننے کا حق نہیں ہے، لیکن یہ بھی مسند احمد میں ہے کہ کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی امتی اس کا امام نہ بنے اور گویا یہی قرب وفات نبوی کی نشانی ہوتی ہے کیونکہ دین مکمل ہو چکا اور امت اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بن گئی، حتی کہ ایک امتی اپنے نبی کا امام بھی بننے کے لائق ہو گیا، اگر کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت حضرت مہدی علیہ السلام کیونکر امامت کریں گے جبکہ غیر نبی، نبی کا امام نہیں ہو سکتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صرف پہلی نماز پڑھیں گے اور وہ بھی باجازت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوگی اور اس لئے بھی کہ اقامت ہو چکی ہوگی، حضرت مہدی مصلائے امامت پر پہنچ چکے ہوں گے صرف تحریمہ باقی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفعۃً اتر کر شرکت نماز فرمائیں گے اور اس وقت حضرت مہدی کو مصلائے امامت سے پیچھے ہٹانا اس لئے بھی مناسب نہ ہوگا کہ اس سے عدم اہلیت امامت کا شبہ ہوگا اور اسی لئے بعض روایات میں حضرت عیسیٰ کا یہ فرمانا بھی منقول ہوا ہے کہ "انما لک اقیمت" (اقامت آپ ہی کے لئے کہی گئی ہے) اور شاید یہ الفاظ حضرت مہدی کے ارادہ تأخر ہی کو دیکھ کر آپ فرمائیں گے تاکہ پیچھے نہ ہٹیں، پھر پہلی نماز کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مستقل طور سے امام رہیں گے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب کی وجہ سے علوۃ علی القبر کا عدم جواز اس لئے بھی نہیں ثابت ہوتا کہ حضور علیہ السلام نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ ان قبور کے اندر اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور حق تعالیٰ میری نماز کی وجہ سے اہل قبور کے لئے نور عطا فرما دیتے ہیں (مسلم شریف) تو اس سے حضور کی خصوصیت معلوم ہوئی جو دوسروں کے لئے ثابت نہیں ہے اگر امام شافعی وغیرہ قائلین جواز الصلوٰۃ علی القبر اس کا ثبوت دیں تو دوسری بات ہے، ایسے ہی امام محمدؒ نے غائبانہ نماز کے بارے میں بھی خصوصیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ دوسرے حضور علیہ اسلام کی طرح نہیں ہیں۔

باب تحريم تجارة الخمر في المسجد

(مسجد میں شراب کی تجارت کی حرمت کا اعلان)

۴۴۲. حدثنا عبدان عن ابی حمزة عن الاعمش عن مسلم عن مسروق عن عائشة قالت لما انزلت الأيات من سورة البقرة في الربوٰا خرج النبی ﷺ الی المسجد فقرأهن علی الناس ثم حرم تجارة الخمر.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب سورہ بقرہ کی ربا سے متعلق آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور ان آیات کی لوگوں کے سامنے تلاوت کی، پھر شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

تشریح: یعنی شراب جیسی حرام وخبیث چیز کی حرمت کا مسئلہ مسجد کے اندر بیان کیا جاسکتا ہے، شراب اور ربوا کا حکم ساتھ اس لئے بیان کیا کہ سود کھانے والے اور شراب پینے والے یکساں طور سے شیطان کے زیر اثر ہوتے ہیں، حرمت ربوا کی تاریخ امام طحاوی کی مشکل الآثار میں دیکھی جائے یہ بھی اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے اصول سے دارالحرب میں ربوا حلال ہے یعنی مسلم کو کافر سے لینا (کیونکہ اموال کفار دارالحرب کے لئے عصمت موثمہ حاصل نہیں ہے، التفصیل باقی فی محلہ، ان شاءاللہ)

باب الخدم للمسجد وقال ابن عباس نذرت لک مافي بطني محررا للمسجد يخدمه

(مسجد کے لئے خادم) حضرت ابن عباسؓ نے (قرآن کی اس آیت) "جو اولاد میرے بطن میں ہے اسے تیرے لئے آزاد چھوڑنے کی میں نے نذر مانی ہے" کے متعلق فرمایا کہ مسجد کے لئے چھوڑ دینے کی نذر مانی تھی کہ اس کی ایک خدمت کیا کریگا)

۴۴۳. حدثنا احمد بن واقد حدثنا حماد عن ثابت عن ابی رافع عن ابی هريرة ان امرأة او رجلاً كانت تقم المسجد ولا اراه الا امرأة فذكر حديث النبی ﷺ انه صلے علی قبرها.

ترجمہ ۴۴۳: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت یا مرد مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، ثابت نے کہا میرا خیال ہے کہ وہ عورت ہے پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حدیث نقل کی کہ آپ نے اس کی قبر پر نماز پڑھی۔

تشریح: یہ حضرت عمران کی بیوی اور حضرت مریم کی والدہ کا واقعہ ہے اور آپ نے نذر مانی تھی کہ میرا جو بچہ پیدا ہوگا اسے مسجد کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی، امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گذشتہ امتوں میں بھی مساجد کی تعظیم کے پیش نظر اپنی خدمات اس کے لئے پیش کی تھیں اور وہ اس میں اس حد تک آگے تھے کہ اپنی اولاد کو مسجد کی خدمت کے لئے وقف بھی کردیا کرتے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان امتوں میں اولاد کو نذر کردینا صحیح تھا، چونکہ لڑکوں کی نذر یہ لوگ کیا کرتے تھے اور امرءة عمران کے لڑکی پیدا ہوئی، اس لئے آپ نے اپنے رب سے معذرت کی کہ "میرے رب میرے تو لڑکی پیدا ہوئی، الآیہ۔

باب الاسير او الغريم يربط في المسجد

۴۴۴. حدثنا اسحاق بن ابراهيم قال انا روح و محمد بن جعفر عن شعبة عن محمد ابن زياد عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال ان عفريتا من الجن تفلت علی البارحة او كلمة نحوها ليقطع علی الصلوٰة فامكنني الله منه واردت ان اربطه الیٰ سارية من سواری المسجد حتیٰ تصبحو وتنظرو اليه كلكم فذكرت قول اخي سليمان رب هب لي ملكاً لا ينبغي لاحد من بعدی قال روح فرده خاسئاً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ گذشتہ رات ایک سرکش جن اچانک میرے پاس

آیا، یا اسی طرح کی کوئی بات آپ نے فرمائی وہ میری نماز میں خلل انداز ہونا چاہتا تھا، لیکن خداوند تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دے دی اور میں نے سوچا کے مسجد کے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تا کہ صبح کو تم سب بھی اسے دیکھو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آ گئی "اے رب مجھے ایسا ملک عطا کیجئے جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو" راوی حدیث روح نے بیان کیا کہ آں حضور نے اس شیطان کو نامراد واپس کر دیا۔

تشریح: عہد نبوت میں جیل خانہ نہ تھا، بلکہ مسجد میں بٹھلا دیتے تھے اور وہاں سے کہیں کو جانے نہ دیتے تھے، پہلا جیل خانہ حضرت عمر نے مکہ معظمہ میں ایک گھر خرید کر بنایا تھا (افادہ الشیخ الانورؒ)

عفریت:- سرکش، طاغی، تفلت علی:- مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ جن یا شیطان بلی کی شکل میں آیا تھا اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی میں ہے کہ وہ آپ کی طرف آگ کا شعلہ لے کر بڑھا تا کہ آپ گھبرا کر نماز توڑ دیں۔

قولہ لاینبغی لاحد من بعدی

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اس دعاء سلیمانی کو ظاہر و عموم پر رکھا، ورنہ اس ایک واقعہ سے اس دعا کی حقیقی مراد پر کوئی اثر نہ پڑتا، پھر فرمایا کہ دعاؤں اور نذروں کے الفاظ و ظاہر پر ہی حکم ہوتا ہے، غرض و معنی پر نہیں، جیسا کہ مسند احمد میں ہے، ایک دفعہ حضور علیہ السلام حضرت عائشہؓ کے پاس تھے، کسی بات پر آپ نے ان کو فرمادیا، مالک قطع الله یدیک (تمہیں کیا ہوا، اللہ تمہارے ہاتھ کاٹے) پھر باہر تشریف لے گئے، واپس آئے تو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے خون نکل رہا تھا، فرمایا، یہ کیا؟ کہا کہ دعا آپ کی! پھر آپ نے دعا فرمائی تو اچھا ہو گیا اور اسی لئے حدیث مشکوٰۃ میں ہے کہ اولاد کو بد دعا نہ دو! ممکن ہے کہ وقت قبولیت ہی کا ہو، حضور نے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا، مگر تکوین الٰہی آپ کے الفاظ ہی پر جاری ہو گئی۔

باب اغتسال اذا اسلم و ربط الا سیر ایضاً فی المسجد و کان شریح یامر الغریم ان یحبس الیٰ ساریة المسجد

(اسلام لانے کے وقت غسل کرنا اور قیدی کو مسجد میں باندھنا، قاضی شریحؒ قرضدار کے متعلق حکم دیا کرتے تھے کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے)

۴۴۵. حدثنا عبدالله بن یوسف قال حدثنا اللیث قال حدثنی سعید بن ابی سعید انه سمع ابا هریرة قال بعث النبی ﷺ خیلاً قبل نجد فجآء ت برجل من بنی حنیفة یقال له ثما مة بن اثال فربطوه بسارية من سواری المسجد فخرج الیه النبی ﷺ فقال اطلقوا ثمامة فانطلق الی نخل قریب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے چند سوار نجد کی طرف بھیجے، یہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا پکڑ لائے، انہوں نے قیدی کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو (رہائی کے بعد) ثمامہ مسجد نبوی سے قریب ایک باغ تک گئے اور غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوئے اور کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اسلام لانے کے لئے غسل مستحب ہے اور غسل جنابت بعد الاسلام کے لئے شرح وقایہ سے تفصیل دیکھی جائے یعنی جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے والا جنبی نہ ہو تو اسلام لانے کے لئے غسل واجب نہیں ہے، البتہ امام احمد واجب کہتے ہیں، لامع الدراری ص ۱۸۰ ج ا میں بھی اچھی تفصیل ہے۔

باب الخیمة فی المسجد للمرضیٰ وغیرهم

(مسجد میں مریضوں وغیرہ کے لئے خیمہ)

۴۴۶. حدثنا زکریا بن یحییٰ قال حدثنا عبداللہ بن نمیر قال حدثنا هشام عن ابیه عن عائشة قالت اصیب سعد یوم الخندق فی الاکحل فضرب النبی ﷺ خیمة فی المسجد لیعوده من قریب فلم یرعهم وفی المسجد خیمة من بنی غفار الا الدم یسیل الیهم فقالو یآهل الخیمة ما هذاالذی یاتینا من قبلکم فاذا سعد یغذو جرحه دماً فمات منها.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ غزوہ خندق میں سعدؓ کے بازو کی ایک رگ (اکحل) میں زخم آیا تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ایک خیمہ نصب کرادیا تھا تاکہ آپ قریب رہ کر ان کی دیکھ بھال کیا کریں، مسجد ہی میں بنی غفار کے لوگوں کا بھی ایک خیمہ تھا، سعدؓ کے زخم کا خون (جو رگ سے بکثرت نکل رہا تھا) بہہ کر جب ان کے خیمہ تک پہنچا تو وہ گھبرا گئے، انہوں نے کہا خیمہ والو؟ تمہاری طرف سے یہ کیسا خون ہمارے خیمہ تک آتا ہے، پھر انہیں معلوم ہوا کہ یہ خون سعدؓ کے زخم سے بہا ہے، حضرت سعدؓ کا انتقال اسی زخم کی وجہ سے ہوا۔

تشریح: امام بخاریؒ مسجد کے احکام میں بڑی توسع کا مسلک رکھتے ہیں، اس حدیث سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ زخمیوں اور مریضوں وغیرہ کو بھی مسجد میں رکھا جاسکتا ہے بلا کسی خاص مجبوری کے، حدیث میں جو واقعہ ذکر ہوا ہے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی سے اس کا تعلق ہے، لیکن سیرت ابن اسحاق میں یہی واقعہ جس طرح بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مسجد نبوی کا نہیں بلکہ کسی اور مسجد سے اس کا تعلق ہے پھر یہاں خاص طور پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب غزوات وغیرہ میں تشریف لے جاتے تو نماز پڑھنے کے لئے کوئی خاص جگہ منتخب فرمالیتے اور چاروں طرف سے کسی چیز کے ذریعہ اسے گھیر دیتے تھے، اصحاب سیر ہمیشہ اس کا ذکر مسجد کے لفظ سے کرتے ہیں حالانکہ فقہی اصول کی بناء پر مسجد کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا اور نہ مسجد کے احکام کے تحت ایسی مساجد آتی ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قیام بھی اسی طرح کی مسجد میں تھا، کیونکہ غزوہ خندق سے فراغت کے فوراً بعد آں حضور ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تھا اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ وہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تھے، اس لئے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جب فوراً ہی بعد آپ بنو قریظہ کے محاصرہ کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت سعدؓ کو اپنے قریب رکھ کر ان کی دیکھ بھال کے لئے آپ نے اسی مسجد میں انہیں ٹھیرایا ہوگا جو بنو قریظہ کے محاصرہ کے وقت آپ نے وقتی طور پر نماز پڑھنے کے لئے بنائی ہوگی، نماز پڑھنے کے لئے ایسی کوئی جگہ جسے اصحاب سیر مسجد لکھا کرتے ہیں، مسجد کے حکم میں نہیں ہے اور زخمی یا مریض کو بلا کسی خاص ضرورت کے ایسی مسجد میں ٹھہرانا درست ہے، مسجد نبوی بنی قریظہ سے فاصلہ پر واقع ہے اس لئے جس وقت آپ بنو قریظہ کا محاصرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اگر حضرت سعدؓ کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا ہوتا تو پھر انہیں قریب رکھ کر عیادت کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔

امام بخاری کے "باب الخیمة فی المسجد" سے بظاہر یہی متبادر ہے کہ وہ خیمہ حضرت سعدؓ کو بھی مسجد نبوی سمجھے ہیں اور حافظ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے مگر حضور اکرم ﷺ کا یہ حکم کہ حضرت سعدؓ کا خیمہ مسجد میں لگا دیا جائے تاکہ قریب سے ان کی دیکھ بھال فرماسکیں، بنی قریظہ سے کئی میل کے فاصلہ پر کس طرح ہوسکتا تھا، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ان کا الگ سے چھوٹا خیمہ آپ نے بنی قریظہ والی مسجد میں نصب کرایا ہوگا جہاں آپ غزوہ خندق سے فارغ ہوتے ہی تشریف لے گئے تھے کہ گھر آکر پوری طرح غسل بھی نہ کر پائے تھے اور حضرت جبرئیل حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں گھوڑے پر سوار باب جبریل پر آگئے اور فرمایا کہ ہم فرشتوں کی فوج نے ابھی تک ہتھیار نہیں کھولے اور حکم ربی ہے کہ فوراً بنی قریظہ کا محاصرہ کیا جائے، اس وقت حضرت جبریل کے چہرہ وغیرہ پر غزوۂ خندق کا گرد و غبار بھی موجود تھا، چنانچہ حضور علیہ السلام

نے حضرت علیؓ کو ایک دستہ فوج صحابہ کیساتھ تو فوراً ہی روانہ فرمادیا اور حکم دیا کہ ہر شخص بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز عصر پڑھے لیکن وہ حضرات بعد مغرب تک ہی پہنچ سکے کیونکہ فاصلہ تقریباً چار میل کا تھا مسجد قبا دو میل ہے مسجد نبوی سے اور اتنا ہی فاصلہ وہاں سے بنو قریظہ تک اور ہے جیسا کہ نقشہ سے معلوم ہوگا پھر راستوں کے پیچ وخم الگ رہے کہ اس سے بھی میل سوا میل کا اضافہ ہوا ہوگا۔

اب رہا یہ کہ بظاہر رفیدہ کا خیمہ تو مسجد نبوی میں ہی رہا ہوگا تو حضرت سعدؓ کے خیمہ سے ان کے خیمہ تک خون کیونکر بہا ہوگا؟ اور اسی اشکال کی وجہ سے غالباً حافظؒ کا مذکورہ بالا رجحان ہوگا، مگر دوسری بات کے قرائن زیادہ ہیں مثلاً حضور علیہ السلام کا محاصرۂ بنی قریظہ جو تقریباً ایک ماہ رہا، ظاہر ہے کہ ۴، ۵ کلومیٹر کا فاصلہ یعودہ من قریب کے منافی ہے، دوسرے علامہ عینی نے لکھا جو بلند پایہ مورخ بھی ہیں کہ حضرت سعد کی وفات غزوہ خندق سے ایک ماہ بعد اور بنو قریظہ کے لئے فیصلہ دینے سے چند شب بعد ہوئی ہے (عمدہ ۴۲۸، ۴۵۸) تو بظاہر یہی ہے کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ نے بھی فیصلہ کے بعد بنو قریظہ کے محلّہ سے کوچ فرمالیا ہوگا اور مسجد نبوی میں آ گئے ہوں گے پھر ایک دو شب حضرت سعد کا خیمہ رفیدہ کے خیمہ سے قریب لگا ہوگا اور چونکہ اتنی مدت تک آپ کے بازو کی رگ سے خون نکلنا بند تھا، اس لئے مسجد کی تلویث کا بھی احتمال نہ رہا تھا، لیکن دوسری طرف حضرت سعد کی دعا بھی قبول ہو چکی تھی کہ "بارالٰہا! اگر اس کے بعد بھی کوئی غزوہ قریش سے کرنا باقی ہے تو مجھے بھی باقی رکھ لے ورنہ اپنے پاس بلالے" چنانچہ یہ دعا فوراً ہی قبول ہوگئی اور وہ خون کی رگ جس کو خود حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے داغ دے کر بند کر دیا تھا، وہ پھر سے کھل گئی اور حضرت سعد جاں بر نہ ہو سکے۔ ع "بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن"

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ لامع الدراری ص ۱۸۰ ج ا میں ایک احتمال یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت سعد کا خیمہ جس مسجد میں تھا وہ مسجد نبوی اور مسجد بنی قریظہ کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے جو غزوہ خندق کے موقع پر حضور علیہ السلام کی مسجد تھی اور اس احتمال کو غیر بعید بھی فرمادیا حالانکہ یہ ابعد بعید ہے کیونکہ حضور علیہ السلام جانب شمال کے غزوہ خندق سے فارغ ہو کر مسجد نبوی پہنچ کر جانب جنوب کے بنی قریظہ کیلئے ایک ماہ کے محاصرہ کے واسطے تشریف لے جا چکے ہیں اور یہ جگہ،.........نقشہ سے معلوم ہوگا کہ غزوہ خندق والی مسجد سے تقریباً ۸، ۹ میل دور ہو جاتی ہے تو قریب سے عیادت کا کیا مطلب بنے گا جو بخاری ہی کی اسی حدیث الباب میں مذکور ہے، دوسرے یہ کہ مسجد ذباب سے یا وہاں کے جنگل غیر آباد سے اب تعلق ہی کیا رہ گیا تھا کہ حضرت سعد کا خیمہ وہاں باقی رہتا یا لگوایا جاتا۔

چونکہ ایسے احتمالات بعیدہ کا منشاء پوری طرح پر دور نبوت کا نقشہ ذہن میں نہ ہونا ہے اس لئے ہم نے کوشش کر کے مدینہ طیبہ کا اور مسجد نبوی کا بھی اسی دور کا پیش کرنے کی سعی کی ہے، جس سے بہت سے دوسرے مقامات بھی سمجھنے میں آسانی ہوگی، ان شاء اللہ

ضروری ومختصر وضاحتیں

(اس کے ساتھ دونوں نقشے ملاحظہ کریں)

حرم مدینہ: مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں، مدینہ کے دونوں لابوں کے درمیان حرم ہے، اس میں شکار نہ کیا جائے اور اس کے کانٹے دار درخت بھی نہ کاٹے جائیں، اس امر میں اختلاف ہے کہ حرم مدینہ کے بعینہ وہی احکام ہیں جو حرم مکہ کے ہیں یا فرق ہے، اس کی بحث بخاری باب حرم المدینہ ص ۲۵۱ میں آئے گی، ان شاء اللہ۔

مسجد نبوی: ہم نے صرف اس حصہ کا نقشہ دیدیا ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں مسجد تھی، حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مسجد نبوی کے صرف تین دروازے تھے ایک جنوب کی طرف۔ دوسرا بجانب غرب جو باب الرحمہ کے مجازی تھا، تیسرا بجانب شرق جو پہلے باب آل عثمان کہلاتا تھا اور اب باب جبریل نام ہے، تحویل قبلہ کے بعد جنوبی دروازہ بند کر کے اس کے مقابل شمال میں دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ حضرت

عمرؓ نے اضافۂ مسجد نبوی کے وقت تین دروازوں کا اضافہ کر دیا تھا، ایک باب السلام، دوسرا باب النساء اور تیسرا موجودہ باب مجیدی کے مقابل پھر مہدی عباسی کے اضافہ کے وقت ۲۴ دروازے ہو گئے تھی۔

مسجد ذباب: جبل احد کے راستہ میں جبل ذباب کے قریب ہے جہاں غزوۂ خندق میں خیمۂ نبویہ نصب ہوا تھا۔ تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا تھا۔

مسجد بنی قریظہ: ایام محاصرۂ یہود بنی قریظہ حضور علیہ السلام نے یہاں تقریباً ایک ماہ نمازیں پڑھی تھیں۔

مسجد الفضیخ: عوالی کے شرق میں بلندی پر واقع ہے، یہود بنی نضیر کے محاصرہ کے وقت حضور علیہ السلام نے یہاں ۶ دن نمازیں پڑھی ہیں۔

مسجد فاطمہؓ: بقیع کے اندر ہے، کل مساجد و مشاہد متبر کہ مدینہ طیبہ اور حوالی مدینہ کی تعداد فتح القدیر وغیرہ میں تیس ۳۰ بتلائی گئی ہے۔

مصلے الجنائز: مسجد نبوی کے باہر باب جبریل سے مسجد نبوی کے مشرقی جنوبی گوشہ تک ہے۔ یہ جگہ حضور علیہ السلام اور صحابہ[1] کرام کے دور میں نماز جنازہ کے لئے تھی۔

بیوت امہات المومنینؓ: تعمیر مسجد نبوی کے ساتھ ہی دو حجرے بھی تعمیر ہوئے تھے، ایک حضرت سودہؓ کے لئے دوسرا حضرت عائشہؓ کے واسطے جواب بھی اپنی جگہ پر ہے اور حضور اکرم ﷺ حضرت ابوبکر و عمرؓ استراحت فرما ہیں اور ایک قبر کی جگہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے چھوٹی ہوئی ہے یہ قرب قیامت میں نزول فرما کر اپنے کارہائے مفوضہ انجام دے کر وصال فرمائیں گے اور اس جگہ دفن ہوں گے۔

دوسری امہات المومنینؓ کے بیوت مبارکہ باقی حصۂ مشرقی مسجد نبوی اور جانب شمال و جنوب میں تھے جو توسیع مسجد نبوی کے وقت سے مسجد نبوی کا جزو بن گئے تھے، البتہ حضرت فاطمہؓ کے بیت مبارک کی جگہ اب بھی بیت حضرت عائشہؓ کے شمال میں محفوظ ہے۔

دار حضرت ابی ایوبؓ: جس میں سات ماہ حضور اقدس ﷺ نے قیام فرمایا تھا، مسجد نبوی کے مشرق و جنوب میں تھا۔

دار حضرت ابوبکرؓ: مسجد نبوی کے غربی حصہ میں موجودہ باب السلام کے قریب شمال میں تھا۔ جس کیلئے بطور علامت اب بھی خوخہ کا کتبہ موجود ہے۔

دار حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ: حضرت ابوبکرؓ کے بیت مبارک سے شمال میں تھا یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

دار حضرت عمرؓ و آل عمرؓ: حجرۂ مبارکہ حضرت حفصہؓ (واقع سمت جنوب مسجد نبوی) سے متصل حضرت عمرؓ کا مکان تھا جس پر دیار ال عمر لکھا ہوا ہے اور دار عشرہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

دار حضرت عثمانؓ: آپ کا بڑا مکان مسجد نبوی کے قریب دار ابی ایوب سے شمال میں تھا اور چھوٹا اس سے شرق میں تھا جس کے قریب حضرت ابوبکرؓ کا دوسرا مکان تھا اور حضرت ابوبکرؓ کا تیسرا مکان عوالی مدینہ کے مقام سخ میں بھی تھا، جس میں آپ وقت وفات نبوی تشریف رکھتے تھے۔

دار حضرت علیؓ: آپ کا ایک مکان بقیع کے پاس بھی تھا اور دوسرا یہی حضرت فاطمہؓ کا تھا۔

دوسرے دیار و بیوت کبار صحابہؓ: حضرت ابو ایوبؓ کے بیت مبارک کے قریب ہی حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد ابن عبادہ، حضرت عمارہ بن حزم وغیرہ کے مکانات تھے، اور یوں تو سارا مدینہ طیبہ ہی حضرات صحابہ سے آباد تھا اور زائرین طیبہ کے لئے انتہائی شرف میسر ہوتا ہے کہ وہ قیام مدینہ منورہ کے زمانہ میں کسی نہ کسی صحابی رسول ﷺ کے بیت مبارک و مقدس کی جگہ شب و روز گذارتے ہیں۔ قبائل مہاجرین کے منازل کی تفصیل وفاء الوفا جلد اول کی آخری فصل میں ہے۔

---

[1] اس بارے میں مکمل و مدلل تحقیق حضرت مولانا عبداللہ خان صاحب (تلمیذ رشید حضرت علامہ کشمیریؒ) نے مستقل رسالہ میں درج کر دی ہے جو شائع ہو گیا ہے اور مکتبہ نعمانیہ دیوبند، الجمعیۃ بکڈپو دہلی اور مکتبہ ناشر العلوم بجنور سے مل سکے گا۔ ان شاء اللہ
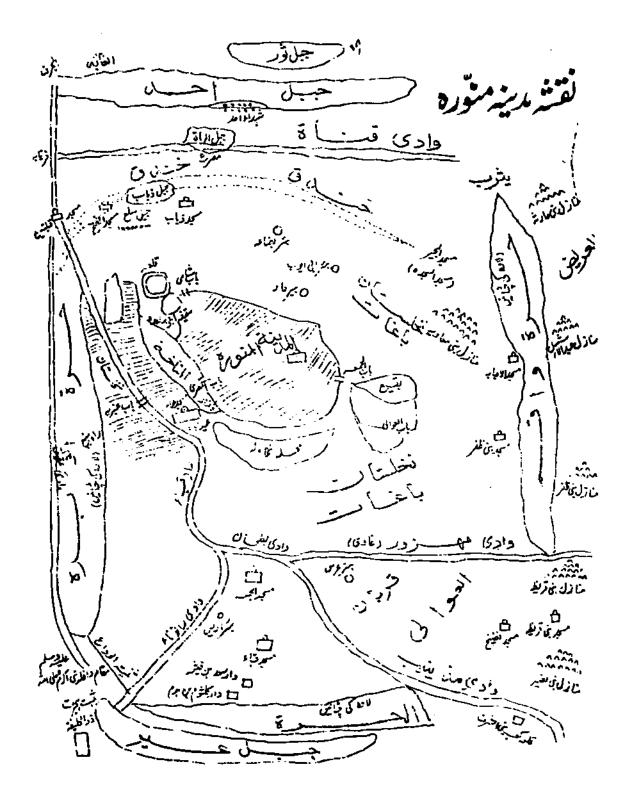
مسجد نبوی دورِ رسالت مقدسہ کا سطحی نقشہ (سمتِ قبلہ جانب جنوب)
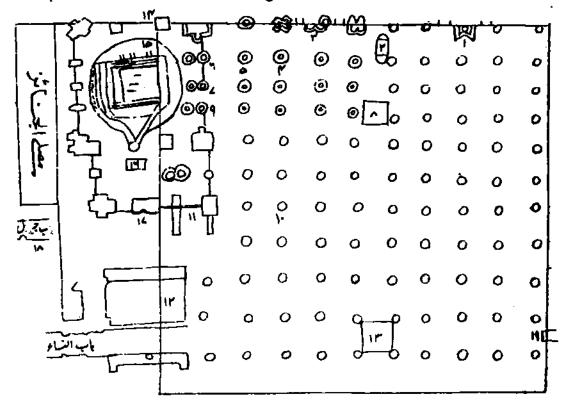
مسجد نبوی دورِ رسالت مقدمہ کا سطحی نقشہ (سمت قبلہ جانب جنوب)

(۱) محراب سلیمانی (۲) منبر نبوی (۳) محراب نبوی (۴) اسطوانۂ حضرت عائشہؓ (۵) اسطوانۂ ابوالبابہ (۶) اسطوانۂ سریر نبوی (۷) اسطوانۂ حرس (۸) مکبرہ (۹) اسطوانۂ وفود (۱۰) مقام محراب نبوی بزمانہ قبلہ بیت المقدس (۱۱) باب شامی (۱۲) محل اصحاب الصفہ (۱۳) مکبرہ (۱۴) مواجہ شریفہ (۱۵) روضۂ مقدسہ نبویہ وحضرت سیدنا صدیق وحضرت سیدفاروقؓ (۱۶) قبر سیدتنا فاطمہؓ (۱۷) محراب تہجد نبوی (۱۸) باب حضرت جبریل علیہ السلام (۱۹) باب الرحمۃ۔

یہ نشان عام ستون کا ہے اور ◎ کا روضۂ جنت کے ستونوں کا ہے (نوٹ) مسجد نبوی پہلی بار ہجرت کے پہلے سال بنی تھی جس کا طول جنوب مشرق میں تقریباً ستر ذراع تھا اور عرض شرق وغرب میں ساٹھ ذراع تھا پھر غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں دوبارہ حضور علیہ السلام اور صحابۂ کرام نے تعمیر کی تو دونوں جانب بڑھا کر ایک ایک سو ذراع مربع کردی تھی ذراع ایک ہاتھ یا دو بالشت کا یعنی ڈیڑھ فٹ ۱-۲/۱ ہوتا ہے ہم نے یہاں صرف دورِ نبوت کی مسجد نبوی دکھلائی اور اسی دور کے دوسرے آثار متبرکہ بھی نمایاں کئے ہیں، دوسرے نبوت کے بعد کے اضافات نہیں دکھلائے ہیں اور ان کے نقشے الگ سے مل بھی جاتے ہیں، جس طرح مدینہ طیبہ کی آبادی کا نقشہ بھی ہم نے صرف اسی دورِ نبوت کا دکھلانے کی سعی کی ہے تاکہ قرآن مجید، احادیث وسیر میں ذکر شدہ چیزوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ وللہ الحمد والمنہ۔

بئر اریس: مسجد قبا سے غربی سمت تقریباً دوسوگز فاصلہ پر ہے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام اس کی من پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے تھے، اور حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت صدیقؓ، حضرت فاروقؓ و حضرت عثمانؓ آپ کو تلاش کرتے ہوئے پہنچے تو آپ کے اتباع میں پاؤں لٹکا کر ساتھ بیٹھے تھے، اس کو بئر خاتم بھی کہتے ہیں اور اس میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے مہر نبوی کے گرنے اور پھر نہ ملنے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

بئر عروہ: مدینہ کے غرب میں حضرت عروہ ابن زبیر کا مملوکہ تھا، اتنا شیریں، ہاضم اور ہلکا تھا کو بطور تحفہ ہارون رشید کے لئے بغداد بھیجا جاتا تھا۔

بئر بضاعہ: اس کے پانی کے بارے میں حدیث میں سوال اور جواب نبوی مشہور ہے۔ بہت بڑا کنواں ہے کہ اس کا پانی آب جاری کے حکم میں ہے۔

بئر انا: محاصرۂ بنی قریظہ کے وقت خیمۂ نبویہ اس سے متصل تھا، اب یہ کنواں معدوم ہوگیا ہے۔ (سب ابیار مطہرہ ۱۸......۲۰ ہیں)

بئر ذروان: اس کنویں میں لبید بن اعصم یہودی نے حضور علیہ السلام کے بالوں پر سحر کر کے کنگھے میں باندھ کر دفن کئے تھے، اور حضور نے معوذتین کی گیارہ آیات پڑھ کر ایک ایک آیت سے ایک ایک گرہ کھول دی تھی۔ جس سے سحر کا اثر ختم ہوگیا تھا، جو ایک سال تک رہا تھا، لیکن اس سے معمولات نبوی پر کوئی اثر نہ تھا، صرف معمولی اثر دوسرا ہوا تھا (الروض ص۲/۲۴) یہ کنواں محلہ نخاولہ کے قریب تھا، اب بند پڑا ہے۔ بخاری ص۶۳/۴ میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حکم سے ہی اس کو پٹوا دیا گیا تھا۔ نیز دیکھو بخاری ص۸۵۸، ۸۵۷۔

باغات: مدینہ منورہ کے اردگرد بہ کثرت باغات تھے اور اب بھی ہیں۔ کچھ نقشہ میں بھی دکھلائے گئے ہیں۔

مقابر: سب سے بڑی زیارت گاہ خلائق تو مزار اقدس نبوی ہے، جس کی زیارت کا شرف اعظم حاصل کرنے کے لئے ابتداء اسلام سے اب تک ساری دنیا کے مسلمان سفر کرتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ پھر جنۃ البقیع کی قبور مقدسہ مطہرہ ہیں۔ اس کے بعد مزارات سیدنا حضرت حمزہ و شہدائے احد وغیرہ ہیں۔

سقیفۂ بنی ساعدہ: اسی جگہ (وفات نبوی کے بعد) حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی تھی۔

خندق: غزوہ خندق یا غزوہ احزاب کے موقع پر یہ خندق قوی شکل میں مدینہ طیبہ کے تمام شمالی حصہ کو محفوظ کرنے کے لئے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ نے کھودی تھی۔ کیونکہ باقی اطراف قدرتی طور سے محفوظ تھے۔

جبال مدینہ: مدینہ طیبہ کے شمال میں سب سے بڑا پہاڑ جبل احد ہے جس کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ پہاڑ چھ ہزار میٹر (پونے چار میل) لمبا ہے، اسی کے عقب میں جبل ثور ہے، جو حرم مدینہ کی شمالی حد ہے۔ ایک پہاڑ سلع ہے کہ اس کو پشت پر رکھ کر اور خندق کو سامنے کر کے دس ہزار کفار قریش و بنی غطفان کی کامیاب مدافعت نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے کی تھی۔

لابتان: یہ مدینہ طیبہ کے دائیں بائیں (شرق وغرب) میں لاوہ کی دو پتھریلی چٹانیں ہیں، جو حرم مدینہ کے شرقی و غربی حد بھی ہیں اور تیسرے لابۂ جنوبی کے ساتھ مل کر اس کی قدرتی محافظ ہیں۔ لابتان کا ذکر حدیث میں بھی ہے۔

وادیاں: مدینہ طیبہ کے گرد ۶ وادیاں ہیں جن میں پہاڑوں کا بارانی پانی بہہ کر زغابہ کی طرف چلا جاتا ہے اور شہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

زغابہ: مدینہ کے شمال غرب میں بڑا وسیع نشیبی میدان ہے، جہاں نواح مدینہ کی تمام وادیوں کا سیلابی پانی جمع ہوتا ہے اسی میدان میں غزوۂ خندق میں کفار قریش نے چھاؤنی ڈالی تھی اور تیر اندازی کی تھی۔

غابہ: یہ بہت بڑا طویل وعریض بن اور جنگل زغابہ سے آگے شمال میں ہے۔

منازل قبائل: مدینہ طیبہ کے مشرق میں پہلے یہودیوں کے قبائل آباد تھے وہ بھی نقشہ میں دکھائے گئے ہیں۔

ثنیۃ الوداع: حرۂ وبرہ کے جنوبی کنارے پر وہ مقام ہے جہاں قادمین کا استقبال اور تودیع کی جاتی تھی، دوسرا ثنیہ شمالی سرے پر ہے۔

مناخہ: مدینہ منورہ کا وہ میدان جس کو حضور علیہ السلام نے بطور بازار کے تجویز کیا تھا، وہاں اونٹ پر غلہ وغیرہ لاتے تھے اور بیٹھتے تھے، اسی لئے اس جگہ کا نام مناخہ پڑ گیا۔
یثرب: مدینہ کے شمال میں یہود کی قدیم بستی تھی ان کے شرقی جانب منتقل ہونے کے بعد وہاں بنوحارثہ آباد ہوئے تھے پھر سارا مدینہ ہی یثرب کہلایا جانے لگا تھا۔
محلہ قباء: مدینہ منورہ کی جنوبی سمت ہے جہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف آباد تھا اور ان کی درخواست پر حضور علیہ السلام نے پہلے وہاں ہی قیام فرمایا تھا، حضرت کلثوم بن ہدم کا گھر حضور کی قیام گاہ تھی جہاں اب بیضوی قبہ ہے، مسجد قباء کے جنوب میں تقریباً ۴۰ فٹ پر، وہ اب مقام العمرہ کہلاتا ہے اور اس سے متصل ہی مسجد کی طرف دوسرا قبہ جو اب بیت فاطمہ کہلاتا ہے سعد بن خثیمہ کا گھر تھا وہ حضور کی مردانہ نشست گاہ تھی اور مسجد قبا کے صحن میں جو قبہ مبرک ناقہ کہلاتا ہے وہاں آپ کی اونٹنی مکہ سے آکر بیٹھی تھی، مسجد قبا کی فضیلت اور دوسرے حالات مشہور ہیں۔

باب ادخال البعير في المسجد للعلة وقال ابن عباسؓ طاف النبیﷺ علیٰ بعیره

(کسی ضرورت کی وجہ سے مسجد میں اونٹ لے جانا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا تھا)

۴۴۷. حدثنا عبدالله بن یوسف قال انا مالک عن محمد بن عبدالرحمن ابن نوفل عن عروة بن الزبیر عن زینب بنت ابی سلمة قالت شکوت الیٰ رسول اللهﷺ انی اشتکی قال طوفی من ورآء الناس وانت راکبة فطفت ورسول اللهﷺ یصلی الیٰ جنب البیت یقراء بالطور و کتاب مسطور.

ترجمہ ۴۴۷: حضرت ام سلمہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حجۃ الوداع میں) اپنی بیماری کے متعلق کہا تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے سوار ہو کر طواف کرلو پس میں نے طواف کیا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت بیت اللہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے، آپ آیت والطور و کتاب مسطور کی تلاوت کر رہے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ بیت اللہ مسجد حرام میں ہے اس لئے اس کا طواف سوار ہو کر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کی بناء پر مسجد میں اونٹ وغیرہ لے جانا جائز ہے لیکن عہد نبوی میں بیت اللہ کے علاوہ اور کوئی عمارت وہاں نہیں تھی صرف اردگرد مکانات تھے بعد میں حضرت عمرؓ نے ایک احاطہ کھنچوا دیا تھا، اس لئے حضرت ام سلمہ کا اونٹ مسجد میں کہاں داخل ہوا؟ حضرت ام سلمہؓ نماز پڑھنے کی حالت میں آنحضور کے سامنے سے گذری تھیں کیونکہ وہ بھی طواف کر رہی تھی اور طواف نماز کے حکم میں ہے۔

باب: ۴۴۸. حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا معاذ بن هشام قال حدثنی ابی عن قتادة قال حدثنا انس ان رجلین من اصحاب النبیﷺ خرجا من عند النبیﷺ احدهما عبادبن بشر واحسب الثانی اسید ابن حضیر فی لیلة مظلمة و معهما مثل المصباحین یضیئآن بین ایدیهما فلما افترقا صار مع کل واحد منهما واحد حتیٰ اتیٰ اهله

ترجمہ: حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ دو شخص نبی کریم ﷺ کی مسجد سے نکلے ایک عباد بن بشر اور دوسرے صاحب کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ اسید بن حضیر تھے، رات تاریک تھی اور دونوں اصحاب کے پاس منور چراغ کی طرح کوئی چیز تھی جس سے آگے روشنی پھیل رہی تھی، وہ دونوں اصحاب جب ایک دوسرے سے (راستے میں) جدا ہوئے تو دونوں کے ساتھ اسی طرح کی ایک ایک روشنی تھی آخر وہ اسی طرح اپنے گھر پہنچ گئے۔

تشریح: یہ دونوں اصحاب رضوان اللہ علیہما نماز عشاء کے بعد دیر تک مسجد نبوی میں آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے پھر جب یہ باہر تشریف لائے تو رات اندھیری تھی اور صحبت نبوی کی برکت سے راستہ منور کر دیا گیا تھا، حافظ نے لکھا کہ یہ باب امام بخاری نے بلاترجمہ وعنوان کے باندھا ہے اور علامہ ابن رشید کی یہ بات بھی یہاں نہیں چل سکتی کہ امام بخاری کا باب بلاترجمہ پہلے ہی باب کے تحت مثل فصل کے ہوا کرتا ہے، کیونکہ یہاں کوئی بھی مناسبت پہلے باب ادخال البعیر فی المسجد سے نہیں ہے، البتہ ابواب مساجد سے اتنا تعلق ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں صحابی حضور علیہ السلام کے ساتھ دیر تک انتظار صلوٰۃ کے لئے مسجد میں رکے تھے اور رات اندھیری تھی، واپسی مسجد میں بلانور کے پریشانی

تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صحابی کے لئے یہ کرامت عطا کی، یہ حدیث انسؓ کتاب المناقب میں بھی آئے گی اور وہاں ان دونوں صحابی کے نام اسید بن حضیر اور عباد بن بشر مذکور ہیں (فتح الباری ۴۷۴ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- من عندالنبی ﷺ سے مراد چونکہ آپ کی مسجد سے نکلنا ہے تو یہی مناسبت ہوگی اور حدیث الباب سے کرامت کا ثبوت ہے جس کا ابن حزم نے "ملل ونحل" میں انکار کیا ہے کہ اس سے کرامت ومعجزہ میں فرق نہیں رہتا۔ پھر ابن حزم باوجود انکار کرامت کے قبولیت دعا کے قائل ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر دعاء خارق عادت امر کے لئے ہوتو پھر بھی فرق نہ رہے گا درمحتار اور شرح عقائد میں ہے کہ کرامت ومعجزہ دونوں کا تعلق ہر چیز سے ہوسکتا ہے، لہٰذا ہر خارق عادت امر جب وہ نبی کے ذریعہ صادر ہو وہ معجزہ کہلائے گا اور وہی اگر ولی سے ہوتو کرامت کہلائے گا، لیکن صاحب رسالہ قشیریہ علامہ ابوالقاسم کی رائے یہ ہے کہ بعض چیزیں معجزہ کے ساتھ خاص بھی ہوتی ہیں جو ولی سے نہیں ہوسکتیں، اور میری بھی یہی رائے ہے کیونکہ علامہ موصوف خود بھی صاحب کرامات تھے، لہٰذا ان کی رائے زیادہ وقیع ہے، کرامت ومعجزہ میں فرق مقدمہ ابن خلدون اور شیخ اکبر کی تالیفات میں دیکھا جائے۔

پھر فرمایا کہ ولی میت کو زندہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ مجھے اس میں عرصہ تک تردد رہا پھر قائل ہوگیا کہ کرامت سے زندہ ہوسکتا ہے اور عارف جامیؒ کا واقعہ دیکھا جو شیخ عبدالغنی نابلی حنفی نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ان کے لئے کسی مالدار نے آزمائش کے لئے دعوت میں مردار مرغ پکوا کر سامنے رکھ دیا، عارف جامی نے اس کو قم باذن اللہ کہا تو وہ مرغ زندہ ہوگیا، اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلیؒ کا واقعہ احیاء میت کا ذکر کرتے ہیں، واللہ اعلم سند کس درجہ کی ہے، بجنور میں بھی ایک شخص کو دیکھا تھا کہ لوگوں کے سامنے کبوتر کی گردن کاٹ دیتا تھا اور پھر ملا کر زندہ کر دیتا تھا، میں نے اس سے دریافت کیا تو بتلایا کہ ہم صرف تھوڑی دیر کے لئے ایسا کر سکتے ہیں، اگر زیادہ وقت گذر جائے تو پھر زندہ نہیں کر سکتے۔

علامہ ذہبی نے اپنی کتاب "العلو والعرش" میں لکھا کہ شیخ عبدالقادر جیلیؒ کی کرامات بارش کے قطروں کی طرح بہ کثرت وتواتر ثابت ہیں۔
محقق عینیؒ نے بھی کرامات اولیاء کا اثبات کیا ہے اور ایک واقعہ بھی شیخ حسام الدین رہاویؒ کا لکھا ہے (عمدہ ۱۳۳ ج ۲)

باب الخوخة والممر فی المسجد

(مسجد میں کھڑکی اور راستہ)

۴۴۹۔ حدثنا محمد بن سنان قال نا فليح قال نا ابو النضر عن عبيد بن حنين عن بسر بن سعيد عن ابی سعيد الخدری قال خطب النبی ﷺ فقال ان الله سبحانه خيرا عبدا بين الدنيا و بين ما عنده فاختار ما عند الله فبكیٰ ابو بكر فقلت فی نفسی ما يبكی هذا الشيخ ان يكن الله خير عبداً بين الدنيا و بين ما عنده فاختار ما عند الله عزو جل فكان رسول الله ﷺ هو العبد و كان ابو بكر اعلمنا فقال يا ابا بكر لا تبک ان امن الناس علی فی صحبته و ماله ابو بكر ولو كنت متخذا من امتی خليلاً لا تخذت ابا بكر ولكن اخوة الاسلام و مودته لا يبقين فی المسجد باب الا سد الا باب ابی بكر.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا وآخرت کے درمیان اختیار دیا کہ وہ جس کو چاہے (اختیار کرے) بندہ نے آخرت کو پسند کیا، اس پر ابوبکرؓ رونے لگے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر خدا نے اپنے کسی بندہ کو دنیا اور آخرت میں سے کسی کو اختیار کرنے کے لئے کہا اور بندہ نے آخرت اپنے لئے پسند کرلی تو اس میں ان بزرگ (حضرت ابوبکر) کے رونے کی کیا بات ہے لیکن بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہی وہ بندہ تھے اور ابوبکر ہم سے زیادہ جاننے والے تھے، آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا، ابوبکر آپ روئیے مت، اپنی صحبت اور اپنی دولت کے ذریعہ تمام لوگوں سے زیادہ

مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکر ہیں اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اس کے بدلے میں اسلام کی اخوت ومودت کافی ہے، مسجد میں ابوبکر کے دروازے کے سوا تمام دروازے بند کردیئے جائیں۔

۴۵۰. حدثنا عبدالله بن محمد الجعفي قال نا وهب بن جرير قال نا ابي قال سمعت يعلى بن حكيم عن عكرمة عن ابن عباسؓ قال خرج رسول الله ﷺ في مرضه الذي مات فيه عاصباً راسه بخرقة فقعد على المنبر فحمد الله و اثنى عليه ثم قال انه ليس من الناس احد امن على في نفسه و ماله من ابي بكر بن ابي قحافة ولو كنت متخذا من الناس خليلا لا تخذت ابا بكر خليلا ولكن خلة السلام افضل سدو عني كل خوخة في هذا المسجد غير خوخة ابي بكر.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرض وفات میں باہر تشریف لائے سر سے پٹی بندھی ہوئی تھی آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ کی حمد وثنا کی اور فرمایا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس نے ابوبکر بن ابی قحافہ سے زیادہ مجھ پر اپنی جان ومال کے ذریعہ احسان کیا ہو اور اگر میں کسی کو انسانوں میں خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کا تعلق افضل ہے ابوبکر کی طرف کی کھڑکی کو چھوڑ کر اس مسجد کی تمام کھڑکیاں بند کردی جائیں۔

تشریح: آں حضور ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا اس پر علماء نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں کہ خلیل کا مفہوم کیا ہے اور حبیب اور خلیل میں کیا فرق ہے وغیرہ، اگر ان تمام بحثوں کا اختصار کیا جائے تو آخر کار یہ بات آکر ٹھہرتی ہے کہ یہاں خلت سے مراد وہ تعلق ہے جو صرف خداوند تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوسکتا ہے اور اسی وجہ سے آں حضور نے ایسے الفاظ فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق اور آپ کے درمیان یہ تعلق ممکن ہی نہیں البتہ اسلامی اخوت ومحبت کا اعلیٰ سے اعلیٰ جو درجہ ہوسکتا ہے وہ ابوبکر صدیقؓ اور آپ کے درمیان قائم ہے۔

جب مسجد نبوی کی ابتدائی تعمیر ہوئی تو قبلہ بہ سمت شمالی بیت المقدس تھا، پھر قبلہ بیت الحرام قرار پایا جو مدینہ سے جنوب میں تھا، اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ شمال کی طرف کردیا گیا تھا چونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات مسجد کے چاروں طرف تھے اور مسجد میں صحابہ کے آنے جانے کے لئے بہت سی کھڑکیاں اور دروازے تھے، آپ نے ان کے خصوصی دروازوں کو بند کردینے کا حکم دیا اور شمال کی طرح ایک عام دروازہ مشرق کی طرف جو باب جبریل کہلایا اور ایک عام دروازہ جو باب الرحمۃ کہلایا غرب کی طرف رہنے دیا، البتہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف ایک کھڑکی رہنے دی تھی اور اس سے آپ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ جب آپ امام ہوں تو آنے جانے کی سہولت پوری طرح رہے۔

بحث ونظر: یہاں چند حقائق کا ذکر اور حدیثی بحث بھی آئے گی، فیض الباری ص۶۲ ج۲ میں جو مسامحت ضبط وتحریر میں ہوگئی ہے، وہ بھی صاف ہوجائے گی، ان شاء اللہ، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ارشاد نبوی دربارۂ سد الابواب غیر باب علی قوی سند سے ثابت ہے، لیکن محدث ابن الجوزی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے جس کا حافظ ابن حجرؒ نے رد وافر کیا ہے اور امام طحاویؒ کی مشکل الآثار سے بھی اپنے مدعا کو قوت پہنچائی ہے (اس جگہ تم امر بسد باب علی الیفاء کی نسبت امام طحاوی کی طرف غلط ہوگئی کیونکہ مرتبؒ نے ایسے مقامات میں حوالوں کی طرف رجوع نہیں فرمایا) پھر فرمایا کہ امام طحاوی وحافظ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ باب حضرت علیؓ کا استثناء پہلے ہو چکا تھا جو ان کی خاص منقبت تھی کیونکہ ان کے گھر کا دروازہ حضور علیہ السلام ہی کی طرح مسجد نبوی کی طرف تھا ان کو حضور علیہ السلام کی طرح مسجد میں بحالت جنابت بھی گزرنا جائز تھا، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کے لئے بعض احکام مشترک تھے، اور حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے علی! تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے ہارون تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔

دوسری بار حضور علیہ السلام نے مرض وفات میں حکم فرمایا کہ سب دروازے بدستور بند ہی رہیں گے بجز باب حضرت ابوبکرؓ کے (کہ وہ باب یا کھڑکی کی صورت میں کھلا رہے گا) کیونکہ وہ امامت وخلافت کے ذمہ دار ہوں گے اور فصل خصومات وامامت وغیرہ کیلئے مسجد نبوی میں زیادہ آمد ورفت رکھنی پڑے گی، حضرتؒ نے فرمایا کہ اسی لئے علماء نے مرض وفات کے اس حکم کو خلافت کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔

یہاں ایک دوسری مسامحت یہ بھی ہوئی کہ مسجد نبوی کا صرف ایک دروازہ شمالی دکھایا گیا، حالانکہ اہل سیر نے حضور علیہ السلام کے زمانے کے تین دروازے لکھے ہیں، یعنی شرق وغرب میں بھی دروازے عام آنے جانے والوں کے لئے تھے۔ حضور علیہ السلام کے دونوں حکموں کا تعلق ان دروازوں سے تھا جو مسجد نبوی کے اطراف میں سکونت کرنے والے خاص خاص گھرانوں اور افراد نے اپنے اپنے آنے جانے کی سہولت کے لئے بنالئے تھے، کیونکہ ایسی صورت نہ صرف مسجد نبوی بلکہ کسی اور مسجد کے لئے بھی موزوں نہیں ہے، البتہ عام راستے حسب ضرورت کم وبیش ہوسکتے ہیں،[1] دوسرے یہ کہ مسجد سے جنبی کا گزرنا ممنوع ہے، اس لحاظ سے بھی سب مخصوص دروازوں کا بند کرانا ضروری تھا اور اس حکم سے صرف حضور علیہ السلام اور حضرت علیؓ کا استثنا تھا، حضرت ابوبکر وغیرہ کے لئے بھی وہی حکم تھا جو دوسرے صحابہ کے لئے تھا۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام طحاویؒ کی توفیق بین المحدثین کو پسند کیا اور ساتھ ہی یہ بھی اضافہ کیا کہ اس توجیہ کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ پہلے حکم سد ابواب میں باب حقیقی مراد ہو اور دوسرے میں مجازی یعنی باب بمعنی خوخہ (کھڑکی) ہو جیسا کہ بعض طرق روایات میں اس لفظ کی صراحت بھی ہے، گویا جب ان لوگوں کو دروازے بند کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے دروازے بند کر کے کھڑکیاں کھول لی تھیں، جو مسجد میں داخل ہونے کا قریبی راستہ تھیں، پھر اس کے بعد جب دوسرا حکم آیا تو وہ سب بھی بند کرادی گئیں، بجز خوخہ سیدنا ابی بکر کے (فتح ص ۱۲ ج ۷)

حافظ نے امام طحاوی کی مشکل الآثار کے ثلث آخر کے اوائل کا حوالہ بھی دیا ہے، مگر افسوس ہے کہ حیدرآباد سے جو چار جلدیں شائع ہوئی ہیں، ان میں یہ مقام نہیں ہے، کیونکہ تقریباً آدھی کتاب نابود ہونے کی وجہ سے طباعت سے رہ گئی، البتہ ایسے مواقع میں اس کے مختصر مسمی ''المعتصر من المختصر من مشکل الآثار'' سے کام چل جاتا ہے، علامہ قاضی ابوالولید باجیؒ م ۴۷۴ھ نے یہ ایسا عجیب وغریب اختصار کیا تھا کہ اصل کتاب نہ ملنے کا غم غلط ہوجاتا ہے، جزاء اللہ خیر الجزاء اس کے ص ۳۳۲ وص ۳۳۳ ج ۲ میں پوری بات مل گئی ہے اور علامہ طحاوی نے دوسرے صحابہ کی مثالیں دے کر لکھا کہ جس طرح ان کو الگ الگ خاص خاص منقبتیں عطا کی گئی تھیں، اسی طرح حضرت علی وحضرت ابوبکر کو یہ منقبت سد ابواب والی مرحمت ہوئی تھی، لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ دوسرے حکم سے حضرت علی کا باب بند نہیں ہوا تھا، ورنہ پھر خصوصیت ہی کیا رہتی۔

ابن جوزی کا رد: حافظ نے لکھا کہ ابن الجوزی نے حدیث سد الابواب الا باب علی کو موضوع قرار دیا ہے، بوجہ اعلال بعض رواۃ کے اور حدیث صحیح سد الابواب الا باب ابی بکر کے مخالف ہونے کی وجہ سے بھی اور انہوں نے یہ بھی خیال کیا کہ اس حدیث کو روافض نے گھڑ لیا ہے حالانکہ یہ ان کی خطاء شنیع ہے، کیونکہ اس طرح انہوں نے ''احادیث صحیحہ'' کو رد کردینے والوں کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

---

[1] افسوس کہ ایسی غلطیاں دوسرے اکابر امت سے بھی ہوگئی ہیں کہ کسی ایک مجروح راوی کی وجہ سے حدیث صحیح یا حسن کو گرادیا جبکہ وہ حدیث دوسرے ثقہ راویوں سے بھی مروی ہے یا کسی کو متن کے اضطراب کی وجہ سے گرادیا، جبکہ وہ معنی کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے یا کسی مخالف کی حدیث کو گرادیا تاکہ وہ اپنے لئے استدلال نہ کرسکے، یاد ہوگا کہ ہم نے ذکر کیا تھا کہ ان ہی حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانیؒ نے علامہ ابن تیمیہ پر بھی نقد کیا تھا کہ روافض کے رد میں اتنا زور دکھایا کہ ان کی نقل کردہ صحیح احادیث کو بھی گرادیا یہ بات انصاف سے بعید ہے، درحقیقت راہ اعتدال ہی صراط مستقیم ہے، علامہ ابن تیمیہؒ کی جلالت قدر اور ان کی گراں قدر علمی خدمات کا ہمیں ہزار بار اعتراف ہے، مگر بعض اہم اصولی وفروعی مسائل مہمہ میں ان کی افراط وتفریط موجب تاسف ہے، یا جب وہ نہایت غیظ وغضب میں اکابر امت کی شان میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں تو بڑا دکھ ہوتا ہے، ائمہ حنفیہ پر بھی بہت کچھ لے دے کی ہے اور امام محمدؒ سے بہت ہی ناراض معلوم ہوتے ہیں اور شاید اسی لئے ان سے امام شافعیؒ کے تلمذ کا انکار فرمادیا ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تحفۂ اثناعشریہ وازالۃ الخفاء

تحفہ میں جہاں دوسری بارہ احادیث کا جواب دیا ہے جن سے روافض حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل ثابت کرتے ہیں اس حدیث سدالابواب الاباب علی کا ذکر نہیں فرمایا، البتہ ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جہاں حضرت علیؓ کے مناقب ذکر کئے ہیں، اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو ص ۵۰۸ ج ۲ و ص ۵۰۹ ج ۲)

حدیث ترمذی: امام ترمذی نے باب مناقب علیؓ میں حدیث "**یا علی! لا یحل لا حد ان یجنب فی ھذاالمسجد غیری و غیرک**" نقل کر کے لکھا:- **لا نعرفه الا من ھذا الوجه**، پھر لکھا کہ امام بخاری کو میں نے یہ حدیث سنائی تو انہوں نے بھی اس کو غریب قرار دیا اس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا:- ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا اور کہا کہ اس کا ایک راوی کثیر النواء ہے جو غالی شیعی تھا، علامہ سیوطی نے اپنی تعقبات میں اس کا رد کیا اور لکھا کہ اسی حدیث کو ترمذی و بیہقی نے بجائے کثیر کے سالم کے واسطہ سے روایت کیا ہے، لہٰذا کثیر والی تہمت ختم ہوئی پھر لکھا کہ امام ترمذی نے اس کو شواہد کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے اور لکھا کہ یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص سے بھی مروی ہے، مسند بزار میں اور حضرت عمرؓ سے بھی مسند ابی یعلی میں، حضرت ام سلمہ سے بیہقی کی سنن میں، حضرت عائشہؓ سے تاریخ بخاری میں، حضرت جابر سے تاریخ ابن عساکر میں، (تحفۃ الاحوذی ص ۳۳۰ ج ۴)

سیرۃ ابن ہشام اور الروض للسہیلی میں وفات نبوی کے حالات بہت ہی اچھی تفصیل سے لکھے گئے ہیں، افسوس ہے کہ ان کا عشر عشیر بھی اردو سیرت کی کتابوں میں نقل نہیں کیا گیا۔ والامر بید اللہ

علامہ عینیؒ: آپ نے بھی وہی تحقیق لکھی جو حافظ نے لکھی ہے اور باب علی والی روایت کی اسناد قوی بتلائی، علامہ طحاوی کی مشکل الآثار کا بھی حوالہ دیا ہے اس سے یہ بھی نقل کیا کہ بیت حضرت صدیقؓ کا دروازہ خارج مسجد کو تھا اور خوخہ مسجد کی طرف، بیت حضرت علیؓ کا دروازہ صرف مسجد ہی طرف کو تھا، باہر کو نہ تھا، میں کہتا ہوں کہ شاید اسی لئے حضور علیہ السلام نے ان کو اجازت دی اور دوسروں کو نہیں دی (عمدہ ۶۷۱ ج ۱۶)

علامہ طحاوی نے یہ حدیث بھی نقل کی کہ صحابہ کے سوال پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نہ میں نے اپنی طرف سے کوئی دروازہ بند کروایا نہ کھلوایا اور دوسری حدیث میں ہے کہ مجھے تم لوگوں کی چہ مگوئیاں پہنچیں، واللہ! میں نے اپنی طرف سے بند کرنے یا کھولنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ مجھے جس طرح حکم خداوندی ملا، اس کو نافذ کر دیا ہے (المعتصر ص ۳۳۲ ج ۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام محمد وغیرہ نے جو یہ تفصیل کر دی ہے کہ اجرت ممنوعہ اگر مشروط ہو تو ناجائز ہے، ورنہ جائز ہے تو اس پر ابن تیمیہ نے بڑی غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے اور امام محمدؒ کے رد کے لئے اپنے فتاویٰ میں مستقل جز لکھا ہے کہ ہم نہیں سمجھ سکے اس قید کا خارج میں ثمرہ کیا ہے، جبکہ وہ اجرت قبول کرلے حالانکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے اور اس نے حدیث کی کھلی مخالفت کی ہے، میں نے کہا کہ ابن تیمیہ کا علم ہم کو معلوم ہے اور وہ اپنے غصہ کو اپنے پاس ہی رکھیں، یہاں امام بخاریؒ نے (ص ۳۰۴ میں) علامہ شعبی کا قول نقل کیا کہ معلم اگر شرط نہ کرے اور اس کو کچھ دیا جائے تو لینا جائز ہے اور ترمذی میں حدیث صحیح ہے کہ حضور نے عسب الفحل کی ممانعت فرمایا اور اس کی اجرت ہمارے یہاں بھی حرام ہے، تاہم حدیث میں یہ بھی حضرت انس سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا ہمیں اکراماً و ہدیۃً کچھ دیا جاتا ہے تو اس کی آپ نے اجازت دی۔

پس جب ایک اصل اور جنس حضور علیہ السلام کے ہی ارشاد سے ثابت ہوگئی تو اس کے تحت آنے والی جزئیات پر نکیر کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟ غرض فقہ حنفی میں بہت سے جزئیات تعامل و توارث کی وجہ سے جائز قرار دیئے گئے ہیں جن پر دوسرے لوگ نکتہ چینی کیا کرتے ہیں اور یہ بات شان علم و تحقیق اور انصاف سے بعید ہے۔

باب الابواب والغلق للكعبة والمساجد قال ابو عبدالله قال لی عبدالله بن محمد حدثنا سفيٰن عن ابن جريج قال قال لی ابن ابی مليكة يا عبدالملک لورأيت مساجد ابن عباس وابق ابها

(کعبہ اور مساجد میں دروازے اور چٹخنی یا قفل ابو عبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن محمد نے کہا کہ ہم سے سفیان نے ابن جریج کے واسطہ سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اے عبدالملک کاش تم ابن عباسؓ کی مساجد اور ان کے دروازوں کو دیکھتے۔

۴۵۱. حدثنا ابو النعمان و قتيبة بن سعيدٌ قال نا حماد بن زيد عن ايوب عن نافع عن ابن عمر ان النبی ﷺ قدم مكة فدعا عثمان بن طلحة ففتح الباب فدخل النبی ﷺ و بلال و اسامة بن زيد و عثمان بن طلحة ثم اغلق الباب فلبث فيه ساعة ثم خرجوا قال ابن عمر فبدرت فسالت بلا لا فقال صلے فيه فقلت فی ای فقال بين الا سطوا نتين قال ابن عمر فذهب علی ان اساله كم صلے۔

ترجمہ ۴۵۱: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا انہوں نے (کعبہ کا) دروازہ کھولا تو نبی کریم ﷺ، بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ اندر تشریف لے گئے، پھر دروازہ بند کر دیا گیا اور وہاں تھوڑی دیر تک ٹھہر کر باہر آئے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر بلال سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آنحضور نے اندر نماز پڑھی تھی، میں نے پوچھا کہ کس جگہ کہا کہ دونوں ستونوں کے درمیان حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ یہ پوچھنا مجھے یاد نہ رہا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔

تشریح: مسجدوں میں دروازے اور قفل لگانا چونکہ ظاہر میں اچھا معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس کو تو عبادت و نماز کے لئے کھلا ہی رہنا چاہئے تو اس خیال کا دفعیہ کیا کہ مسجدوں کی حفاظت بھی ضروری ہے تا کہ اس کا سامان ضائع نہ ہو اور کتے وغیرہ بھی داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

باب دخول المشرک فی المسجد

(مشرک کا مسجد میں داخل ہونا)

۴۵۲. حدثنا قتيبة قال نا الليث عن سعيد بن ابی سعيد انه سمع ابا هريرة يقول بعث رسول الله ﷺ خيلا قبل نجد فجاء ت برجل من بنی حنيفة يقال له ثمامة بن اثال فربطوه بسارية من سواری المسجد.

ترجمہ ۴۵۲: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے چند سواروں کو نجد کی طرف بھیجا وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص ثمامہ بن اثال نامی کو پکڑ لائے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔

تشریح: کسی مشرک یا غیر مسلم کے مسجد میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں، حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے گویا امام بخاری نے مسلک حنفیہ کی موافقت کی، دخول مسجد للمشرک میں اکابر امت کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جواز ہے، مالکیہ کے یہاں مطلقاً عدم جواز، شافعیہ تفصیل کرتے ہیں کہ مسجد حرام میں ممنوع دوسری مساجد میں ناجائز (عمدہ) امام محمدؒ کے نزدیک بھی شافعیہ کی طرح مسجد حرام میں دخول مشرک ناجائز ہے (کمافی السیر الکبیر والشامی) امام احمدؒ سے دو روایات ہیں ایک یہ کہ مطلقاً ہر مسجد میں ناجائز، دوسری یہ کہ باذن الامام جائز، لیکن حرم میں داخلہ کسی حال میں درست نہیں (کمافی المغنی) لہٰذا حدود حرم کی تمام مساجد میں بھی داخلہ جائز نہ ہوگا اور اسی پر اس وقت حکومت سعودیہ کا عمل بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ کا مذہب ہی اختیار کرنا چاہئے جو قرآن مجید کے ساتھ زیادہ موافق اور دوسرے ائمہ سے زیادہ اقرب ہے، پھر حضرتؒ نے اصول وقواعد کے تحت بھی اس مسلک کی تائید کی اور وہ گراں قدر علمی تحقیق ہے۔ جس کو ہم بوجہ طوالت ترک کرتے ہیں، فیض الباری ص ۶۴ ج ۲ میں دیکھ لی جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک خاص شان تحقیق یہ بھی تھی کہ ائمہ حنفیہ میں سے اگر وہ کسی کی رائے کو اپنی نظر میں کتاب وسنت سے زیادہ قریب اور دوسرے مذاہب ائمہ مجتہدین سے اوفق دیکھتے تھے تو اسی کو ترجیح دیا کرتے تھے، خواہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہی ہو، جس طرح مسئلہ زیر بحث میں کیا اور دوسری شان بہت سے اختلافی مسائل میں یہ بھی تھی کہ امام صاحب کی رائے کو ہی ارجح قرار دیتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کا بھی مقولہ نقل ہوا ہے کہ جس مسئلہ میں امام صاحب دوسروں سے الگ اور منفرد ہوتے ہیں وہاں ان کی رائے سب سے زیادہ وزنی اور قیمتی ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب رفع الصوت فی المسجد

(مسجد میں آواز اونچی کرنا)

۴۵۳. حدثنا علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح المدینی قال نا یحیی بن سعید القطان قال نا الجعید بن عبدالرحمن قال حدثنی یزید بن خصیفة عن السائب ابن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت الیہ فاذا عمر بن الخطاب فقال اذھب فائتنی بھٰذین فجئتہ بھما فقال ممن انتما او من این انتما قالا من اھل الطائف قال لو کنتما من اھل البلد لا وجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ ﷺ.

۴۵۴. حدثنا احمد بن صالح قال نا ابن وھب قال اخبرنی یونس بن یزید عن ابن شھاب قال حدثنی عبداللہ بن کعب بن مالک ان کعب بن مالک اخبرہ انہ تقاضی ابن ابی حدرد دینا کان لہ علیہ فی عھد رسول اللہ ﷺ فی المسجد فارتفعت اصواتھما حتیٰ سمعھا رسول اللہ ﷺ وھو فی بیتہ فخرج الیھما رسول اللہ ﷺ حتیٰ کشف سجف حجرتہ و نادی کعب ابن مالک فقال یا کعب فقال لبیک یا رسول اللہ فاشار بیدہ ان ضع الشطر من دینک قال کعب قد فعلت یا رسول اللہ قال رسول اللہ ﷺ فاقضہ.

ترجمہ ۴۵۳: حضرت سائب بن یزید نے بیان کیا کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا، کسی نے میری طرف کنکری پھینکی میں نے جو نظر اٹھائی تو حضرت عمر بن خطاب سامنے تھے، آپ نے فرمایا کہ یہ سامنے جو دو شخص ہیں، انہیں میرے پاس بلالاؤ میں بلالایا آپ نے پوچھا کہ تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے اور کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیئے بغیر نہ رہتا، رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز اونچی کرتے ہو۔

ترجمہ ۴۵۴: حضرت کعب بن مالک نے خبر دی کہ انہوں نے ابن ابی حدرد سے اپنے ایک قرض کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسجد نبوی کے اندر تقاضہ کیا، دونوں کی آواز (باہمی جواب وسوال کے وقت اونچی ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے گھر میں سے سنا، آپ اٹھے اور حجرے پر پڑے ہوئے پردہ کو ہٹایا اور کعب بن مالک کو آواز دی یا کعب! کعب بولے، لبیک یا رسول اللہ، آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ وہ اپنا آدھا قرض معاف کردیں، کعب نے عرض کی یارسول اللہ میں نے معاف کردیا، رسول اللہ ﷺ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا اچھا اب قرض ادا کردو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- مرقاۃ میں ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر اللہ بھی جائز نہیں، کہ اس سے دوسرے

ذاکرین اور نماز و وظیفہ پڑھنے والوں کی تشویش خاطر ہوتی ہے، اور رسول اکرم ﷺ کی مسجد میں تو رفع صوت اس لئے بھی مناسب نہیں کہ یہ سوءادب بھی ہے، امام مالکؒ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام بعد وفات بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا اور امام بیہقیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اس روایت کی تصحیح حافظ ابن حجر[1] نے بھی فتح الباری جلد سادس میں کی ہے۔

حیات انبیاء کرام

حضرت شاہ صاحب نے بطور تحقیق مزید فرمایا:- روح تو کسی کی بھی فنا نہیں ہوتی نہ کافر کی نہ مومن کی البتہ مرنے کے بعد افعال معطل ہو جاتے ہیں (کیونکہ اجسام کی شکست و ریخت ہو جاتی ہے لیکن انبیاء کرام کے اجسام بھی پوری طرح محفوظ رہتے ہیں) پس انبیاء کرام کے بارے میں جو احادیث میں ان کی زندگی کا ذکر کیا گیا ہے وہ روح سے متعلق نہیں ہے بلکہ اجسام ہی سے متعلق ہے یعنی وہ وہاں بھی معطل نہیں ہوتے، بلکہ مشغول ہوتے ہیں، جس طرح دنیا کی زندگی میں تھے، لہٰذا وہ نمازیں پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، زائرین کے صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں، وغیرہ افعال احیاء۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل حیات افعال ہیں اور موت کی حقیقت تعطل ہے اور اس سے حدیث ابی داؤد کا بھی حل ہو جاتا ہے جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام پر جب سلام عرض کیا جاتا ہے تو آپ کی روح اس کو سننے اور جواب دینے کے لئے لوٹا دی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو اس وقت روح لوٹا کر زندہ کیا جاتا ہے بلکہ آپ کی روح مبارک چونکہ ہر وقت و ہر آن حضرت ربوبیت کی طرف متوجہ رہتی ہے، اس لئے سلام زائر کے وقت اس کی توجہ ادھر سے ادھر کو ہو جاتی ہے، بس یہی ردروح کا مطلب ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں، پھر فرمایا کہ حیات کے مراتب لاتعد ولاتحصیٰ ہیں اور انبیاء کرام کی حیات سب سے اعلیٰ ارفع، اتم و اکمل و اقوی ہے، پھر حیات صحابۂ کرام، پھر اولیاء عظام اور اسی طرح درجہ بدرجہ، بخلاف کافر و مشرک کے کہ اس کے لئے مرنے کے بعد تعطل محض ہے، یعنی اعمال خیر سے، اسی لئے اس کا درجہ **"لایموت فیھا ولایحیی"** قرار دیا گیا کہ نہ مردوں میں نہ زندوں میں، باقی جو تصرفات ارواح خبیثہ کے بصورت افعال خبیثہ ظاہر ہوتے ہیں وہ نظر شارع میں افعال حیاۃ نہیں ہیں کیونکہ وہ تو صرف افعال خیر و اعمال بر و صلاح ہیں، اعمال فسق و فجور افعال حیاۃ نہیں ہیں (نہ ان سے دنیا کا فائدہ نہ آخرت کا)

قصہ امام مالک و خلیفہ عباسی

امام مالکؒ خاص طور سے مسجد نبوی میں رفع صوت کو حضور اکرم ﷺ کے ادب و احترام کی وجہ سے بھی منع فرماتے تھے، اور خلیفہ عباسی

---

[1] کذا فی فیض الباری ص ۶۲ ج ۲ ولم اجدہ فی الفتح الی الآن، واللہ اعلم وعلمہ اتم، علامہ سیوطیؒ نے لکھا کہ حیاۃ انبیاء علیہم السلام پر بڑی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا ہے کیونکہ نماز جسم کی سلامتی و زندگی چاہتی ہے (حیوۃ الانبیاء سیوطی ۱۵) مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ص ۴۷۳ ج ۱ میں ہے انبیاء کرام کے قبروں میں زندہ ہونے کا مسئلہ متفق علیہ ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ وہاں ان کی حیات حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے نہ حیات معنوی روحانی جو شہداء کو بھی حاصل ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھا کہ حیاۃ انبیاء کرام متفق علیہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور یہ حیات جسمانی دنیاوی حقیقی ہے نہ کہ معنوی روحانی۔

علامہ ملا علی قاری حنفیؒ نے ایک مدلل مبسوط بحث کے بعد لکھا:- ابن حجر نے فرمایا کہ جو حیات انبیاء کرام کے لئے ثابت ہے وہ ایسی حیات ہے جس سے وہ اپنی قبور میں عبادت کرتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور کھانے پینے سے فرشتوں کی طرح مستغنی ہیں، اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور علامہ محدث بیہقی نے اس بارے میں مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے اور یہ بات ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، صحیح ابن حبان، حاکم و صحیح ابن خزیمہ سے بھی ثابت ہے۔ (مرقاۃ ص ۲۰۹ و ص ۲۱۰)

شیخ نور الحق دہلوی شارح بخاری نے لکھا:- حضور علیہ السلام کا انبیاء کرام کو دیکھنا اور ان سے کلام فرمانا بتلا رہا ہے کہ آپ نے ان کو ان کی ذوات و اجسام کے ساتھ دیکھا ہے اور یہ عقیدہ جمہور علماء امت کا مختار ہے کہ انبیاء کرام بعد اذاقت موت، زندہ بحیات دنیوی ہیں (تیسیر القاری شرح بخاری ص ۳۶۲ ج ۳)

نسیم الریاض ۱۴۹ ج ۴ اور مکاتیب حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ص ۱۳۰ ج ۱ میں بھی اسی طرح ہے۔

ابوجعفر منصور کو بھی تنبیہ فرمائی تھی وہ واقعہ مشہور ہے اور ہم نے اس کو انوارالباری جلد یازدہم میں تفصیل سے نقل کردیا ہے اور اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہؒ کے نظریات پر بھی کافی روشنی ڈالی تھی، وہاں دیکھا جائے۔

باب الحلي والجلوس في المسجد

(مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنا)

۴۵۵. حدثنا مسدد قال نا بشر بن المفضل عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال سال رجل النبي ﷺ وهو على المنبر ما ترىٰ في صلوٰة الليل قال مثنىٰ مثنىٰ فاذا خشى احدكم الصبح صلىٰ واحدة فاوترت له ما صلىٰ و انه كان يقول اجعلوا آخر صلوٰتكم بالليل وتراً فان النبي ﷺ امر به.

۴۵۶. حدثنا ابو النعمان حدثنا حماد بن زيد عن ايوب عن نافع عن ابن عمر ان رجلا جاء الى النبي ﷺ وهو يخطب فقال كيف صلوٰة الليل فقال مثنىٰ فاذا خشيت الصبح فاوتر بواحدة توتره لك ما قد صليت و قال الوليد بن كثير حدثني عبيد الله بن عبدالله ان ابن عمر حدثهم ان رجلاً نادى النبي ﷺ وهو في المسجد.

۴۵۷. حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالك عن اسحاق بن عبدالله بن ابي طلحة ان ابا مرة مولى عقيل بن ابي طالب اخبره عن ابي واقد الليثي قال بينما رسول الله ﷺ في المسجد فاقبل نفر ثلثة فاقبل اثنان الى رسول الله ﷺ وذهب واحد فاما احدهما فراى فرجة في الحلقة فجلس و اما الأخر فجلس خلفهم و اما الأخر فادبر واهباً فلمافرغ رسول الله ﷺ قال الا اخبركم عن النفر الثلثة اما احدهم فاوىٰ الى الله فاٰواه الله واما الاخر فاستحيىٰ فاستحيى الله منه واما الأخر فاعرض فاعرض الله عنه.

ترجمہ ۴۵۵: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا اس وقت آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ رات کی نماز کس طرح پڑھنے کے لئے آپ فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ دو دو رکعت کر کے اور جب طلوع صبح صادق قریب ہونے لگے تو ایک رکعت اور اس میں ملا لینا چاہئے یہ ایک رکعت اس کی نماز کو وتر بنا دے گی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ رات کی آخری نماز کو طاق رکھا کرو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

ترجمہ ۴۵۶: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے، آنے والے نے پوچھا، رات کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟ آپ نے فرمایا دو دو رکعت کر کے، پھر جب طلوع صبح صادق کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت اور ملا لو تا کہ تم نے جو نماز پڑھی ہے اسے یہ ایک رکعت وتر بنا دے اور ولید بن کثیر نے کہا کہ مجھ سے عبیداللہ بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو آواز دی جبکہ آپ مسجد میں تھے۔

ترجمہ ۴۵۷: حضرت واقد لیثی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ تین آدمی باہر سے آئے دو تو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضری کی غرض سے آگے بڑھے لیکن تیسرا چلا گیا، ان دو میں سے ایک نے درمیان میں خالی جگہ دیکھی اور وہاں بیٹھ گیا، دوسرا شخص سب سے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا تو واپس ہی جا چکا تھا، جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں ان تینوں کے متعلق نہ بتاؤں، ایک شخص تو خدا کی طرف بڑھا اور حلقہ میں پہنچ کر حضور علیہ السلام کے قریب بیٹھا تو خدا نے اسے اپنے سایۂ

عاطفت میں لے لیا، رہا دوسرا تو اس نے خدا سے حیا کی اسلئے خدا نے بھی اس سے یہی معاملہ کیا، تیسرے نے روگردانی کی اس لئے خدا نے بھی اس کی طرف سے اپنی رحمت کا رخ موڑ دیا۔

تشریح: تینوں حدیثوں میں حضرات صحابۂ کرام کا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر مسجد ہوکر آپ کی مجلس سے استفادہ کرنا مذکور ہے اور اس طرح کسی عالم سے استفادہ چونکہ اس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھنے سے ہی ہوا کرتا ہے لہٰذا امام بخاری کا عنوان درست ہوگیا اور چونکہ یہ تینوں استفادے مسجد نبوی میں واقع ہوئے تھے اس لئے اس باب کا تعلق احکام مساجد سے بھی صحیح ہوگیا، ذکرہ العینی عن ابن بطال (عمدہ ۴۴۱ ج ۲)

امام بخاری نے یہ آخری حدیث کتاب العلم ۲۴ میں بھی بعنوان "**باب من قعد حیث ینتھی به المجلس و من رأی فرجة فی الحلقة فجلس فیھا**" ذکر کی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث میں جمعہ کے روز جو حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کے دوسرے لوگوں کو گذرنے میں دقت ہوگی اور اگر مسجد میں وسعت ہو تو وہ بھی جائز ہے۔

باب الاستلقآء فی المسجد

(مسجد میں چت لیٹنا)

۴۵۸. حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن ابن شھاب عن عباد بن تمیم عن عمه انه رای رسول الله ﷺ مستلقیا فی المسجد واضعا احدی رجلیه علی الاخری و عن ابن شھاب عن سعید بن المسیب کان عمر و عثمان یفعلان ذلک.

ترجمہ ۴۵۸: حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا (عبداللہ بن زید بن عاصم مازنیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا آپ اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھے ہوئے تھے ابن شہاب سے مروی ہے وہ سعید بن مسیّب سے کہ حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما بھی اس طرح لیٹتے تھے۔

تشریح: چت لیٹ کر ایک پاؤں دوسرے پر رکھنے کی احادیث میں ممانعت بھی آئی ہے اور اس حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ خود اسی طرح لیٹے اور حضرت عمر و عثمانؓ بھی اس طرح لیٹا کرتے تھے، اس لئے ممانعت کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ اس صورت میں ہے جب ستر عورت کا پوری طرح اہتمام نہ ہو سکے، لیکن اگر پورا اہتمام اس کا کوئی شخص کرتا ہے پھر اس طرح چت لیٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضور ﷺ عام لوگوں کی موجودگی میں اس طرح نہیں لیٹتے تھے بلکہ خاص استراحت کے وقت آپ بھی اس طرح لیٹے ہوں گے جبکہ دوسرے لوگ وہاں موجود نہیں رہے ہونگے ورنہ عام مجمعوں میں آپ جس وقار کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے اس کی تفصیلات بھی احادیث میں موجود ہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس دور میں عام عرب اور خود آنحضور ﷺ تہمد باندھتے تھے جس میں ستر کھل جانے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے، پاجاموں میں اس کا خطرہ نہیں۔

باب المسجد يكون فى الطريق من غير ضر ربا الناس فيه وبه قال الحسن وايوب مالك

(عام گذرگاہ پر مسجد بنانا جبکہ کسی کو اس سے نقصان نہ پہنچے (جائز ہے) اور حسن (بصری) اور ایوب اور مالک رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے)

۴۵۹. حدثنا يحيى بن بكير قال نا لليث عن عقيل عن ابن شهاب قال اخبرنى عروة بن الزبير ان عائشة زوج النبى ﷺ قالت لم اعقل ابوى الا وهما يدينان الدين ولم يمر علينا يوم الا ياتينا فيه رسول الله ﷺ طر فى النهار بكرة و عشية ثم بدالابى بكر فابتنى مسجدا بفناء داره فكان يصلى فيه و يقرو القران فيقف عليه نساء المشركين و ابناء هم يعجبون منه وينظرون اليه و كان ابو بكر رجلا بكاء ولا يملك عينيه اذا قرأ القران فافزع ذلك اشراق قريش من المشركين.

ترجمہ ۴۵۹: حضرت عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے جب سے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین اسلام کا متبع پایا اور ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گذرا جس میں رسول اللہ ﷺ صبح و شام دونوں وقت ہمارے گھر تشریف نہ لائے ہوں پھر حضرت ابوبکر کی سمجھ میں ایک صورت آئی اور انہوں نے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی آپ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے وہاں تعجب سے کھڑے ہو جاتے اور آپ کی طرف دیکھتے رہتے، حضرت ابوبکر بڑے رونے والے شخص تھے، جب قرآن مجید پڑھتے تو آنسوؤں پر قابو نہ رہتا قریش کے مشرک سردار اس صورت حال سے گھبرا گئے (حدیث مفصل آئندہ آگے آئے گی)۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ فقہاء نے اس بارے میں سختی کی ہے اور لکھا کہ راستوں پر باوجود عدم ضرر و تکلیف کے بھی اذن والی یا قاضی ضروری ہے، مثل احیاء موات کے، لیکن میرے نزدیک یہ اس جگہ کے لوگوں پر موقوف ہے اگر وہ باہمی مساحت و مروت والے ہوں تو اذن پر موقوف نہ رکھا جائے گا، اگر لڑائی جھگڑے والے ہوں تو اذن ضروری ہوگا۔

باب الصلوٰة فى مسجد السوق وصلے ابن عون فى مسجد فى داريغلق عليم الباب

(بازار کی مسجد میں نماز پڑھنا ابن عون نے ایک ایسے گھر میں نماز پڑھی جس کے دروازے عام لوگوں پر بند تھے)

۴۶۰. حدثنا مسدد قال نا ابو معاوية عن الاعمش عن ابى صالح عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال صلوٰة الجميع تزيد على صلوته فى بيته وصلوته فى سوقه خمسا و عشرين درجة فان احدكم اذا توضاء فاحسن الوضوء واتى المسجد لا يريد الاالصلوة لم يخط خطوة الا رفعه الله درجة وحط عنه بها خطية حتے يدخل المسجد وذا دخل المسجد كان فى صلوة ما كانت تحبسه و تصلى الملٰئكة عليه مادام فى مجلسه الذى يصلى فيه اللهم اغفرله اللهم ارحمه مالم يؤذ يحدث فيه.

ترجمہ ۴۶۰: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں گھر کے اندر یا بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا ثواب ملتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص وضو کرے اور اس کے تمام آداب کا لحاظ رکھے پھر مسجد میں صرف نماز کی

غرض سے آئے تو اس کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک درجہ اس کا بلند فرماتا ہے اور ایک گناہ اس سے ساقط کرتا ہے اس طرح وہ مسجد کے اندر آئے گا اور مسجد میں آنے کے بعد جب تک نماز کے انتظار میں رہے گا اسے نماز ہی کی حالت میں شمار کیا جائے گا اور جب تک اس جگہ بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے تو ملائکہ اس کے لئے رحمت خداوندی کی دعائیں کرتے ہیں "اے اللہ اسکی مغفرت کیجئے اے اللہ اس پر رحم کیجئے" بشرطیکہ ریاح خارج کر کے تکلیف نہ دے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ باجماعت نماز میں بہ نسبت تنہا یا بازار میں نماز میں پڑھنے کے پچیس ۲۵ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے درحقیقت یہاں تنہا اور باجماعت نماز کے ثواب کے تفاوت کو بیان کرنا مقصود ہے، چونکہ عہد نبوی میں بازار محلوں سے علیحدہ تھے اور بازار میں مساجد نہیں تھیں اس لئے اگر کوئی شخص وہاں نماز پڑھتا تو ظاہر ہے کہ تنہا ہی پڑھتا اس لئے اسی حیثیت سے حدیث کا یہ حکم بھی ہوگا اس زمانہ میں بازار آبادی کے اندر لگتے ہیں اور اگر بازار میں مسلمان آباد ہوں تو مساجد کا بھی اہتمام ہوتا ہے، اس لئے بازار میں مساجد کے اندر اگر کوئی نماز پڑھے تو پورے ثواب کا مستحق ہوگا، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- حدیث میں ہے بازار شر البقاع (بدتر مقامات) ہیں اور مساجد خیر البقاع (برتر مقامات) تو شبہ ہو سکتا تھا کہ بازار میں مسجد بنالی جائے تو کیا وہ حصہ خیر البقاع بن جائے گا اور کیا اس میں بھی نماز و جماعت کا ثواب دوسری جگہوں کی مساجد جیسا ہوگا، اس شبہ کو رفع کیا گیا، حضرتؒ نے شرح المنیہ (ص ۴۰۲) کے حوالہ سے یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو وہ نظر شارع میں تارک جماعت نہ ہوگا، مگر اس کو مسجد کی جماعت کا ثواب نہ ملے گا، کیونکہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہے اور وہاں تکثیر جماعت اور اظہار شعائر اسلام کا ثواب بھی ملے گا۔

(اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بلا عذر و مجبوری کے عیدین کی نماز بجائے عیدگاہ کے بستی کی مساجد میں پڑھتے ہیں وہ بھی عیدگاہ کے ثواب تکثیر جماعت کے ثواب، اتباع سنت نبوی کے ثواب اور اظہار شعائر اسلام کے ثواب چاروں ثوابوں سے محروم رہتے ہیں کیونکہ جس طرح گھر سے نکل کر مسجد میں جانا اظہار شعائر ہے اسی طرح بستی سے نکل کر عیدگاہ جانا بھی اظہار شعائر اسلام ہے، واللہ اعلم)

باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ

(مسجد وغیرہ میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا)

۴۶۱. حدثنا حامد بن عمر عن بشر نا عاصم نا واقد عن ابیه عن ابن عمر او ابن عمر وقال شبک النبی ﷺ اصابعه وقال عاصم بن محمد قال سمعت هذا الحدیث من ابی فلم احفظه فقومه بی واقد عن ابیه قال سمعت ابی وهو یقول قال عبدالله بن عمر و قال رسول الله یا عبدالله بن عمر و کیف بک اذا بقیت فی حثالة من الناس بهذا.

ترجمہ ۴۶۱: حضرت ابن عمر یا ابن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور عاصم بن علی نے کہا کہ ہم سے عاصم بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے اس حدیث کو اپنے والد سے سنا لیکن مجھے حدیث یاد نہیں رہی تھی، پھر واقد نے اپنے والد کے واسطے سے نقل کر کے مجھے بتایا، انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ عبداللہ بن عمرو سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرو تمہارا کیا حال ہوگا جب تم برے لوگوں میں رہ جاؤ گے اس طرح (یعنی آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے میں کر کے صورت واضح کی)۔

تشریح: اس سے روکنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ ایک بری ہیئت اور لغو حرکت ہے لیکن اگر تمثیل یا اسی طرح کے کسی صحیح مقصد کے پیش

نظر انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بعض چیزوں کی مثال بیان کرتے ہوئے انگلیاں کو اس طرح ایک دوسرے میں داخل کیا تھا لیکن بغیر کسی ضرورت و مقصد کے مسجد سے باہر بھی یہ ناپسندیدہ ہے۔

۴۶۲. حدثنا خلاد بن یحییٰ قال نا سفیٰن عن ابی بردة بن عبدالله بن ابی بردة عن جده عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ انه قال ان المؤمن من کالبنیان یشد بعضه بعضا و شبک اصابعه.

۴۶۳. حدثنا اسحق قال انا ابن شمیل قال انا ابن عون عن ابی سیرین عن ابی هریرة قال صلی بنا رسول الله ﷺ احدی صلوتی العشی قال ابن سیرین قد سماها ابو هریرة ولکن نسیت انا قال فصلی بنا رکعتین ثم سلم فقام الی خشبة معروضة فی المسجد فاتکا علیها کانه غضبان ووضع یده الیمنی علی الیسری و شبک بین اصابعه ووضع خده الا یمن علی ظهر کفه الیسری و خرجت السرعان من ابواب المسجد فقالو قصرت الصلوٰة و فی القوم ابو بکر و عمر فهاباه ان یکلماه و فی القوم رجل فی یدیه طول یقال له ذوالیدین قال یا رسول الله انسیت ام قصرت الصلوٰة قال لم انس ولم تقصر فقال اکما یقول ذوالیدین فقالو نعم فتقدم فصلی ما ترک ثم سلم ثم کبر و سجد مثل سجوده او اطول ثم رفع راسه و کبر ثم کبر وسجد مثل سجوده او اطول ثم رفع رأسه و کبر فربما سالوه ثم سلم فیقول بنئت ان عمران بن حصین قال ثم سلم.

ترجمہ ۴۶۲: ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان نے ابی بردہ بن عبداللہ بن ابی بردہ کے واسطہ سے بیان کیا وہ اپنے دادا حضرت ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ نے (تمثیلاً) ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔

ترجمہ ۴۶۳: حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے زوال کے بعد دو نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی ابن سیرین نے کہا کہ ابوہریرہ نے اس کا نام لیا تھا لیکن میں بھول گیا، ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا، اس کے بعد ایک لکڑی کے لٹھے سے جو مسجد میں رکھا ہوا تھا ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے، آپ اس کا اس طرح سہارا لئے ہوئے تھے جیسے آپ بہت ہی غصہ میں ہوں اور آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور ان کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور آپ نے اپنے داہنے رخسار مبارک کو بائیں ہاتھ کی پشت سے سہارا دیا جو لوگ مسجد سے جلدی نکل جایا کرتا تھے وہ دروازوں سے باہر جا چکے تھے، لوگ کہنے لگے کہ نماز (کی رکعتیں) کم کردی گئیں ہیں؟ حاضرین میں ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی تھے لیکن انہیں بھی بولنے کی ہمت نہ ہوئی، ان ہی میں ایک شخص تھے جن کے ہاتھ لمبے تھے اور انہیں ذوالیدین کہا جاتا تھا، انہوں نے پوچھا، یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز (کی رکعتیں) کم کردی گئیں آں حضور نے فرمایا کہ نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کی رکعتوں میں کوئی کمی ہوئی ہے پھر آپ نے لوگوں سے مخاطب ہوکر پوچھا کیا ذوالیدین صحیح کہہ رہے ہیں، حاضرین بولے کہ جی ہاں، آخر آپ آگے بڑھے اور باقی رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیرا، تکبیر کہی اور سجدہ کیا، معمول کے مطابق یا اس سے بھی طویل سجدہ پھر سر اٹھالیا اور تکبیر کہی، پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا معمول کے مطابق یا اس سے بھی طویل پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی، تلامذہ ابن سیرین سے پوچھتے کہ کیا پھر سلام پھیرا تو وہ جواب دیتے کہ مجھے معلوم ہے کہ عمران بن حصین کہتے تھے کہ پھر سلام پھیرا۔

تشریح: یہ حدیث ''حدیث ذوالیدین'' کے نام سے مشہور ہے اور احناف و شوافع کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، تفصیلی بحث اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاءاللہ۔

باب المساجد التی علیٰ طرق المدینة المواضع التی صلے فیھا النبی ﷺ

(مدینہ کے راستے میں وہ مساجد اور جگہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی)

۴۶۴. حدثنا محمد بن ابی بکر المقدمی قال ثنا فضیل بن سلیمان قال ثنا موسی بن عقبة قال رایت سالم بن عبدالله یتحری اماکن من الطریق فیصلی فیھا و یحدث ان اباه کان یصلی فیھا وانه رأی النبی ﷺ یصلی فی تلک الامکنة قال وحدثنی نافع عن ابن عمر انه کان یصلی فی تلک الامکنة و سألت سالما فلا اعلمه الا وافق نافعا فی الامکنة کلھا الا انھما اختلفا فی مسجد بشرف الروحآء.

۴۶۵. حدثنا ابراھیم بن المنذر الحزامی قال نا انس بن عیاض قال نا موسی بن عقبة عن نافع ان عبدالله ابن عمر اخبره ان رسول الله ﷺ کان بذی الحلیفة حین یعتمرو و فی حجة حین حج تحت سمرة فی موضع المسجد الذی بذی الحلیفة وکان اذا رجع من غزوة وکان فی تلک الطریق او حج او عمرة ھبط بطن واد فاذا ظھر من بطن واد اناخ بالبطحا التی علی شفیر الوادی الشرقیة فعرس ثم حتیٰ یصبح لیس عند المسجد الذی بحجارة ولا علی الاکمة التی علیھا المسجد کان ثم خلیج یصلی عبدالله عنده فی بطنه کتب کان رسول الله ﷺ ثم یصلی فدحا فیه السیل بالبطحآء حتی دفن ذلک المکان الذی کان عبدالله یصلی فیه وان عبدالله بن عمر حدثه ان النبی ﷺ صلی حیث المسجد الصغیر الذی دون المسجد الذی بشرف الروحآء و قد کان عبدالله یعلم الکان الذی کان صلی فیه النبی ﷺ یقول ثم عن یمینک حین تقوم فی المسجد تصلی و ذلک المسجد علی حافة الطریق الیمنی وانت ذاھب الیٰ مکة بینه و بین المسجد الاکبر رمیة بحجر او نحو ذلک و ان ابن عمر کان یصلی الی العرق الذی عند منصرف الروحاء و ذلک العرق انتھی طرفه علی حافة الطریق دون المسجد الذی بینه و بین المنصرف وانت ذاھب الی مکة وقد ابتنی ثم مسجد فلم یکن عبدالله بن عمر یصلی فی ذلک المسجد کان یترکه عن یساره وورآء ویصلی امامه الی العرق نفسه و کان عبدالله یروح من الروحاء فلا یصلی الظھر حتی یأتی ذلک المکان فیصلی فیه الظھر واذا اقبل من مکة فان مربه قبل الصبح بساعة او من آخر السحر عرس حتیٰ یصلی بھا الصبح و ان عبدالله حدثه ان النبی ﷺ کان ینزل تحت سرحة ضخمة دون الرویثة عن یمین الطریق ووجاه الطریق فی مکان بطح سھل حتی یفضی من اکمة دوین برید الرویشة بملین وقد انکسر اعلاھا فانثنی فی جوفھا وھی قائمة علے ساق و فی ساقھا کتب کثیرة و ان عبدالله بن عمر حدثه ان النبی ﷺ صلے فی طرف تلعة من ورآء العرج وانت ذاھب الی ھضبة عند ذالک المسجد قبران او ثلاة علی القبور رضم من حجارة عن یمین الطریق عند سلمات الطریق بین اولئک السلمات کان عبدالله یروح من العرج بعد ان تمیل الشمس بالھاجرة فیصلی الظھر فی ذلک المسجد و ان عبدالله بن عمر حدثه ان رسول الله ﷺ نزل عند سرحات عن یسارا الطریق فی مسیل دون ھر شی ذلک المسیل لا صق بکراع ھر

شي بينه و بين الطريق قريب من غلوة و كان عبدالله بن عمر يصلي الى سرحة هي اقرب السرحات الى الطريق وهي اطولهن وان عبدالله بن عمر حدثه ان النبي ﷺ كان ينزل في المسيل الذى في ادني مر الظهران قبل المدينة حين يهبط من الصفروات تنزل في بطن ذلك المسيل عن يسار الطريق و انت ذاهب الىٰ مكة ليس بين منزل رسول الله ﷺ وبين الطريق الا رمية بحجرو ان عبدالله بن عمر حدثه ان النبي ﷺ كان ينزل بذى طوى و يبيت حتى يصبح يصلي الصبح حين يقدم مكة و مصلي رسول الله ﷺ ذلك على اكمة غليظة ليس في المسجد الذى بنى ثمه ولكن اسفل من ذلك على اكمة غليظة وان عبدالله بن عمر حدثه ان النبي ﷺ استقبل فرضي الجبل الذى بينه و بين الجبل الطويل نحو الكعبة فجعل المسجد الذى بنى ثم يسار المسجد بطرف الاكمة و مصلي النبي ﷺ اسفل منه على الاكمة السودآء تدع من الاكمة عشرة اذرع او نحوها تصلي مستقبل الفرضتين من الجبل الذى بينك و بين الكعبة.

ترجمہ ۴۶۴: حضرت موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ (مدینہ سے مکہ تک) راستے میں بعض مخصوص جگہوں کو تلاش کر کے وہاں نماز پڑھتے تھے وہ کہتے تھے کہ ان کے والد (حضرت ابن عمرؓ) بھی ان مقامات میں نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان میں نماز پڑھتے دیکھا تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ مجھ سے نافع نے ابن عمر کے متعلق بیان کیا کہ وہ ان مقامات میں نماز پڑھتے تھے اور میں نے سالم سے پوچھا تو مجھے خوب یاد ہے کہ انہوں نے بھی نافع کی حدیث کے مطابق ہی تمام مقامات کا ذکر کیا البتہ مقام شرف روحاء کی مسجد کے متعلق دونوں کا بیان مختلف تھا۔

ترجمہ ۴۶۵: حضرت عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے اور حج کے موقع پر جب حج کے ارادہ سے نکلے تو ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا، ذوالحلیفہ کی مسجد سے متصل ایک ببول کے درخت کے نیچے اور جب آپ کسی غزوے سے واپس ہو رہے ہوتے اور راستہ ذوالحلیفہ سے ہو کر گزرتا یا حج یا عمرہ سے واپسی ہو رہی ہوتی تو وادی عقیق کے نشیبی علاقہ میں اترتے پھر جب وادی کے نشیب سے اوپر آتے تو وادی کے بالائی کنارے کے اس مشرقی حصہ پر پڑاؤ ہوتا جہاں کنکریوں اور ریت کا کشادہ نالا ہے، یہاں آپ رات کو صبح تک آرام فرماتے تھے، اس وقت آپ اس مسجد کے قریب نہیں ہوتے تھے جو پتھروں کی ہے، آپ اس ٹیلے پر بھی نہیں ہوتے تھے جس پر مسجد بنی ہوئی ہے، وہاں ایک گہری وادی تھی، حضرت عبداللہ وہیں نماز پڑھتے تھے، اس کے نشیب میں ریت کے ٹیلے تھے اور رسول اللہ ﷺ یہیں نماز پڑھتے تھے، کنکریوں اور ریت کے کشادہ نالہ کی طرف سیلاب نے آکر اس جگہ کے آثار و نشانات کو مٹا دیا جہاں حضرت عبداللہ بن عمر نماز پڑھا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں اب شرف روحاء والی مسجد کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد ہے، حضرت عبداللہ بن عمر اس جگہ کی نشاندہی کرتے تھے جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی کہتے تھے کہ یہاں تمہاری داہنی طرف جب تم مسجد میں (قبلہ رو) نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہو، جب تم مکہ جاؤ (مدینہ سے) تو یہ چھوٹی مسجد راستے کے داہنی جانب پڑتی ہے اس کے اور بڑی مسجد کے درمیان پھینکے ہوئے بہت سے پتھر یا اس جیسی کچھ چیزیں پڑی ہوئی ہیں اور حضرت ابن عمر (مشہور و معروف وادی) عرق الظبیہ میں نماز پڑھتے تھے جو مقام روحاء کے آخر میں ہے، اور اس وادی عرق الظبیہ کا کنارہ اس راستے پر جا کر ختم ہوتا ہے جو مسجد سے قریب ہے، مسجد اور روحاء کے آخری حصہ کے درمیان مکہ جاتے ہوئے اب یہاں ایک مسجد کی تعمیر ہوگئی، حضرت عبداللہ بن عمر اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس کو اپنے بائیں طرف مقابل میں چھوڑ دیتے اور آگے بڑھ کر خاص وادی عرق الظبیہ میں نماز

پڑھتے تھے، عبداللہ بن عمر روحاء سے چلتے تو ظہر کی نماز اس وقت تک نہیں پڑھتے تھے جب تک اس مقام پر نہ پہنچ جائیں، جب یہاں آجاتے پھر ظہر پڑھتے اور اگر مکہ سے آتے ہوئے صبح صادق سے تھوڑی دیر پہلے یا سحر کے آخر میں وہاں سے گذرتے تو صبح کی نماز تک وہیں آرام کرتے اور فجر کی نماز پڑھتے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ راستے کے داہنی طرف مقابل میں ایک گھنے درخت کے نیچے وسیع اور نرم علاقے میں قیام فرماتے تھے جو قریہ رویثہ کے قریب تھا پھر آپ اس ٹیلہ سے جو رویثہ کے راستے سے قریب دو میل کے ہے چلتے تھے، اب اس کے اوپر کا حصہ ٹوٹ کر درمیان میں اٹک گیا ہے، درخت کا تنا اب بھی کھڑا ہے اور اس کے ارد گرد ریت کے تودے بکثرت پھیلے ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے قریہ عرج کے قریب اس نالے کے کنارے نماز پڑھی جو پہاڑ کی طرف جاتے ہوئے پڑتا ہے اس مسجد کے پاس دو یا تین قبریں ہیں ان قبروں پر پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں، راستے کے داہنی جانب درختوں کے پاس ان کے درمیان میں ہو کر نماز پڑھی، حضرت عبداللہ بن عمر قریہ عرج سے سورج ڈھلنے کے بعد چلتے اور ظہر اسی مسجد میں آکر پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے راستے کے بائیں طرف ان گھنے درختوں کے پاس قیام فرمایا جو ہرشی پہاڑ کے قریب نشیب میں ہیں، یہ ڈھلوان جگہ ہرشی کے ایک کنارے سے ملی ہوئی ہے، یہاں سے عام راستہ تک پہنچنے کے لئے تقریباً تین فرلانگ کا فاصلہ پڑتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر اس گھنے درخت کے پاس نماز پڑھتے تھے جو ان تمام درختوں میں راستے سے سب سے زیادہ قریب ہے اور سب سے لمبا درخت بھی یہی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ اس نشیبی جگہ میں اترتے تھے جو وادی مرالظہر ان کے قریب ہے، مدینہ کے مقابل جبکہ مقام صفراوات سے اترا جائے، نبی کریم ﷺ اس ڈھلوان کے بالکل نشیب میں قیام کرتے تھے، یہ راستے کے بائیں جانب پڑتا ہے، جب کوئی شخص مکہ جارہا ہو، راستے اور رسول ﷺ کی منزل کے درمیان صرف پتھر کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مقام ذی طویٰ میں قیام فرماتے تھے، رات یہیں گذارتے اور صبح ہوتی تو نماز فجر یہیں پڑھتے، مکہ جاتے ہوئے یہاں نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ ایک بڑے ٹیلے پر تھی، اس مسجد میں نہیں جو اب وہاں بنی ہوئی ہے بلکہ اس سے نیچے ایک بڑا ٹیلا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت نافع سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے پہاڑ کی ان دو گھاٹیوں کا رخ کیا جو آپکے اور جبل طویل کے درمیان کعبہ کی سمت تھیں آپ اس مسجد کو جو اب وہاں تعمیر ہوئی ہے، اپنی بائیں طرف کر لیتے تھے، ٹیلے کے کنارے اور نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے سیاہ ٹیلے پر تھی، ٹیلے سے تقریباً دس ہاتھ چھوڑ کر اس پہاڑ کی دونوں گھاٹیوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، جو تمہارے اور کعبہ کے درمیان ہے۔

تشریح: اس طویل حدیث میں جن مقامات میں نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے ان میں سے تقریباً اکثر کے آثار و نشانات اب مٹ چکے ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اب ان میں صرف مسجد ذی الحلیفہ اور روحاء کی مساجد جن کی اس اطراف کے لوگ تعیین کر سکتے ہیں باقی رہ گئی ہیں اس کے علاوہ اس حدیث میں جن سفر کی نمازوں کا ذکر ہے وہ سات دنوں تک جاری رہا تھا اور آپ نے پینتیس ۳۵ نمازیں راستے میں پڑھی ہوں گی لیکن راویان حدیث نے اکثر کا ذکر نہیں کیا ہے، حدیث میں ہے کہ وادی روحاء میں آنحضور ﷺ نے نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ یہاں ستر ۷۰ انبیاء نے نمازیں پڑھی ہیں، حضرت ابن عمرؓ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھیں وہاں پہنچ کر نماز کے لئے خاص طور سے اہتمام کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے، ویسے بھی حضرت ابن عمرؓ کی اتباع سنت میں انتہائی شدت مشہور ہے لیکن دوسری طرف حضرت عمرؓ کا طرز عمل ہے کہ اپنے کسی سفر میں انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک خاص جگہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ نبی

کریم ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کی نماز کا وقت ہوگیا ہے تو پڑھ لے ورنہ آگے چلے، اہل کتاب اس لئے ہلاک ہوگئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو تلاش کر کے ان پر عبادت گاہیں بنائیں، حافظ ابن حجرؒ نے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ کا فرمان ان عام لوگوں کی زیارت سے متعلق ہے جو ان مقامات کی بغیر نماز کے زیارت کو ناپسندیدہ خیال کرتے تھے، انہیں یہ خوف تھا کہ ایسے افراد کہیں ان مقامات پر نماز پڑھنا واجب نہ سمجھ بیٹھیں، حضرت ابن عمرؓ جیسے افراد سے اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا تھا، اس کے علاوہ اس سے پہلے حضرت عتبان کی حدیث گذر چکی ہے کہ آنحضور ﷺ نے ان کے گھر ایک جگہ اس لئے نماز پڑھی تھی تا کہ عتبان وہاں نماز پڑھا کریں۔ (فتح ۳۷۹ ج ۲)

تنبیہات حافظ: آخر میں حافظؒ نے بعنوان ''تنبیہات'' لکھا:- (۱) امام بخاریؒ نے یہاں نو حدیثوں کو جمع کر دیا ہے، جن میں آخر کی وہ دو حدیث بھی ہیں جو امام مسلم نے کتاب الحج میں نقل کی ہیں (۲) اب ان مساجد میں سے صرف مسجد ذی الحلیفہ اور روحاء کی مساجد رہ گئی ہیں جن کو وہاں کے لوگ پہچانتے ہیں، اور ترمذی میں حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے وادی روحا میں نماز پڑھی اور فرمایا کہ اس مسجد میں ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے (۳) حضرت ابن عمرؓ کا تعامل یہاں بتلایا گیا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے آثار وافعال کا کس قدر تتبع کرتے تھے اور ان مقامات صلوٰۃ نبویہ کو کس درجہ متبرک خیال کرتے تھے، علامہ بغوی شافعیؒ نے فرمایا کہ جن مساجد میں نبی کریم ﷺ سے نماز ثابت ہوئی ہے، ان میں سے اگر کسی مسجد کی بھی نماز پڑھنے کی نذر کرلی جائے تو وہ بھی مساجد ثلاثہ کی طرح عمل کے لئے متعین ہوجائے گی یعنی اسی مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا واجب ہوجائے گا۔

علامہ بغوی کے اس قول سے ان سب مساجد نبویہ کی عظمت وجلالت قدر واضح ہوتی ہے، اگرچہ علاوہ مساجد ثلاثہ کے یہ نذر کا مسئلہ دوسرے اکابر مذہب کے یہاں مسلم نہیں ہے (۴) امام بخاری نے احادیث مساجد مدینہ کا ذکر نہیں کیا، اس لئے کہ وہ ان کی شرط پر نہ ہوں گی، مگر علامہ عمر بن شبہ نے اخبار مدینہ میں تمام مساجد ومقامات صلوٰۃ نبویہ کو بالاستیعاب ذکر کیا ہے کہ وہ مشہور مساجد ہیں، پھر حافظ نے ان کا ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ ان کو پہچاننے کا فائدہ بھی وہی ہے جو علامہ بغوی نے ذکر کیا (فتح ص ۳۵۱ ج ۲)

ارشاد علامہ عینی رحمہ اللہ

آپ نے لکھا:- (۱) حدیث الباب کی مناسبت سے یہ امر بھی بحوالہ مراسیل ابی داؤد لائق ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی کے ساتھ تو مساجد مدینہ طیبہ میں دوسری بھی تھیں، جن میں وہاں کے نمازی حضرت بلالؓ کی اذان سن کر اپنی اپنی مساجد میں نمازیں پڑھا کرتے تھے، پھر علامہ نے دوسری مساجد کی بھی تفصیل کی اور آخر میں لکھا کہ اب مسجد قبا، مسجد الفضیخ، مسجد بنی قریظہ وغیرہ باقی ہیں (۲) حدیث الباب سے حضرت ابن عمرؓ کا حضور علیہ السلام کے آثار وافعال کے تتبع کو محبوب سمجھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا بھی معلوم ہوا اور مواضع صالحین سے ہمیشہ ہی لوگ برکت حاصل کرتے رہے ہیں (۳) اس سلسلہ میں اشہب کی رائے بھی نقل کی گئی ہے کہ ان سے مقامات صلوات نبویہ میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا کہ مجھے تو یہ بات پسند نہیں آتی بجز مسجد قبا کے کیونکہ حضور علیہ السلام وہاں سوار و پیدل جایا کرتے تھے اور آپ نے دوسرے مقامات کے لئے ایسا نہیں کیا (۴) علامہ بغوی کی رائے ذکر کی جو اوپر حافظ سے نقل ہوچکی ہے (عمدہ ۳۶۸ ج ۲)

ارشاد حضرت گنگوہیؒ

آپ نے فرمایا:- امام بخاری کا مقصد اس باب سے حضور اکرم ﷺ کے سفر حج کے مواضع نزول کا ذکر ہے تا کہ لوگ ان مقامات میں نماز پڑھ کر برکت حاصل کریں اور دعائیں کریں (لامع ص ۱۹۱ ج ۱)

ارشاد حضرت شیخ الحدیث دام ظلہم

آپ نے لکھا:- میرے نزدیک امام بخاری کی غرض مشاہد انبیاء علیہم السلام وصالحین سے برکت حاصل کرنے کا جواز ثابت کرنا ہے تا کہ اس وہم کا دفعیہ ہوجائے جو حضرت عمرؓ کے کلام سے عدم جواز کا ہوسکتا ہے، اور اسی کی طرف حضرت گنگوہیؒ نے بھی اپنے ارشاد "لیتبرک بالصلوۃ والدعاء فیھا" سے اشارہ فرمایا ہے، یعنی ان مقامات میں حاضر ہوکر نماز ودعا میں کوئی شرعی محذور نہیں ہے بلکہ نماز کی مزید برکت اور دعا کی قبولیت متوقع ہے، پھر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس کے لئے حافظ ابن حجر سے تائید پیش کی، جو انہوں نے حضرت عمرؓ کے ارشاد کی توجیہ میں لکھی ہے اور یہ بھی لکھا کہ حضرت عتبانؓ کا حضور علیہ السلام سے اپنے گھر میں نماز پڑھوانے کا سوال اور حضور کا ان کی درخواست کو قبول فرمانا اس امر کی واضح دلیل وحجت ہے کہ متبرک آثار الصالحین جائز ہے (فتح ص ۳۷۹ ج ۲)

علامہ قسطلانیؒ نے فرمایا کہ حضرت عمر وحضرت ابن عمرؓ کے اختلاف سے ہمیں دین کی بڑی اصل مل گئی کہ جہاں ایک طرف حضرت ابن عمر سے یہ سبق ملا کہ حضور اکرم ﷺ کے آثار وافعال کا تتبع واتباع مظہر تعظیم نبوی اور موجب حصول برکات ہے، وہاں حضرت عمر کی احتیاطی تنبیہ نے یہ سبق دیا کہ اتباع کو ابتداع کی حدود[1] میں داخل نہ ہونا چاہئے۔

قاضی عیاض مالکی نے شفاء میں لکھا:- حضور علیہ السلام کی تعظیم واجلال شان ہی سے یہ بھی ہے کہ آپ کے تمام اسباب کو معظم جانے، آپ کے تمام امکنہ مکہ ومدینہ ومشاہد ومعاہد کا اکرام کرے، بلکہ ان چیزوں کا بھی جن کو دست مبارک نبوی نے لمس کیا ہے، حضرت صفیہ بنت نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت ابومحذورہؓ سر مبارک کے سامنے کے بال نہ منڈواتے تھے پوچھا گیا تو فرمایا:- ان کو کس دل سے الگ کرادوں، جبکہ ان کو دست مبارک نبوی نے مس کیا ہے اور حضرت ابن عمرؓ اپنا ہاتھ منبر نبوی کی جا نشست پر رکھتے اور اس کو اپنے چہرے سے ملتے تھے (وغیرہ وغیرہ شفاء عیاض میں دیکھو)

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے وضوء کا پانی بھی صحابہ کرام زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور جن کے ہاتھ بھی جو قطرے لگ جاتے تھے وہ ان کو اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا تھا، جیسا کہ بخاری میں بھی قصہ حدیبیہ میں آئے گا اور حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں اپنے بال مبارک صحابہ کرام میں تقسیم فرمائے تھے، نیز بخاری میں حضرت ابن سیرین سے گذر چکا ہے کہ انہوں نے حضرت عبیدہ سے فرمایا کہ ہمیں حضرت انسؓ کے ذریعہ حضور علیہ السلام کے بال حاصل ہوئے ہیں تو عبیدہ نے فرمایا کہ مجھے تو ایک بال بھی میسر ہوجائے تو وہ دنیا اور مافیہا سے زیادہ عزیز ومحبوب ہوگا، حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی حضور علیہ السلام کے بال مبارک تھے، جب کسی کو نظر لگ جاتی یا دوسری تکلیف ہوتی تو ان کے پاس پانی بھیجا جاتا تھا، آپ اس پانی میں بال مبارک ڈال کر نکال دیتیں اور وہ پانی لوگوں کے لئے شفاوصحت بن جاتا تھا، جیسا کہ بخاری باب الشیب میں آئے گا اور روایت مصافحہ مشہور ہے اور حضور علیہ السلام سے صحابۂ کرام اور بعد کے حضرات کے استبراک کے واقعات حد احصاء وشمار سے زیادہ ہیں، (حاشیہ لامع الدراری از شیخ الحدیث دامت برکاتہم ص ۱۹۱ والا بواب والتراجم ص ۲۲۹ ج ۲)

افادۂ انور: حضرتؒ نے فرمایا کہ اس مقام پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے جو امور اتفاقی طور پر صادر ہوئے ہیں، ان کی تحری وتتبع کا کیا حکم ہے؟ علامہ ابن تیمیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں شدت وتنگی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ایسے ہی حضور کی طرف اتفاقاً کرلے تو حرج نہیں، لیکن تحری وتلاش کرکے اتباع کرنا اچھا نہیں ہے، لیکن میرے نزدیک اتفاقیات میں بھی تحری واتباع موجب اجر و

---

[1] یہ فیصلہ نہایت صحیح ومعتدل ہے، جن لوگوں نے ہر تعظیم کو شرک بنالیا ہے وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں واللہ الموفق (مؤلف)

[2] فتح الملہم ص ۲۰۴ وص ۱۰۹ ج ۱ اور نووی ص ۲۳۳ ج ۱ میں بھی تبرک بآثار الصالحین اور نماز مقامات صلوات نبویہ کا ثبوت ملے گا اور مشکوۃ ص ۳۷۴ کتاب اللباس میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مسلم شریف بھی لائق ذکر ہے کہ میں حضور علیہ السلام کے جبۂ مبارکہ کو دھوکر پانی مریضوں کو دیتی تھی اور اس سے ان کو شفا ہوتی تھی۔ (مؤلف)

ثواب ہے، جو حضرت ابن عمرؓ کے تعامل سے ثابت ہے، اس کے مقابلہ میں حضرت ابن عباسؓ کے طریقہ سے فائدہ اٹھانا اس لئے مناسب نہ ہوگا کہ ان کے رُخص اور تسامحات مشہور ہیں، مثلاً وہ نزول محصب کو بھی مسنون نہ مانتے تھے اور طواف میں رمل کو بھی حذف کرتے تھے، حالانکہ ان کے علاوہ سب صحابہ کا اتفاق ہے کہ یہ چیزیں مسنون ہیں، البتہ بعض علماء نے جو بعض غیر مسنون چیزوں کو بھی مسنون کا درجہ دے دیا ہے وہ افراط وتفریط ہے۔

کچھ امام اشہب وابن تیمیہ کے متعلق

علامہ عینی نے اشہب کا قول نقل کیا کہ انہوں نے بھی نماز مواضع صلوات نبویہ کو پسند نہ کیا یہ بھی علامہ ابن تیمیہؒ کے مزاج کے ہوں گے، خیال ہے کہ جس طرح بعض حضرات نے حضرت ابن عباس کے طریقہ سے اپنے لئے خیالی تائید حاصل کی ہوگی، اشہب کے قول مذکور سے بھی استناد کیا ہوگا، حالانکہ ان کی دلیل نہایت کمزور ہے وہ کہتے ہیں کہ بجز قبا کے کسی مسجد میں بھی حضور علیہ السلام کے اتباع میں نماز پڑھنا مجھے پسند نہیں کیونکہ صرف قبا کے لئے آپ کا سوار و پیدل جانا ثابت ہے اور کسی مسجد کے لئے ایسا ثابت نہیں ہوا، کوئی علامہ سے دریافت کرتا کہ صحابی حضرت عتبانؓ کے یہاں حضور علیہ السلام نے کتنی بار سوار و پیدل جا کر نماز پڑھی تھی اور انہوں نے حضور کی ایک ہی بار نماز پڑھنے سے اس مقام کو کیوں متبرک سمجھ کر اپنے لئے نماز کی جگہ تجویز کر لی اور حضور علیہ السلام نے بھی ان کی اس تجویز کو پسند فرمالیا، کیا اشہب کی پسند حضور علیہ السلام اور صحابی سے بھی بڑھ کر ہے اور کیا حضرت ابن عمر صحابی جلیل القدر کے تعامل و پسندیدگی سے بھی اشہب کی پسند کا مرتبہ زیادہ ہوسکتا ہے؟ جبکہ حافظ ابن حجر ایسے محدث ومحقق نے بھی حضرت عمرؓ کے قول میں توجیہ کر کے حضرت ابن عمرؓ کے تعامل کو ترجیح دی اور حضرت عتبانؓ کے فعل کو استبراک بآثار الصالحین کے لئے حجت قرار دیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی اپنے حافظہ میں تازہ کر لیں کہ یہ اشہب مالکی فقیہ مصری م ۲۰۴ھ وہی ہیں جنہوں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں ایک غلط بے تحقیق بات منسوب کی تھی جس سے علامہ شبلی وعلامہ سید سلیمان ندویؒ بھی مغالطہ میں پڑ گئے تھے اور اس کو سیرۃ النعمان اور حیات امام مالکؒ میں لکھ دیا تھا حالانکہ اس کی تردید حافظ ابن حجر وغیرہ سے ثابت ہو چکی تھی (تفصیل کے لئے دیکھئے امام ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۶۱، ۱۶۲)

(نوٹ) اس سلسلہ میں اس وقت تک ہمارے علم میں اشہب مالکی اور علامہ ابن تیمیہ کے اقوال مخالفت کے آئے تھے جن کے جوابات کی طرف اشارہ کر دیا گیا، مزید بحث وتحقیق آئندہ، ان شاء اللہ۔

مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان راستہ کی مشہور مساجد

چونکہ امام بخاریؒ نے بڑے اہتمام سے مساجد طرق مدینہ کا ذکر کیا ہے اور ان کا مسلک بھی جمہور سلف وخلف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ راستہ کی مساجد ومواضع صلوٰۃ وقیام نبوی کی پیروی میں نماز وقیام کا اہتمام کیا جائے اس لئے ہم الگ سے بھی ان مساجد ومواضع کی نشان دہی کئے دیتے ہیں لہٰذا اس مبارک سفر زیارۃ نبویہ میں زائرین کرام ان مقامات میں حسب سہولت قیام ونماز فرض ونفل کا اہتمام کریں اور راقم الحروف کو بھی دعاؤں میں یاد کریں۔ ولہم الشکر والمنہ

(۱) **مسجد ذی الحلیفہ**: اس کو بئر علی بھی کہتے ہیں، مدینہ منورہ سے احرام حج کی میقات ہے، مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل ہے۔

(۲) **مسجد معرس**: اس جگہ رسول اکرم ﷺ نے آخر شب میں قیام فرمایا تھا، مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل ہے۔

(۳) **مسجد عرق الظبیہ**: اس مقام پر حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی، روحاء سے دو میل آگے ہے، اس جگہ ستر ۷۰ نبیوں نے نماز پڑھی ہے۔

(۴) **مسجد الغزالہ**: وادی روحاء کے آخر میں ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی ہے۔

(۵) **مسجد الصفراء**: مدینہ طیبہ سے تین روز (اونٹ کے ذریعہ سفر سے) اور بس یا کار سے چند گھنٹوں کی مسافت ہے۔

(۶) مسجد بدر: جہاں مشہور غزوۂ بدر ہوا تھا، وہاں شہداء بدر کی زیارت بھی کی جاتی ہے۔
(۷) مسجد جحفہ: وہاں تین مسجدیں ہیں، ایک جحفہ کے شروع میں، دوسری آخر میں میقات کے نشانوں کے پاس اور تیسری تین میل کے بعد راستہ سے بائیں جانب ہے۔
(۸) مسجد مرالظہران: مکہ معظمہ سے قریب ایک منزل پر ہے، راستہ سے بائیں جانب، اس کو مسجد فتح بھی کہتے ہیں۔
(۹) مسجد سرف: یہاں حضرت میمونہؓ کا نکاح حضور علیہ السلام سے ہوا تھا اور وہیں ان کا مدفن بھی ہے یہ مسجد وادی فاطمہ سے تین میل جانب شمال ہے۔
(۱۰) مسجد تنعیم: جس کو مسجد عائشہ بھی کہتے ہیں، وہاں سے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں، مکہ معظمہ سے تین میل جانب شمال ہے۔
(۱۱) مسجد ذی طویٰ: چاہ طویٰ کے قریب ہے، جہاں حضور علیہ السلام نے مکہ معظمہ جاتے وقت قیام فرمایا تھا۔

راہ مدینہ ومکہ کے مشہور کنویں

بئر فلیس، بئر قضیمہ، بئر مستورہ، بئر شیخ، بئر غار، بئر روحاء، بئر حسانی، بئر الاشہب، بئر ماشی۔

باب سترة الامام سترة من خلفه

(امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے)

۴۶۶. حدثنا عبدالله بن يوسف قال نا مالک عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبدالله بن عتبة ان عبدالله بن عباس قال اقبلت راكباً على حمار اتان و انا يومئذ قد نا هزت الاحتلام و رسول الله ﷺ يصلي بالناس بمنى الى غير جدار فمررت بين يدى بعض الصف فنزلت و ارسلت الاتان ترتع و دخلت في الصف فلم ينكر ذلک على احد.

۴۶۷. حدثنا اسحق قال نا عبدالله بن نمير قال نا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان اذا خرج يوم العيد امر بالحربة فتوضع بين يديه يصلي اليها والناس وراء ه وكان يفعل ذلک في السفر فمن ثم اتخذها الامراء.

۴۶۸. حدثنا ابوالوليد قال نا شعبة عن عون بن ابى جحيفة قال سمعت ابى يقول ان النبى ﷺ صلى بهم بالبطحاء و بين يديه عنزة الظهر ركعتين والعصر ركعتين تمر بين يديه المرأة والحمار.

ترجمہ ۴۶۶: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا، اس زمانہ میں قریب البلوغ تھا، رسول اللہ ﷺ منیٰ میں دیوار کے سوا کسی اور چیز کا سترہ کر کے لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے صف کے بعض حصے سے گذر کر میں سواری سے اترا، گدھی کو میں نے چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں آکر شریک (نماز) ہو گیا، کسی نے اس کی وجہ سے مجھ پر اعتراض نہیں کیا۔

ترجمہ ۴۶۷: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عید کے دن (مدینہ سے) باہر تشریف لے جاتے تو چھوٹے نیزہ (حربہ) کو گاڑنے کا حکم دیتے وہ جب گڑ جاتا تو آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے، یہی آپ سفر میں بھی کیا کرتے تھے، اسی لئے (مسلمانوں کے) خلفاء نے بھی اس طرز عمل کو اختیار کر لیا ہے۔

ترجمہ ۴۶۸: حضرت عون بن ابی جحیفہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو بطحاء میں نماز پڑھائی، آپ کے سامنے عنزہ (ڈنڈا جس کے نیچے پھل لگا ہوا ہو) گاڑ دیا گیا تھا، ظہر کی دو رکعت اور عصر کی دو رکعت پڑھیں (مسافر ہونے کی وجہ سے) آپ کے سامنے سے عورتیں اور گدھے اس وقت گزر رہے تھے۔

تشریح: حدیث میں ہے کہ کالے کتے، گدھے یا عورتیں اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذریں تو نماز میں خلل پڑتا ہے اور اسی وجہ سے راوی نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا کہ عورتیں اور گدھے پر سوار لوگ نمازیوں کے سامنے سے گذر رہے تھے، حدیث میں ایک ساتھ مختلف چیزوں کو جمع کر کے بیان کر دیا گیا ہے کہ ان کے سامنے سے گذرنے سے نماز میں خلل پڑتا ہے، اس کی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ وجہ کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ سامنے سے گذریں تو توجہ بٹتی ہے اور ذہن میں وساوس پیدا ہوتے ہیں، حدیث میں عورتوں کو گدھوں کے برابر نہیں بتایا گیا بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اس صنف میں مردوں کے لئے جو کشش ہے نمازی کے سامنے سے گذرتے وقت اس کی وجہ سے نماز میں خلل پڑ سکتا ہے جو نماز کے لئے مضر ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کے سامنے سے گذرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جو اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں بلکہ صرف ان کی وجہ سے نماز میں خلل کو بتانا مقصود ہے۔

یہاں کئی اہم فوائد و ابحاث لائق ذکر ہیں، فیض الباری ص ۷۶ ج ۲ میں درج ہے کہ ترجمۃ الباب ”سترۃ الامام سترۃ من خلفہ“ یہ الفاظ حدیث ابن ماجہ کے ہیں، جس کی اسناد ساقط ہے، اسی لئے امام بخاریؒ نے اس کے حدیث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا اور ترجمۃ الباب کا جو مفہوم ہے وہی جمہور کا مذہب ہے، امام مالکؒ کا مذہب دوسرا یہ ہے کہ امام کے آگے کا سترہ صرف امام کے لئے ہے اور مقتدیوں کے لئے سترہ خود امام ہے لہٰذا اگر کوئی امام و سترہ کے درمیان سے گذرے گا تو وہ ان کے نزدیک مقتدیوں کے سامنے سے گذرنے والا سمجھا جائے گا، کیونکہ ان کا سترہ امام ہے، اور گذرنے والا، مقتدیوں اور امام کے درمیان سے نہیں گذرا ہے۔

فیض الباری کی مسامحت

یہاں ضبط املاء کے وقت تسامح ہو گیا اور مراجعت کتب کے ذریعہ بھی تصحیح نہیں کی گئی، جس کی وجہ سے غلطی حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب ہو گئی (افسوس ہے کہ ایسی مسامحات بہ کثرت ہوئی ہیں فلیتنبہ لہ) حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ نے بجائے ابن ماجہ کے طبرانی فرمایا تھا، اور وہی صحیح بھی ہے، عمدہ ۱۷۰ ج ۲ میں عینی نے اور فتح الباری ص ۳۸۲ ج ۱ میں حافظ نے بھی طبرانی عن انسؓ کا حوالہ دیا ہے اور الجامع الصغیر ص ۳۲ ج ۳ میں علامہ سیوطیؒ نے اور کنوز الحقائق ص ۱۴۳ ج ۱ میں علامہ محدث مناویؒ نے بھی طبرانی کا ہی حوالہ دیا ہے، ابن ماجہ کی طرف سے اس حدیث کو کسی نے منسوب نہیں کیا اور احقر نے بھی مراجعت کی تو اس میں یہ موجود نہیں ہے، حافظ نے سوید راوی کی وجہ سے ضعف کی صراحت کی ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ بیہقی اور حافظ ابن حجر کی رائے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- حضرت ابن عباسؓ والی حدیث الباب سے امام بخاری نے تو سترہ کو ثابت کیا لیکن امام بیہقی نے اس سے سترہ کی نفی سمجھی، اسی لئے انہوں نے باب من صلے الی غیر سترۃ قائم کیا اور حافظ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، میں بخاری کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔

علامہ عینی کا نقد: علامہ عینی نے بھی امام بیہقی و حافظ پر نقد کیا اور لکھا کہ حافظ و بیہقی دونوں نے دقت نظر سے کام نہیں لیا اسی لئے وہ اس نکتہ کو نہ سمجھے جو امام بخاری کے پیش نظر تھا، حضرت ابن عباسؓ نے جو فرمایا کہ حضور علیہ السلام منیٰ میں غیر جدار کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، تو غیر کا لفظ ہمیشہ کسی سابق کی صفت ہوا کرتا ہے، یعنی حضور علیہ السلام جدار کے سوا کسی دوسری چیز کو سترہ بنا کر نماز پڑھ رہے تھے مثلاً ڈنڈا ہو گا، نیزہ ہو گا

وغیرہ، کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ بغیر سترہ کے نماز پڑھنے کی تھی ہی نہیں اور اسی وجہ سے امام بخاری اس حدیث کو اثبات سترہ کے لئے یہاں لائے ہیں (عمدۃ ص ۷۰ ۴ ج ۳) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ نفی جدار کا فائدہ بھی جب ہی ہوگا کہ دوسری چیز سترہ ہو ورنہ یہ نفی لغو ٹھیرے گی۔

حافظ کی دوسری مسامحت

ان کا یہ لکھنا بھی درست نہیں کہ امام بخاری کی ذکر کردہ تین حدیثوں میں سے حدیث اول کی مناسبت ترجمۃ الباب سے نہیں ہے، اور یہ بھی لکھا کہ اس حدیث اول سے امام بخاری کا استدلال محل نظر ہے، بڑی حیرت ہے کہ حافظ ابن حجرؒ امام بخاری کے تراجم ابواب سے احادیث کی مطابقت اور صحت استدلال کے لئے بڑی کاوش کیا کرتے ہیں اور مناسبات بعیدہ تک نکالا کرتے ہیں اور یہاں چوک گئے، شاید امام بیہقی سے متاثر ہو گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

نطق انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- شیخ ابن الہمام کی رائے ہے کہ سترہ ربط خیال کے لئے ہے کہ نمازی کا دھیان محصور رہے اور خیالات دور دور تک نہ جائیں، اداء ارکان صلوٰۃ کی طرف ہی پوری توجہ ہو، لیکن میں کہتا ہوں کہ سترہ کی غرض وصلۂ مناجات کی حفاظت ہے کہ وہ قطع نہ ہو، کیونکہ نمازی خدا کے روبرو ہو کر اس سے مناجات کرتا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے کہ جب کوئی نماز پڑھے تو سترہ سے قریب ہوتا کہ شیطان اسکی نماز قطع نہ کرادے (ابوداؤد ص ۱۰۱ باب الدنو من السترۃ)

پس معلوم ہوا کہ نماز کے وقت نمازی اور قبلہ کے درمیان مناجات ومواجہہ قائم رہتا ہے، کیونکہ اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اور اسی لئے شریعت نے بتایا کہ نمازی اور سترہ کے درمیان سے گذرنے والا شیطان ہوتا ہے وہ عبد ومولیٰ کے درمیان آیا۔

لہٰذا شریعت نے اس مواجہہ کو سترہ کے ذریعے محدود ومحصور کرنا چاہا تا کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والوں کو دقت وپریشانی بھی نہ ہو، ان کو حکم کیا کہ سترہ کے آگے سے گذریں، اندر سے نہ گذریں اور اس کے بارے میں سخت تنبیہات کیں اور نمازی کو حکم کیا کہ راستوں سے بچ کر نماز پڑھیں، پھر اگر اتنی تنبیہات وتاکیدات کے بعد بھی حدود شریعت کی نگہداشت نہ ہو تو گذرنے والا شیطان جیسا ہوگا کہ وہ عبد ومولیٰ کے رابط کو قطع کرنا چاہتا ہے اور نمازی کی طرف سے اگر تاکیدات کی پرواہ نہ ہوگی تو گویا وہ خود اپنے وصلۂ خداوندی کو قطع کرنے کا موجب ہوگا اور اپنی نماز کے اجر وثواب وروحانیت میں کمی کرائے گا، حدیث ابوداؤد میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے یہ کوشش کرنی چاہئے کہ نماز اپنے اور قبلہ کے درمیان کسی کو در انداز نہ ہونے دے، حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ تفصیل کر کے فرمایا کہ میں اسی توجیہ کی وجہ سے احادیث قطع میں کوئی تاویل نہیں کرتا اور ان کو ظاہر پر رکھتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ عورت، حمار وکلب کے بارے میں بھی سب احادیث اپنے ظاہر پر ہیں کہ وہ سب وصلۂ مناجات کو قطع کرتی ہیں، جس طرح تم دو آدمی کسی خاص نجی معاملہ میں سرگوشی اور مشورہ کرتے ہو اور کوئی تیسرا غیر متعلق آدمی درمیان میں آ کر بیٹھ جائے تو یہی کہو گے کہ ہماری بات کاٹ دی یا ختم کر دی، اسی طرح یہاں سمجھو، لہٰذا میرے نزدیک ان احادیث میں بھی کوئی استبعاد نہیں نہ تاویل کی ضرورت۔

فرق نظر شارع ونظر فقہاء

شریعت نے ہمیں بہت سے غائب امور کی خبر دی ہے، جن کو وہ دیکھتی ہے اور ہم نہیں دیکھتے، اسی طرح وجود وقیام وصلہ کی خبر دی ہے اور مرور کے وقت اس کے قطع ہونے کی بھی خبر دی ہے، پھر ہمیں انکار تاویل کی کیا ضرورت ہے۔

ہاں! یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قطع بہ نظر شارع ہے، بہ نظر فقہاء نہیں ہے اور اس لئے وہ مرور کو قاطع صلوٰۃ نہیں کہتے، کیونکہ ان کے احکام کا تعلق عالم شہادت سے ہے اور اس وصلہ کا تعلق عالم غیب سے ہے اور میرے نزدیک استواء علی العرش، معیت وقرب خداوندی وغیرہ بھی اسی باب سے ہیں کہ ہم ان کی کیفیات وحقائق کا ادراک نہیں کر سکتے اور ان کے قائل ہیں بلا تاویل کے، اسی طرح میرے نزدیک یہ مواجہہ اور

وصلہ بھی ہے، بلکہ میری تحقیق میں یہ سب حق تعالیٰ کی تجلیات، تجلی کی بحث مکمل متصل اپنے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تمثیل و تسہیل اور تحقیق مزید

جس طرح یہاں وصلہ عالم غیب سے ہے اور اس کا قطع بھی غیبی وغیرہ محسوس ہوتا ہے، اسی طرح حدیث "**افطر الحاجم و المحجوم**" میں میرے نزدیک نظر شرع میں حقیقت صوم ختم ہوگئی بلا تاویل، اگر چہ نظر فقیہ میں روزہ فاسد نہیں ہوا کیونکہ طہارت اگر چہ شرط صحت صوم نہیں ہے، لیکن اس کے مرغوب و مطلوب ہونے میں شک نہیں، لہٰذا خون نکلنے سے طہارت ختم ہونے اور ناقص کے ساتھ روزہ بھی نقص و نقص کا مورد ہو گیا اور فی الجملہ نظر شرع میں بھی افطار کا تحقق ہو گیا گو حکم افطار نہ ہو سکے، خصوصاً جبکہ روزہ کا مقصد بھی تحصیل تقویٰ و تشبہ بالملائکہ ہے اور وہ خون بہانے سے سخت نفرت کرتے ہیں، اسلئے ویسفک الدماء سے بنی آدم کی بہت بڑی برائی اور منقصت بھی ظاہر کی تھی، مگر نظر فقہی کے لئے یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے بھی ایک بار بحالت صوم احتجاج کیا۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو شخص حالت جنابت میں صبح کرے گا، اس کا روزہ نہیں، اس سے بتلایا کہ جنابت نے اس کے روزے میں خلل و نقص ڈال دیا اور فرشتے بھی اس گھر میں نہیں آتے جس میں جنبی ہوتا ہے، یہ نظر شرعی ہے، مگر دوسری طرف نظر فقہی کے لئے بھی گنجائش اس سے مل گئی کہ حضور علیہ السلام سے بھی ایک بار بحالت جنابت روزے میں صبح کرنا منقول ہوا ہے، احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ عورت کے سامنے سے گذرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے، یہ بھی نظر شرعی ہے (کیونکہ نماز کی حقیقت خشوع و خضوع اور توجہ الی الحق سبحانہ ہے اس میں ضرور نقص واقع ہوگا) مگر نظر فقہی کے لئے یہ بھی حدیث ہی میں وارد ہے کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھتے تھے اور حضرت عائشہؓ سامنے لیٹی رہتی تھیں۔

احادیث سے ثابت ہے کہ کالے کتے کے سامنے سے گذرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ شیطان ہے اور شاید اس لئے ہے کہ وہ زیادہ موذی ہوتا ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ جن اس کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اسی لئے امام احمدؒ نے تو قطعی یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ اس سے نماز فاسد و باطل ہو جاتی ہے مگر دوسرے ائمہ اور جمہور کی رائے اور نظر فقہی ایسی نہیں ہے۔

امام احمد نے اتنا تشدد گدھے کے بارے میں نہیں کیا، شاید اس لئے کہ حدیث ابن عباس وغیرہ میں گدھے پر سوار اور ویسے بھی گدھے کا نماز کے سامنے سے گذرنا مروی ہے اور نماز بدستور ہوتی رہتی ہے، ایسے ہی عورت کے بارے میں بھی امام احمد نے بوجہ حضرت عائشہؓ وغیرہ تشدد نہیں کیا ہوگا، حالانکہ حکم تینوں کے لئے بظاہر یکساں تھا اور حدیث درمنثور میں ہے کہ یہ تینوں تسبیح و ذکر سے غافل ہوتے ہیں، لہٰذا غافلوں کا ذاکروں (نمازیوں) کے سامنے آجانا ذکر و نماز کے منافی و قاطع قرار دیا گیا ہے۔

لے علامہ عینی نے لکھا:- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے تو جائز ہے اور نماز قطع نہیں ہوتی، مگر بعض علماء نے حضور علیہ السلام کے علاوہ دوسروں کیلئے اس کو مکروہ کہا ہے کیونکہ عورت سامنے ہو تو اس کی طرف نظر کرنے سے فتنہ کا خوف اور قلب کے ادھر مشغول ہونے کا احتمال غالب ہے، پھر نماز کیا ہوگی؟ اور حضور علیہ السلام پر قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ آپ ان سب برائیوں سے منزہ تھے، پھر وہ رات کے نوافل کا موقع تھا، جبکہ اس وقت گھروں میں چراغ بھی نہ ہوتے تھے، یہ بھی لکھا کہ اگر چہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اس طرح نماز ہو جاتی ہے اور عورت کے سامنے سے گذرنے سے بھی نماز قطع نہیں ہوتی، لیکن ظاہر ہے کہ عورت کا سامنے لیٹے ہوئے ہونا، اس کے سامنے سے گذرنے کے اعتبار سے کہیں زیادہ شدید ہے (عمدہ بحوالہ اوجز ص ۳۴ ج۱) علامہ عینیؒ کی مذکورہ بالا تنقیحات نہایت اہم و قابل قدر ہیں اور صورت مسئلہ کو ان ہی کی روشنی میں دیکھنا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ (مؤلف)

اس بارے میں علامہ محدث زرقانیؒ نے بھی اچھی بحث کی ہے اور حدیث حضرت عائشہؓ کے جوابات نقل کئے ہیں مثلاً یہ کہ (۱) حضرت عائشہ و میمونہ از واج مطہرات میں سے تھیں، لہٰذا اجنبیہ کے لئے خوف فتنہ وغیرہ کی بات مانع رہے گی، (۲) وہ رات کے واقعات تھے، اور اس زمانہ میں چراغ وغیرہ نہ تھے (اب بجلی کا دور ہے کہ دن کی طرح روشنی دیتی ہے۔ (۳) وہ ایک وقتی واقعہ کا ذکر ہے جس میں بہت سے احتمالات نکل سکتے ہیں بخلاف حدیث ابی ذرؓ کے اس سے عام تشریعی قاعدہ بیان ہوا ہے۔ (۴) علامہ ابن بطال نے حضرت عائشہ کے واقعہ کو خصائص نبوی میں شمار کیا ہے اور حضور علیہ السلام کی طرح کون اپنے جذبات پر کنٹرول کر سکتا ہے؟ (۵) بعض حنابلہ نے کہا کہ احادیث ابی ذر وغیرہ احادیث صحیحہ صریحہ ہیں ان کا مقابلہ احادیث صحیحہ غیر صریحہ یا صریحہ غیر صحیحہ نہیں کر سکتیں (شرح الزرقانی ص ۳۱۷)

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں اس امر کو بھی اپنے ذہنوں میں تازہ کرلو، جس کو پہلے بتلا چکا ہوں کہ بہت سی احادیث بظاہر آپس میں متعارض معلوم ہوتی ہیں کہ ایک کا مضمون دوسری سے ٹکراتا ہے، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ شارع کا مقصد مراتب احکام کا بیان ہوتا ہے اور کبھی اختلاف ازمنہ و امکنہ وانظار کی طرف تنبیہ ہوتی ہے اور کبھی کچھ احادیث میں حکم اشیاء عالم غیب کی نسبت سے بتلایا گیا ہے اور کچھ میں عالم شہادۃ کے لحاظ سے اور یہ ضروری نہیں کہ دونوں عالموں کے احکام میں توافق ہو۔

سترہ کا مسئلہ: فرمایا:- سترہ قائم کرنا مذہب شافعی میں واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے مگر ترک سترہ کی وعید اور دوسری تاکیدات شرع پر نظر کرتے ہوئے میری رائے ہے کہ حنفیہ اس حکم کو استحباب سے اوپر رکھتے تو اچھا ہوتا، مسئلہ سترہ بحضور کعبہ معظمہ آگے آئے گا، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے فرمایا:- "قبرستان میں نماز پڑھے تو امام ومقتدی کے واسطے سترہ کی ضرورت ہے، سترہ امام کا مقتدی کو کافی ہونا مرورحیوان وانسان کے لئے ہے اور قبور کا حضور مشابہ بہ شرک وبت پرستی ہے اس میں کافی نہیں ہے، اس لئے ہر ہر نمازی کے سامنے سترہ و پردہ واجب ہے" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۸)

فائدہ قیمہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شریعت نے نماز جماعت کو نماز منفرد سے الگ نوع قرار دیا ہے اور ہر ایک کے کچھ احکام الگ بھی ہیں، اس لئے ایک نوع کے احکام کو دوسری نوع پر جاری نہیں کرسکتے، جس طرح شریعت نے غیر موجود کی بیع کو ممنوع قرار دیا لیکن بیع کی ہی ایک قسم سلم بھی ہے، جس کو جائز قرار دیا حالانکہ وہ بھی بیع غیر موجود کی ایک نوع ہے، اسی طرح نماز جماعت کا باب و نوع بھی الگ اور مستقل ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ امام کی اقتداء ضروری ہے اور مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کا حکم نہیں دیا حالانکہ وہ نماز کا اہم رکن ہے اور اس سے بہت کم درجہ کی چیزوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو، لیکن جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات جم چکی ہے کہ نماز بغیر فاتحہ کے قائم نہیں ہوسکتی وہ اس عام بات پر جمود کرلیتے ہیں اور مقتدی کے خاص حکم کو نظر انداز کردیتے ہیں، اس طرح وہ دونوع کے احکام کو باہم مختلط کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شافعیہ کی نماز بنی اسرائیل کی طرح ہوگئی ہے کہ وہ بھی باوجود اجتماع کے منفرد رہتے ہیں اور ان میں باہم ربط و تضمن نہیں ہوتا، حالانکہ حدیث میں امام کو ضامن فرمایا گیا ہے، جو باہمی ربط و تضمن کو مقتضی ہے اور حضور علیہ السلام نے حدیث ابی داؤد میں لقد اعجبنی ان تکون صلوٰۃ المؤمنین واحدۃ فرمایا ہے (مجھے مسلمانوں کی نماز جماعت بہت ہی پسند ہے کہ وہ مجموعی اکائی ہے) تو حنفیہ نے اس ارشاد کی حقیقت کو سمجھا اور اپنی خوشی کو حضور علیہ السلام کی خوشی سے وابستہ کردیا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں بخاری کی احادیث الباب سے بھی یہی ثابت ہوا کہ نماز جماعت واحد بالعدد یعنی مجموعی اکائی ہے، اس لئے سب کے لئے ایک ہی سترہ کافی ہوا، اگر ان سب کی نمازیں الگ الگ ہوتیں تو ظاہر ہے کہ سترہ بھی الگ الگ ہوتا۔

شافعیہ اگر لا صلواۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے عموم سے استدلال کرتے ہیں تو حدیث میں لا صلوٰۃ الا بخطبۃ بھی ہے اس کے عموم سے نماز جمعہ کے لئے ہر ہر شخص کے ذمہ خطبہ کیوں لازم نہیں کرتے؟ اگر وہاں نہیں کرتے تو یہاں بھی لازم نہ کرنا چاہئے، نیز فرمایا کہ اس سے کچھ پہلے ہی حدیث بخاری ص ۹۱ میں صلوٰۃ الجمیع تزید علی صلوتہ فی بیتہ الخ بھی گذرا ہے اس سے بھی یہی مستفاد ہوا کہ نماز جماعت نظر شارع میں "صلوٰۃ الجمیع" (سب کی ایک نماز) ہے، وہ "صلواۃ الجمیع" (سب کی بہت سی نمازیں) نہیں ہیں، ایسے ہی قرآن مجید میں بھی "اذانودی للصلوٰۃ من یوم الجمعہ" ہے، وہاں جمعہ کی نماز کو بھی ایک مجموعی نماز فرمایا گیا ہے۔

شافعیہ سمجھتے ہیں کہ نماز جماعت میں بہت سی نمازیں لوگوں کی ہیں جو اگرچہ ایک محل میں جمع ہیں مگر ہر ایک کی نماز الگ الگ ہے اور وہ سب اپنے اپنے امیر خود ہیں، امام کا اتباع صرف افعال میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر امام کی نماز فاسد بھی ہوجائے، تب بھی مقتدی کی درست رہتی ہے اور اسی لئے ان کے یہاں ہر مقتدی کو فاتحہ بھی پڑھنی پڑتی ہے کہ بغیر اس کے نماز نہیں، ہم کہتے ہیں یہ تسلیم مگر نماز جماعت چونکہ صلواۃ واحد ہے، اس لئے فاتحہ واحدہ اس کے لئے کافی ہے جو امام پڑھتا ہے۔

باب قدر كم ينبغي ان يكون بين المصلى والسترة

(مصلی اور سترہ میں کتنا فاصلہ ہونا چاہئے)

۴۶۹. حدثنا عمرو بن زرارة قالنا عبدالعزيز بن ابی حازم عن ابيه عن سهل بن سعد قال كان بين مصلیٰ رسول الله ﷺ و بين الجدار ممرا الشاة.

۴۷۰. حدثنا المكی بن ابراهيم قال نا يزيد بن ابی عبيد عن سلمة قال كان جدار المسجد عند المنبر ما كادت الشاة تجوزها.

ترجمہ ۴۶۹: حضرت سہل بن سعدؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے سجدہ کرنے کی جگہ اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گذر سکنے کا فاصلہ تھا۔

ترجمہ ۴۷۰: حضرت سلمہؓ نے فرمایا کہ مسجد کی دیوار اور منبر کے درمیان بکری کے گذر سکنے کا فاصلہ تھا۔

تشریح: مسجد نبوی میں اس وقت محراب نہیں تھی اور آپ منبر کی بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے، لہٰذا منبر اور دیوار کا فاصلہ بعینہ وہی تھا جو آپ کے اور دیوار کے درمیان ہو سکتا تھا۔

باب الصلٰوة الى الحربة

(چھوٹے نیزہ (حربہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا)

۴۷۱. حدثنا مسدد قال نا يحییٰ عن عبيد الله قال اخبرنی نافع عن عبدالله بن عمر ان النبی ﷺ كان يركز له الحربة فيصلی اليها.

باب الصلٰوة الى العنزة

(عنزہ (وہ ڈنڈا جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا ہو) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا)

۴۷۲. حدثنا ادم قال نا شعبة قال ناعون بن ابی جحيفة قال سمعت ابی قال خرج علينا النبی بالها جرة فاتی بوضوء فتوضا فصلی بنا الظهر و العصر وبين يديه عنزة والمرأة الحمار يمران من ورآء ها.

۴۷۳. حدثنا محمد بن حاتم بن بزيع قال نا شاذ ان عن شعبة عن عطاء ابن ابی ميمونة قال سمعت انس بن مالک قال كان النبی ﷺ اذا خرج لحاجته تبعته انا و غلام و معنا عكازة او عصا او عنزة و معنا اداوة فاذا فرغ من حاجة ناولناه الاداوة.

باب السترة بمكة وغيرها

(مکہ اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات میں سترہ)

۴۷۴. حدثنا سليمان بن حرب قال نا شعبة عن الحكم عن ابی حجيفة قال خرج علينا رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلی الظهر و العصر ركعتين ونصب بين يديه عنزة و توضأ فجعل الناس يتمسحون بوضوء ه.

ترجمہ ۴۷۱: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کے لئے حربہ گاڑ دیا جاتا تھا اور آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۴۷۲: حضرت عون بن ابی جحیفہ نے اپنے والد سے سنا کہ نبی کریم ﷺ دوپہر کے وقت تشریف لائے آپ کی خدمت میں وضو کا پانی پیش کیا گیا جس سے آپ نے وضو کیا، پھر ہمیں آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور عصر کی بھی، آپ کے سامنے عنزہ گاڑ دیا گیا تھا، اور عورتیں اور گدھے اس کے پیچھے سے گذر رہے تھے۔

ترجمہ ۴۷۳: حضرت عطاء بن ابی میمونہ نے حضرت انس بن مالک سے سنا کہ نبی کریم ﷺ جب رفع حاجت کے لئے تشریف لے جاتے، میں اور ایک لڑکا آپ کے پیچھے پیچھے جاتے تھے، ہمارے ساتھ عکازہ (ڈنڈا جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا تھا) یا چھڑی یا عنزہ ہوتا تھا اور ہمارے ساتھ ایک برتن بھی ہوتا تھا جب آنحضور ﷺ حاجت سے فارغ ہو جاتے تو ہم آپ کو وہ برتن دیتے تھے۔

ترجمہ ۴۷۴: حضرت ابو جحیفہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس دوپہر کے وقت تشریف لائے اور آپ نے بطحاء میں ظہر اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں، آپ کے سامنے عنزہ گاڑ دیا گیا تھا اور جب آپ نے وضو کیا تو لوگ آپ کے وضو کے پانی کو اپنے بدن پر لگانے لگے۔

تشریح: امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سترہ کے مسئلہ میں مکہ اور دوسرے مقامات میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ خاص بیت اللہ کے سامنے نماز اگر کوئی شخص پڑھ رہا ہے اور طواف کرنے والے اس کے سامنے سے آ جا رہے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ بیت اللہ کا طواف بھی نماز کے حکم میں ہے، یہ مسئلہ امام طحاوی نے اپنی مشکل الآثار میں ذکر کیا ہے، مسائل حج و زیارت کی کتابوں میں یہ بھی دیکھا کہ چونکہ بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھنے میں وصلہ قوی تر ہوتا ہے اس لئے وہاں کسی کے مرور سے وصلہ قطع نہیں ہوتا لہذا بغیر سترہ کے وہاں نماز درست ہے اور نمازی کی حالت میں سامنے سے گذر سکتا ہے اور یہ مسئلہ صرف مسجد حرام کیلئے ہے۔

مقصد امام بخاری: حافظ نے لکھا:- علامہ ابن المنیر نے کہا کہ ''امام بخاری نے خاص طور سے مکہ کا ذکر کیا مغالطہ رفع کرنے کے لئے کیا ہے کہ سترہ بمنزلہ قبلہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ مناسب نہیں کہ مکہ کے لئے بجز کعبہ معظمہ کے کوئی اور قبلہ ہو، لہذا مکہ کے اندر سترہ کی ضرورت نہیں'' پھر حافظ نے لکھا کہ میرے نزدیک تو امام بخاری نے محدث عبدالرزاق پر تعریض کی ہے جنہوں نے اپنے مصنف میں باب لا یقطع الصلوة بمکة شیء قائم کر کے حدیث ابن جریج نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے کوئی سترہ آپ کے سامنے نہیں تھا اور لوگ آپ کے سامنے سے گذر رہے تھے، دوسرے اصحاب السنن نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس کے رجال رواۃ ثقہ ہیں، تاہم یہ روایت معلول ہے، لہذا امام بخاری نے اس کے ضعف پر تنبیہ کی ہے اور اپنی یہ رائے بتلانی چاہی ہے کہ مشروعیت سترہ کے مسئلہ میں مکہ اور غیر مکہ کا کوئی فرق نہیں ہے اور اپنے استدلال میں حدیث ابی جحیفہ پیش کی ہے، شافعیہ کا بھی یہی مسلک مشہور ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا مکہ اور غیر مکہ سب جگہ یکساں طور پر ممنوع ہے، البتہ بعض فقہاء نے بوجہ ضرورت طائفین کے لئے مرور کے گناہ کو مرجو المغفرت کہا ہے، دوسروں کے لئے یہ بھی نہیں، بعض حنابلہ نے مرور کو تمام مکہ میں جائز قرار دیا ہے (فتح ص ۳۸۴ ج ۱)

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ حنابلہ کے یہاں یہی راجح قول ہے بلکہ تمام حرم کا حکم یہی ہے کہ کما فی المغنی اور ابن تیمیہ نے المنتقی میں باب الرخصۃ للطائفین بالبیت قائم کیا ہے، علامہ شامی نے بعض حنفیہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے (الابواب والتراجم ص ۲۳۱ ج ۲)

موفق نے کہا کہ ''مکہ معظمہ میں بلا سترہ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، امام احمد نے فرمایا کہ مکہ معظمہ دوسرے شہروں کی طرح نہیں ہے اس کا حکم الگ ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے حرم میں نماز پڑھی ہے اور لوگ سامنے سے گذرتے رہتے تھے، معتمر نے کہا کہ میں نے طاؤس سے سنا کہ ایک شخص مکہ میں نماز پڑھتا ہے اور اس کے سامنے سے مرد عورتیں گذرتے رہتے ہیں، جواب دیا کہ کیا حرم میں نماز پڑھتے ہوئے لوگ ایک دوسرے کو آمنے سامنے نہیں دیکھتے رہتے ہیں؟ یعنی اس شہر کا حال دوسرے شہروں جیسا نہیں ہے اور تمام حرم کا حکم اس بارے میں مکہ کا ہی ہے کیونکہ سارے حرم میں مشاعر و مناسک ادا کئے جاتے ہیں'' علامہ شامی نے بعض حنفیہ کا قول نقل کیا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے

والے کو چاہئے کہ اپنے سامنے سے گذرنے والوں کو نہ روکے اور ان سے مراد طواف کرنے والے ہیں کیونکہ طواف بحکم صلوٰۃ ہے تو یہ ایسا ہوگا جیسے کہ ایک صف کے نماز پڑھنے والوں کے سامنے آگے کی صف والے ہوتے ہیں اور علامہ عز الدین نے امام طحاوی کی مشکل الآثار سے نقل کیا ہے کہ بحضرۃ کعبہ معظمہ نمازی کے سامنے سے گذرنا جائز ہے، علامہ شامی نے اس کو نقل کرکے لکھا کہ یہ جزئیہ نادر وغریب ہے، اس کو یاد کر لینا چاہئے (حاشیہ لامع الدراری ص ۱۹۷ ج ۱)

امام احمد وابوداؤد کی رائے امام بخاری کے خلاف

یہ حدیث مطلب مسند احمد بھی ہے اور ابوداؤد نے "باب فی مکہ" میں امام احمد سے ہی روایت کی ہے اور ان دونوں میں کثیر کی روایت اپنے دادا مطلب سے بعض افراد خاندان کے ذریعہ ہے، صاحب الفتح الربانی نے لکھا کہ مطلب اور ان کے والد صحابی تھے، مکہ فتح ہونے پر اسلام لائے تھے، مسند احمد میں ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ سے حضور علیہ السلام کے بغیر سترہ کے نماز پڑھنے کی مروی ہے، صاحب الفتح الربانی نے لکھا کہ حدیث الباب سے جمہور نے عدم وجوب سترہ پر استدلال کیا ہے لیکن شوکانی نے کہا کہ حضور علیہ السلام کا فعل، آپ کے قول کا معارض نہیں ہوسکتا، لہٰذا وہ وجوب سترہ کے قائل رہے (الفتح الربانی ص ۱۴۵ ج ۳)

یہ عجیب بات ہے کہ اس جگہ مکہ میں سترہ کی بات بھی لائی تھی، جبکہ صرف مطلق وجوب سترہ کا ذکر ہوا، اسی طرح بذل المجہود ص ۱۹۶ ج ۳ میں بھی مطلق سترہ کے احکام بیان ہوئے، جبکہ امام ابوداؤد نے خاص باب مکہ کے بارے میں باندھا تھا اور مطلق سترہ کی احادیث کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کر چکے تھے، اور مطلب کی روایت ذکر کی تھی اور یہ بھی ظاہر تھا کہ امام بخاری مستقل باب قائم کرکے سترہ کے باب میں مکہ اور غیر مکہ کو برابر قرار دے چکے ہیں اس بارے میں لکھنا ضروری تھا کیونکہ بظاہر ابوداؤد امام بخاری کے خلاف گئے ہیں اور وہ بھی مکہ میں بلا سترہ نماز کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام ابن ماجہ ونسائی کی رائے امام بخاری کے خلاف ہے

سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے مگر کثیر نے وہاں اپنے بعض اہل سے نہیں بلکہ اپنے باپ کثیر کے واسطہ سے اپنے دادا مطلب سے روایت کی ہے۔ محدث ابن ماجہ نے مطلق سترہ کے احکام کی احادیث کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کی ہیں، اور ابوداؤد کی طرح کتاب الحج میں باب الرکعتین بعد الطواف قائم کرکے یہ حدیث مطلب ذکر کی ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی تصریح کردی کہ یہ حکم بلا سترہ نماز کا صرف مکہ کے لئے ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مسلک بھی امام بخاری کے خلاف ہے اور جمہور کے موافقت میں ہیں کہ مکہ اور غیر مکہ کا اس بارے میں فرق ہے، امام نسائی نے کتاب القبلۃ کے تحت باب التشدید فی المرور بین یدی المصلی و بین السترۃ قائم کرکے وہ احادیث ذکر کیں، جن سے ممانعت مرور ثابت ہے، پھر دوسرا باب "الرخصۃ فی ذلک" کا قائم کرکے یہی حدیث مطلب (عن ابیہ عن جدہ) ذکر کی ہے (نسائی ص ۱۲۳)

اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی بھی امام بخاری کے ہم رائے نہیں ہیں لامع الدراری ص ۱۹۷ ج ۱ میں ابویعلی و دیگر محدثین سے بھی اس روایت مطلب کا ثبوت دیا گیا ہے، آگے امام طحاوی کی مشکل الآثار سے بھی ہم پوری نقل لانے والے ہیں کہ بظاہر ان کی وجہ سے حنفیہ نے جمہور کا ساتھ دیا ہے، ان سب کبار محدثین نے مطلب والی روایت کو معتبر ٹھیرایا ہے اور بعض اہل کی وجہ سے جہالت راوی کی علت کو نظر انداز کر دیا ہے اور امام نسائی وابن ماجہ نے تو عن ابیہ عن جدہ کو راجح سمجھا ہے، اب رہی یہ بات کہ کثیر نے خود کہا کہ میں نے اپنے باپ سے نہیں بلکہ اہل سے سنا ہے تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ پہلے انہوں نے بعض اہل سے ہی سنا ہو اور پھر عن ابیہ عن جدہ سن کر بھی اسی طرح روایت کرتے ہوں، حضرت سفیان بن عیینہ، حضرت یزید بن ہارون وغیرہ بھی جبال محدثین میں سے تھے اور اصحاب صحاح ستہ کے اساتذہ میں تھے، انہوں

نے اطمینان کر کے ہی عن ابیہ عن جدہ کے طریقہ سے روایت کی ہوگی مگر ہوا تو یہ کہ امام بخاری کا سحر ایسا آیا کہ اس سے بڑے بڑے مسحور ہو گئے، پھر یہ کہ جمہور نے جو مسلک نماز حرم میں بلاسترہ کا اختیار کیا تو کیا وہ بالکل ہی بے دلیل کر لیا تھا، ان کو سترہ کی ضرورت شدت واہمیت معلوم نہ تھی، اور بلاسترہ نماز پڑھنے پر گذرنے والوں کے ساتھ خود نمازی کے گنہگار ہونے کی بات کیا ان سے بالکل ہی نظر انداز ہو گئے تھے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑا مارے اور رونے بھی نہ دے، امام بخاری وغیرہ کا یہی حال ہے وہ اپنی ذاتی فقہی رائے قائم کر کے آگے کو ایسا بڑا بند لگا دینا چاہتے ہیں کہ کوئی عبور نہ کر سکے اور اوپر ذکر کیا گیا کہ امام احمدؒ جو امام بخاری کے استاذ حدیث بھی تھے) اس کے قائل ہیں کہ نہ صرف مسجد حرام میں اور نہ صرف مکہ معظمہ میں بلکہ سارے حرم کے طویل وعریض علاقے میں بلاسترہ نماز جائز بلا کراہت ہے نہ نمازی کو سترہ کا اہتمام کرنے کی ضرورت اور نہ سامنے سے گذرنے والوں پر کوئی گناہ، کوئی کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا اقدام امام احمدؒ[1] ایسی عظیم اور جلیل شخصیت بلادلیل کر سکتی تھی اور خاص کعبہ معظمہ کے گرد مسجد حرام کے اندر تو امام طحاوی بھی جواز صلوٰۃ بلاسترہ کا فیصلہ حدیث مطلب ہی کی وجہ سے کر گئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

آپ نے فرمایا کہ ایسی بات ہمارے فقہاء ومحدثین حنفیہ میں سے کسی اور نے نہیں لکھی اور یہی بات شامی نے کہی کہ یہ نادر جزئیہ ہے اس کو محفوظ کر لینا چاہئے لیکن فیض الباری کی عبارت سے یہ ابہام ہوتا ہے کہ امام طحاوی کے علاوہ مذاہب اربعہ میں سے بھی کسی نے ایسی بات نہیں کہی یہ بات حضرتؒ کی طرف غلط منسوب ہو گئی، دوسری غلطی یہ ہوئی کہ امام طحاوی کا مسلک صرف طائفین کے لئے بتلایا گیا حالانکہ طائفین کے لئے تو بعض فقہاء شافعیہ نے بھی اجازت ضرورت کے تحت دیدی ہے، امام طحاوی تو کعبہ کی موجودگی کی وجہ سے مطلق مرور کی اجازت سب کے لئے دے گئے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو توجیہ وجیہ امام طحاوی نے فرمائی ہے وہ کسی اور نے نہیں کی اور اس سے امام موصوف کی غیر معمولی دقت نظر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

امام طحاوی کا ارشاد

آپ نے عنوان باب قائم کیا ''نمازی کے سامنے گذرنا بیت حرام کی موجودگی میں اس کی غیبت میں'' پھر سب سے پہلے کئی طرق سے حدیث مطلب ہی کی روایت فرمائی اور فرمایا کہ اس حدیث سے طائفین[2] کیلئے نمازی کے سامنے سے گذرنے کی اجازت حاصل ہوئی، پھر دوسری احادیث ممانعت مرور کی ذکر کیں، آگے لکھا کہ کسی نے اعتراض کیا کہ یہ احادیث تو مطلب والی کی ضد ہیں، تو ہم نے اس کا جواب خدا کی توفیق سے یہ دیا کہ مطلب والی حدیث کا محل وہ ہے کہ بیت اللہ کے معائنہ ومشہود کی صورت میں نماز پڑھ رہا ہو اور دوسری احادیث ممانعت والی اس کے لئے ہیں، جو مسجد حرام سے باہر کسی حصہ میں تحری قبلہ کے ذریعہ نماز پڑھتے ہوں۔

لہٰذا دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اور وجہ یہ ہے کہ کعبہ کے گرد نماز پڑھنے والوں کے چہرے تو ایک دوسرے کے مقابل بھی ہوتے ہیں اور اس میں ہاں کوئی کراہت بھی نہیں ہے، لیکن وہاں کے علاوہ جہاں بھی دنیا میں نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور کعبہ سامنے نہیں ہوتا تو اس طرح مقابل ہو کر نماز بھی درست نہیں ہوتی اور ممنوع ہے، اس سے ہم سمجھے کہ پہلا حکم کعبہ معظمہ کی موجودگی کے ساتھ مخصوص

---

[1] ابونعیم نے حضرت عمرؓ سے یہ روایت کی ہے کہ اگر نمازی یہ جان لے کہ کسی کے سامنے سے گذرنے کی وجہ سے اس کی نماز میں کتنا نقصان آجاتا ہے تو وہ کبھی بلاسترہ کے نماز نہ پڑھے، (بستان الاحبار مختصر نیل الاوطار شوکانی ص ۳۸۳ ج ۱) اور گزرنے والوں کے لئے جتنی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ تو مشہور ہیں۔ (مؤلف)

[2] یہاں لفظ طائفین سے تخصیص کا شبہ نہ ہو کیونکہ حرم محترم میں سب طائفین ہی ہوتے ہیں، دوسرا وہاں کون ہوتا ہے اور حکم مرور کا جواز بحالت طواف وغیر طواف ہر طرح ہے جیسا کہ آگے امام طحاوی کی توجیہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے (مؤلف)

ہے اور جب ایک دوسرے کے مقابل آمنے سامنے ہوکر نماز کی اجازت بیت اللہ کے اردگرد جائز بلا کراہت ہوگئی تو اس امر کی گنجائش بھی نکل آئی کہ بیت اللہ کی طرف اس کی موجودگی میں رخ کر کے نماز پڑھنے والوں کے سامنے سے لوگ گذر بھی سکیں، برخلاف اس کے بیت اللہ کی غیر موجودگی میں چونکہ ایک دوسرے کے مقابل ہوکر نماز جائز نہیں تو گذرنے والوں کے لئے بھی تنگی وشدت ہی قائم رہے گی۔

اس تفصیل سے صاف طور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں اور دو جگہوں کے لئے حکم الگ الگ ہے، کعبہ معظمہ کے سامنے کا حکم الگ اور باقی سب جگہوں کا حکم الگ۔ واللہ نسئلہ التوفیق (مشکل الآثار ص ۲۴۹ تا ص ۲۵۲ ج ۳)

بعض حضرات نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ کعبہ معظمہ کے سامنے نماز ادا کرنے کی حالت میں توجہ الی اللہ اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ سامنے سے کسی کے گذرنے کا احساس وخیال بھی نہیں ہوتا، اس لئے مرور مضر نہیں اور بعض نے کہا کہ حضور بیت اللہ کی حالت میں وصلہ اتنا قوی ہوتا ہے کہ وہ کسی کے گذرنے سے قطع نہیں ہوتا، اس لئے سترہ کی ضرورت نہیں نہ مرور کی ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب الصلوٰة فی الاسطوانة وقال عمر المصلون احق باسواری من المتحدثین الیها ورای ابن عمر رجلا یصلی بین السطوا نتین فادناه الی ساریة فقال صل الیها

(ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھنا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والے ستونوں کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو اس پر ٹیک لگا کر باتیں کریں اور حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھتے دیکھا تو اسے ایک ستون کے قریب کر دیا اور فرمایا کہ اس کو سامنے کر کے نماز پڑھو (تاکہ گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہو)

۴۷۵. حدثنا المکی بن ابراهیم قال نا یزید بن ابی عبید قال کنت اتی مع سلمة بن الاکوع فیصلی عند الاسطوانة التی عند المصحف فقلت یا ابا مسلم ازا تتحری الصلوة عن هذه الاسطوانة قال فانی رایت النبی ﷺ یتحری الصلواة عندها.

۴۷۶. حدثنا قبیصة قال حدثنا سفیان عن عمرو بن عامر عن انس بن مالک قال لقد ادرکت کبار اصحاب النبی ﷺ یبتدرون السواری عند المغرب و زاد شعبة عن عمرو عن انس حتی یخرج النبی ﷺ.

ترجمہ ۴۷۵: حضرت یزید بن ابی عبید نے بیان کیا کہ میں سلمہ بن اکوع کے ساتھ (مسجد نبوی میں) حاضر ہوا کرتا تھا سلمہ ہمیشہ اس ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے تھے جو مصحف کے پاس تھا میں نے ان سے کہا کہ اے ابو مسلم میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ اسی ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے ہیں، انہوں نے اس پر فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خاص طور سے اسی ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

ترجمہ ۴۷۶: حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے کبار اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کہ وہ مغرب کی اذان کے وقت ستونوں کے سامنے جلدی سے پہنچ جاتے تھے، شعبہ نے عمرو سے وہ انسؓ سے (اس حدیث میں) یہ زیادتی کی ہے "یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لاتے"۔

تشریح: مغرب کی اذان اور نماز کے درمیان ہلکی پھلکی دو رکعتیں ابتداء اسلام میں پڑھ لی جاتی تھیں لیکن پھر اس پر عمل ترک کر دیا گیا کیونکہ شریعت کو مغرب کی اذان اور نماز میں زیادہ سے زیادہ اتصال مطلوب ہے، شوافع کے نزدیک یہ دو رکعتیں مستحب ہیں اور احناف اور مالکیہ کے یہاں صرف مباح ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں امام ابوحنیفہ کا مسلک نقل کیا کہ منفرد دو ستونوں کے درمیان نماز

پڑھے تو جائز بلا کراہت ہے، لیکن مقتدی ایک یا دو ہوں تو مکروہ ہے، زیادہ ہوں تو مکروہ نہیں کیونکہ وہ صف کے حکم میں ہوں گے، حضرتؒ نے فرمایا اس میں فقہی وجہ شاید یہ ہوگی کہ وہ دو صف کا جز ہوتے ہیں، ان کو صف سے الگ کھڑا نہ ہونا چاہئے اور تین یا زیادہ خود مستقل صف کا حکم رکھتے ہیں اس لئے مکروہ نہ ہوگا فرمایا کہ مجھے یہ مسئلہ کتب فقہ میں نہیں ملا، اور شوکانی نے حوالہ بھی نہیں دیا، تاہم میرا وجدان کہتا ہے کہ مسئلہ اسی طرح ہوگا، پھر فرمایا کہ میرا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ شوکانی کے پاس حنفی مذہب کا پورا علم نہیں تھا، اس لئے میں نقل مذہب میں ان پر اعتماد نہیں کرتا، حضرتؒ کی امام بخاریؒ کے بارے میں بھی رائے تھی کہ ان کے پاس پوری طرح مسلک حنفی کا علم نہ تھا، اور محدث ابن ابی شیبہؒ نے بھی بہت سے اعتراضات حنفی مسلک پر عدم علم کی وجہ سے کئے ہیں، ایسے اور حضرات بھی ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جان بوجھ کر مغالطے میں ڈالتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

قولہ عند المصحف اور حافظ و عینی کی غلطی

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا حافظ الدنیا ابن حجرؒ سے غلطی ہوگئی[1] کہ اس اسطوانہ کو جو مصحف کے پاس تھا، اسطوانہ مہاجرین سمجھے، شاید مخلقہ ہونے کی وجہ سے مغالطہ لگا ہوگا، علامہ سمہودیؒ نے بھی اس بارے میں اپنے استاذ حافظ ابن حجر کا رد کیا ہے اور کہا کہ وہ دوسرا تھا، اسطوانہ مہاجرین نہیں تھا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سمہودی کا قول اس بارے میں زیادہ معتبر ہے اب اس کی تفصیل درج کی جاتی ہے، حافظ نے فتح الباری ص ۳۸۵ ج ۱ میں اس طرح لکھا:- ''مصحف شریف کے لئے ایک صندوق تھا جس میں وہ (حضرت عثمانؓ کے وقت سے) رکھا جاتا تھا، چونکہ اس کی ایک جگہ مقرر تھی تو اس سے اسطوانہ کی تعیین کی گئی اور اس اسطوانہ کے بارے میں ہمارے بعض مشائخ نے ہمیں تحقیقی طور سے بتلایا ہے کہ وہ روضۂ مکرمہ کے درمیان میں ہے اور وہ اسطوانۂ مہاجرین کے نام سے مشہور ہے، کہا کہ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں اگر لوگ اس کو پہچان لیتے تو قرعہ اندازی کے ذریعہ اس کا قرب ڈھونڈتے اور آپ نے حضرت ابن زبیرؓ کو راز کے طور پر بتلا دیا تھا تو وہ اس کے قریب بہ کثرت نمازیں پڑھا کرتے تھے، پھر میں نے ابن النجار کی تاریخ مدینہ میں بھی یہی بات دیکھی، اس میں یہ بھی ہے کہ مہاجرین قریش اس اسطوانہ کے پاس جمع ہوا کرتے تھے اور اس سے قبل محمد بن الحسن نے بھی اخبار المدینہ میں ایسا ہی درج کیا ہے (فتح)

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہی غلطی علامہ عینی سے بھی ہوگئی ہے، انہوں نے بھی اسطوانۂ مہاجرین ہی سمجھا ہے اور فیض الباری میں جو یہ درج ہوگیا کہ حافظ نے اس کو اسطوانۂ مخلقہ قرار دیا، یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نام سے کوئی خاص اسطوانہ نہیں ہے، بلکہ جن ستونوں پر بھی خلوق (ایک خوشبو) لگائی جاتی تھی وہ سب ہی مخلقہ کہے جاتے تھے، چنانچہ اس لحاظ سے اسطوانۂ حضرت عائشہ بھی مخلقہ تھا اور اسطوانۂ علم المصلے شریف بھی اور یہاں حدیث بخاری میں جو مصحف شریف کے قریب والے اسطوانہ کا ذکر ہوا ہے وہ اسطوانہ علم المصلے ہی تھا، جس کی پوری تحقیق علامہ سمہودی نے ص ۲۶۲ ج ۱ سے شروع کر کے اسطوانوں کی آخر بحث ص ۳۲۱ ج ۱ تک متعدد جگہ کی ہے اور ص ۲۶۴ میں اپنے استاذ محترم حافظ ابن حجرؒ کی غلطی اور وجوہ اشتباہ بیان کر کے تصحیح کا حق ادا کیا ہے جس کی طرف استاذی وسیدی وسندی حضرت علامہ کشمیریؒ نے اشارہ فرمایا ہے، علامہ سمہودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ نے جو محمد بن الحسن بن زبالہ اور ابن النجار کا حوالہ دیا ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ ان دونوں کے کلام سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسطوانہ عند المصحف سے مراد اسطوانۂ مہاجرین تھا، البتہ چونکہ دونوں کو مخلقہ کہا جاتا تھا، اس سے حافظ کو دھوکہ لگ گیا ہے۔ ص ۳۱۲ ج ۱ میں بخاری کی اسی حدیث الباب سلمہ والی کو ذکر کر کے بھی یہی تعیین کی کہ اس سے مراد وہ اسطوانہ ہے جو قریب ومحاذات کی وجہ سے حضور علیہ السلام کے مصلے (اور محراب) کی علامت تھا، اس کے بعد دوسرے اسطوانۂ قرعہ کا ذکر کیا اور بتلایا کہ وہ اسطوانۂ عائشہ، اسطوانۂ مخلقہ اور اسطوانۂ مہاجرین کے نام سے بھی مشہور تھا۔

---

[1] فتح الملہم ص ۱۰۹ ج ۳ میں اس حدیث پر حافظ کی عبارت بلا کسی نقد وتحقیق کے ذکر ہوئی ہے۔ (مؤلف)

چونکہ اسطوانات مسجد نبوی کے بارے میں اشتباہ ہوتا رہا ہے اور امام بخاری و مسلم و ابن ماجہ کے سوا اور کتب صحاح ستہ میں اس حدیث سلمہ کو نہیں لیا گیا اور صرف حضرت شاہ صاحبؒ نے تاریخی و علمی بحث کو اٹھایا ہے اور حافظ و عینی ایسے اکابر امت کو بھی مغالطہ لگ چکا ہے جس کی وجہ سے ہمیں اوپر تفصیلی بحث دینی پڑی، اس لئے ہم یہاں اسطوانات کی تفصیل و تشریح پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں، اس سے دوسرا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ زائرین روضۂ مقدسہ نبویہ ان کی صحیح دینی اہمیت سمجھ کر وہاں کی برکات سے بھی متمتع ہو سکیں گے۔ واللہ الموفق:-

یہ تفصیل ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاریؒ سے نقل کی جاتی ہے:-''مسجد نبوی میں نمازوں کا اہتمام کرنے کے ساتھ روضۂ مقدسہ نبویہ پر بہ کثرت حاضری دیتا اور سلام عرض کرتا رہے، عفو معاصی کے لئے شفاعت کی درخواست پیش کرتا رہے اور اساطین فاضلہ و دیگر مشاہد مقدسہ مثلاً محراب نبوی، منبر نبوی وغیرہ اور قبر نبوی کے قریب سنن و نوافل بہ کثرت پڑھتا رہے، ساتھ ہی اپنی نماز، تلاوت و ذکر و درود شریف وغیرہ کے لئے مسجد اول یعنی حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ والی مسجد کی حدود پہچان کر اس کے حصول کو اختیار کرے'' (ہم نے مسجد اول کا نقشہ پہلے دیدیا ہے خدا کا لاکھوں لاکھ شکر ہے کہ یہ سب یادگاریں اب تک محفوظ چلی آتی ہیں اور خدا کرے کہ مکہ معظمہ کی زمانہ نبوت کی یادگاریں بھی پھر سے زندہ کردی جائیں کہ ان سب ہی سے ایمانوں کو قوت ملتی ہے۔ مؤلف

(۱) اسطوانہ علم مصلے نبوی: یہ اسطوانہ حضرت عائشہؓ سے متصل جانب غرب میں ہے اور امام بخاری کی حدیث الباب میں اسی کا ذکر ہے، حضرت سلمہؓ اسی کو تلاش کر کے اس کے پاس نمازیں پڑھا کرتے تھے (یہ حضرات صحابہ ہی کے دور مبارک میں حضور علیہ السلام کی نمازوں کی جگہ کیوں تلاش کی جارہی ہے، اس میں اماکن واشخاص کی عظمت و اہمیت بظاہر کچھ زیادہ ہی مذہبی معلوم ہو رہی ہے اور ممکن ہے کسی ذکی الحس کو اس میں سے بوئے شرک بھی محسوس ہوئی ہو، کیونکہ آج کل کے دور جہالت میں ہر تعظیم کو شرک کے خانوں میں فٹ کرنے کی وبا بھی چلی ہوئی ہے اور امام بخاری کو دیکھئے کہ وہ بھی ایسے غیر معمولی محتاط محدث ہونے کے باوجود اس حدیث کی روایت کر گئے، پھر اور بھی دیکھئے کہ اس حدیث کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ جب حضرت سلمہؓ سے وجہ دریافت کی گئی کہ آپ اسی جگہ کی تلاش کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو بھی اس جگہ کو تلاش کرتے اور اس جگہ نماز پڑھتے دیکھا ہے، آگے محدثین نے یہ بھی کھوج نکالنے کی سعی کی ہے کہ آخر حضور علیہ السلام کیوں اس جگہ کی کھوج فرماتے تھے، مگر ساری باتوں کا صحیح علم حاصل ہو جانا بھی تو ضروری نہیں، کوئی بہت ہی برکت و عظمت اس جگہ میں ہوگی کہ وہاں حضور علیہ السلام نے بجز چند ایام کے اسی جگہ کو اپنا مصلے بنایا تھا، البتہ خیر جاری میں اتنا اور لکھا ہے کہ شاید مصحف شریف کو حضور کے بعد اسی لئے اسی جگہ رکھا گیا کہ اس مقام متبرک کی حضور علیہ السلام تحری فرماتے تھے اور عجب نہیں کہ وہ جگہ اسی لئے تحری نبوی کی مستحق ہوئی ہو کہ کلام سراپا عظمت کا مقام بننے والی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مؤلف)

(۲) اسطوانۂ حضرت عائشہؓ: یہ روضۂ مطہرہ کے درمیان میں ہے، نقشہ میں دیکھا جائے، اس پر سنہرے حروف سے نام بھی لکھا ہوا ہے اور اسی کو اسطوانۂ مہاجرین، اسطوانۂ قرعہ اور اسطوانہ مخلقہ بھی کہتے ہیں، حضور علیہ السلام نے تحویل قبلہ کے بعد چند روز تک اس کے پاس نماز پڑھائی تھی، پھر اپنے مصلے پر آخر تک نماز پڑھاتے رہے، آپ اس سے ٹیک لگا کر شمال کو رخ کر کے بیٹھا کرتے تھے (غالباً صحابہ کرام کے افادہ و افاضہ کے لئے) حضرت عائشہؓ نے حضور علیہ السلام سے ارشاد نقل کیا کہ میری اس مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو بغیر قرعہ ڈالے وہاں نماز نہیں پڑھ سکتے اور حضرت عائشہؓ نے اسی اسطوانہ کی طرف اشارہ فرمایا، اسی لئے اس کا نام اسطوانۂ عائشہ ہوا یہ بھی روایت ہے کہ اس کے پاس دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا حضور علیہ السلام کے اتباع میں اس کے پاس نمازیں بھی پڑھی جائیں اور اس سے پیٹھ لگا کر بیٹھا بھی جائے۔

(۳) اسطوانۂ توبہ: اسطوانۂ عائشہ سے مشرق میں ہے نام لکھا ہوا ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام کا نماز پڑھنا اور اعتکاف کرنا اور برعکس سابق اس سے پیٹھ لگا کر قبلہ رو بیٹھنا ثابت ہے، اس اسطوانہ سے حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو باندھ دیا تھا اور جب تک ان کی معافی

نازل نہ ہوئی اور خود حضور علیہ السلام نے ہی نہ کھولا، کم وبیش ایک ہفتہ تک بندھے رہے، خود ہی اپنے اختیار سے کھانا پینا بھی بند رکھا تھا، اسی سے اس کو اسطوانہ ابی لبابہ بھی کہتے ہیں اور علماء نے لکھا ہے کہ روضۂ مقدسہ پر سلام وزیارت اور دعاؤں سے فارغ ہو کر پہلے اسی اسطوانہ پر حاضر ہو کر توبہ واستغفار کرے، تا کہ حضرت ابولبابہ کی طرح توبہ قبول ہو۔

(۴) اسطوانۂ سریر: اسطوانۂ توبہ سے شرق میں شباک حجرۂ نبوی سے ملا ہوا، اس پر بھی نام ہے، اس کے قریب بھی اعتکاف فرمایا ہے اور اس کے پاس آپ کا سریر بچھایا جاتا تھا۔

(۵) اسطوانۂ علیؓ: اس کو اسطوانۂ محرس بھی کہتے ہیں اور یہی اس پر لکھا ہوا ہے، اسطوانۂ سریر سے متصل شمال میں ہے، حضرت علیؓ اس کے پاس بیٹھتے، پاسبانی فرماتے اور نمازیں پڑھتے تھے، یہ اس کھڑکی کے مقابل تھا، جس سے حضور علیہ السلام نکل کر حجرۂ شریفہ سے روضہ میں تشریف لاتے تھے۔

(۶) اسطوانۂ وفود: حضور علیہ السلام اس کے پاس صحابۂ کرام کے ساتھ بیٹھتے تھے اور وفود سے بھی یہیں ملاقات فرماتے تھے اس کے اور اسطوانۂ علی کے درمیان میں جو دروازہ حضور کی آمد ورفت روضہ کا تھا، وہ اب بند ہے۔

(۷) اسطوانۂ تہجد: یہ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے متصل شمال میں ہے، یہاں محراب بھی ہے، جس میں قبلہ رو کھڑا ہو تو اس سے بائیں جانب باب جبریل ہے۔

(۸) اسطوانۂ مربعۃ القبر: اس کو مقام جبریل علیہ السلام کہتے ہیں اب وہ حجرۂ شریفہ کے احاطہ میں اندر ہو گیا ہے، اس لئے عام لوگ اس کی زیارت وبرکت سے محروم ہو گئے ہیں اور صرف خواص وکبار ہی اندر جا سکتے ہیں۔

آخر میں لکھا:- ''مسجد نبوی کے دوسرے تمام اسطوانات کے قریب بھی نمازیں پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ وہ مواضع حضور علیہ السلام کی نظروں میں اور صحابہ کی نمازوں سے مشرف ہو چکے ہیں (ارشاد الساری ص۳۴۲ تا ۳۴۴ طبع مصر)

ضروری امور کی اہم یادداشت

(۱) نقشۂ مسجد نبوی میں محراب نبوی کی جگہ دی گئی ہے یہاں حضور علیہ السلام کا مصلے تھا، محراب کوئی نہ تھی اور عہد خلفاء میں بھی محراب نہ تھی، بعد کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پہلی دفعہ بنائی۔ (وفاء الوفا سمہودی ص ۲۶۴ ج ۱)

حضور علیہ السلام کا مصلے پہلی بار مسجد نبوی کے شمال میں تھا جبکہ آپ نے ۱۶، ۱۷ ماہ تک بیت المقدس کی طرف کو نماز پڑھائی تھی، دوسرا مصلے اسطوانۂ عائشہ کے پاس تھا، جہاں آپ نے تحویل قبلہ کے بعد چند روز تک نماز پڑھائی، تیسرا مصلے اسطوانۂ عائشہ سے متصل غرب کے جانب اسطوانۂ علم مصلے کے پاس ہوا جو آخر عمر تک رہا (منبر نبوی اور اس مصلے ومقام نبوی کے درمیان فاصلہ ۱۴ ذراع اور ایک بالشت کا ہے (وفاء ۲۶۷ ج ۱) اس سے بھی صحیح جگہ متعین ہو سکتی ہے۔

(۲) مصحف کبیر جس صندوق میں رکھا گیا تھا اور حدیث الباب بخاری میں بھی اس کا ذکر ہے اسطوانۂ علم مصلے سے داہنی جانب میں تھا۔ (وفاء ۲۶۳ ج ۱)

(۳) مصلے نبوی کے محاذ میں ہی آگے قبلہ کی طرف محراب عثمانی ہے اور یہ دونوں ٹھیک وسط مسجد نبوی میں نہیں ہیں، داہنی طرف فاصلہ زیادہ ہے البتہ حضور علیہ السلام نے جو چند روز اسطوانۂ عائشہ کی طرف میں پڑھی تھی وہ روضۂ نبویہ کے وسط میں تھا پھر آپ کچھ داہنی جانب اسطوانۂ علم مصلے کے پاس پڑھنے لگے، جس سے حضور کی مسجد کا تقریباً وسط ہو گیا تھا اور شاید زیادہ اور بالکل وسط صحیح کی طرف اسی لئے نہ

بڑھے ہوں کہ یہاں قرب محل مصحف شریف تھا، جس کی عظمت خاص کی وجہ سے حضور علیہ السلام اس کی تحری فرماتے تھے اور شاید اس لئے بھی شرقی حصہ کی طرف میلان کرایا گیا ہو کہ روضۂ جنت اور روضۂ مقدسہ اور حجرات شریفہ (منازل و بیوت نبویہ بیت سیدہ طاہرہ) مقام جبریل و مواضع نزول وحی وغیرہ سب اسی بائیں جانب میں تھے اور شاید اسی لئے محراب عثمان بھی بائیں جانب رکھی گئی جبکہ غرب کی طرف توسیع ہو جانے کی وجہ سے صف کی دائیں جانب میں نمایاں طور سے جگہ زیادہ ہوگئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ہم نے یہ اس لئے لکھا کہ فقہی مسئلہ ہے کہ امام کا مصلے یا محراب وسط مسجد میں ہی ہونی چاہئے تا کہ امام کے دائیں اور بائیں دونوں طرف مقتدی برابر ہوں، پھر زائرین کرام مسجد نبوی میں اس کے خلاف دیکھتے تو اس کے اسباب و وجوہ کی طرف اشارہ ضروری ہو گیا۔

باب الصلوٰة بين السوارى فى غير جماعة

(نماز دوستونوں کے درمیان جب کہ تنہا پڑھ رہا ہو)

۴۷۷. حدثنا موسى بن اسمٰعيل قال نا جويرية عن نافع عن ابن عمر قال دخل النبى ﷺ البيت و اسامة بن زيد و عثمان بن طلحة و بلال فاطال ثم خرج و كنت اول الناس دخل على اثره فسالت بلا لا اين صلے فقال بين العمودين المقدمين.

۴۷۸. حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالک بن انس عن نافع عن عبدالله ابن عمر ان رسول الله ﷺ دخل الكعبة واسامة بن زيد و بلال و عثمان بن طلحة الحجبى فاغلقها عليه ومكث فيها وسالت بلا لا حين خرج ما منع النبى ﷺ قال جعل عمودا عن يساره عمودا عن يمينه و ثلثة اعمدة ورآء ه وكان البيت يومئذ على ستة اعمدة ثم صلے و قال لنا اسمٰعيل حدثنى مالک فقال عمودين عن يمينه.

باب: ۴۷۹. حدثنا ابراهيم ابن المنذر قال نا ابو ضمرة قال نا موسى ابن عقبه عن نافع ان عبدالله كان اذا دخل الكعبة مشى قبل وجهه حين يدخل وجعل الباب قبل ظهره فمشى حتى يكون بينه وبين الجدار الذى قبل وجهه قريباً من ثلثة اذرع صلے يتوخى المكان الذى اخبره بلا ل ان النبى ﷺ صلے فيه قال وليس على احدنا باس ان صلے فى اى نواحى البيت شاء.

ترجمہ ۴۷۷: حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے، اسامہ بن زید، عثمان بن طلحہ اور بلال بھی آپ کے ساتھ تھے، آپ دیر تک اندر رہے پھر باہر آئے اور میں پہلا شخص تھا جو آپ کے بعد داخل ہوا میں نے بلال سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کہاں نماز پڑھی تھی انہوں نے بتایا کہ سامنے والے دوستونوں کے درمیان۔

ترجمہ ۴۷۸: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور اسامہ، ابن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ حجبی بھی، پھر دروازہ بند کر دیا اور اس میں ٹھہرے رہے جب بلال باہر آئے تو میں نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے اندر کیا کیا تھا، انہوں نے کہا کہ آپ نے ایک ستون کو تو بائیں طرف چھوڑا اور ایک کو دائیں طرف اور تین کو پیچھے اور اس زمانہ میں بیت اللہ میں چھ ستون تھے، پھر آپ نے نماز پڑھی اور ہم سے اسمٰعیل نے کہا کہ مجھ سے مالک نے بیان کیا کہ دائیں طرف دو ستون چھوڑے تھے۔

ترجمہ ۴۷۹: حضرت عبداللہ بن عمر جب کعبہ میں داخل ہوتے تو چند قدم آگے کی طرف بڑھتے، دروازہ پشت کی طرف ہوتا اور آپ آگے بڑھتے جب ان کے اور ان کے سامنے کی دیوار کا فاصلہ تقریباً تین ہاتھ رہ جاتا تو نماز پڑھتے اس طرح آپ اس جگہ نماز پڑھنا

چاہتے تھے جس کے متعلق حضرت بلال نے آپ کو بتایا تھا کہ نبی کریم علیہ نے یہیں نماز پڑھی تھی، آپ فرماتے تھے کہ بیت اللہ میں جس جگہ بھی ہم چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

تشریح: یہاں حضرت ابن عمرؓ نے خود ہی وضاحت فرما دی کہ میں اس قسم کا تتبع واجب و ضروری سمجھ کر نہیں کرتا بلکہ مستحب و پسندیدہ خیال کر کے کرتا ہوں اور یہی حضرت عمرؓ کی رائے بھی تھی کہ ان امور کو لازمی و واجب سمجھ کر نہ کیا جائے، باقی رہا استحباب و پسندیدگی کا درجہ اس کے خلاف جس نے کہا غلطی کی، واللہ اعلم۔

باب الصلوٰة الى الراحلة والبعير والشجر والرحل

(سواری، اونٹ، درخت اور کجاوہ کو سامنے کر کے نماز پڑھنا)

۴۸۰. حدثنا محمد بن ابی بکر المقدمی البصری قال نا معتمر بن سلیمان عن عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر عن النبی علیہ انه کان یعرض راحلته فیصلی الیها قلت افرایت اذا ذهبت الرکاب قال کان یاخذ الرحل فیعدله فیصلی الی آخرته او قال موخره وکان ابن عمر یفعله.

باب الصلوٰة الى السرير

(چار پائی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا)

۴۸۱. حدثنا عثمان بن ابی شیبة قال نا جریر عن منصور عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت اعدلتمونا بالکلب والحمار لقد رائیتنی مضطجعة علی السریر فیجیء النبی علیہ فیتوسط السریر فیصلی فاکره ان اسنحة فانسل من قبل رجلی السریر حتی انسل من لحافی.

ترجمہ ۴۸۰: حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ اپنی سواری کو سامنے کر کے عرض میں کر لیتے تھے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے عبیداللہ بن عمر نے نافع سے پوچھا کہ جب سواری اچھلنے کودنے لگتی تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے (آنحضور علیہ اس وقت کیا کرتے تھے) نافع نے جواب دیا کہ آپ اس وقت کجاوے کو اپنے سامنے کر لیتے تھے اور اس کے آخری حصہ کی طرف (جس پر سوار ٹیک لگاتا ہے ایک کھڑی سی لکڑی) رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور حضرت ابن عمرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

ترجمہ ۴۸۱: حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتوں اور گدھوں کے برابر بنا دیا، حالانکہ میں چار پائی پر لیٹی ہوتی تھی اور خود نبی کریم علیہ تشریف لاتے اور چار پائی کو اپنے سامنے کر کے نماز ادا فرماتے تھے مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ میرا جسم سامنے آ جائے یا میں آڑے آ جاؤں، اس لئے میں چار پائی کے پایوں کی طرف سے آہستہ سے نکل کر اپنے لحاف سے باہر آ جاتی تھی۔

تشریح: عرب میں چار پائی کھجور کی پتلی شاخوں اور رسی سے بنتے تھے، یہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ چار پائی کو بطور سترہ استعمال کرتے تھے، حضرت عائشہؓ چار پائی پر لیٹی ہوتی تھیں اور نبی کریم علیہ ان کے لیٹے رہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں فرماتے تھے، امام بخاریؒ ہی کی ایک حدیث میں ہے جو چند ابواب کے بعد آئے گی کہ عورت، کتے اور گدھے کے گذرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، یہ حدیث کے ظاہری الفاظ ہیں اور حضرت عائشہؓ اس حدیث کے ظاہر سے پیدا شدہ غلطی کی تصحیح اپنے مخاطبوں سے فرما رہی ہیں۔

یہاں ترجمۃ الباب کی رعایت سے حدیث کا ترجمہ لکھا گیا ہے، ورنہ حدیث الباب میں سترہ کی شکل نہیں بنتی کیونکہ فیتوسط کا ٹھیک ترجمہ تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام تخت پر درمیان میں ہوتے تھے اور حضرت عائشہؓ سامنے لیٹی ہوتی تھیں، البتہ آگے دوسری روایت مسروق عن

عائشہ آرہی ہے، وہاں یہ ہے کہ آپ کے اور قبلہ کے درمیان تخت یا چارپائی ہوتی تھی اس لئے بہتر یہ ہوتا کہ یہ ترجمہ اس حدیث پر ہوتا یا وہ حدیث یہاں پر ہوتی، علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا کہ یہاں ترجمہ میں الی بمعنی علی ہے اور علامہ عینی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر اس طرح حدیث الباب اور ترجمہ کی مطابقت ہو جائے گی تو ابواب سترہ سے تعلق نہ رہے گا، اس لئے حافظ کا جواب کارآمد ہوگا کہ فیتوسط کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نیچے کھڑے ہو کر تخت کو درمیان میں کر لیتے تھے بطور سترہ کے۔

علامہ عینی نے کہا کہ فیتوسط کا اصل معنی یہی ہے کہ خود کو وسط سریر پر کر دیا جائے اور دوسری حدیث مسروق عن عائشہ کی وجہ سے یہاں معنی بدلنا مناسب نہیں، کیونکہ دونوں عبارتوں کے معنی الگ الگ ہیں، ایک کو دوسرے کے معنی میں کرنا درست نہیں، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ واقعات دو ہوں (عمدہ ص ۴۸۲ ج ۲)

بظاہر تعدادِ واقعات و حالات کی بات زیادہ دل کو لگتی ہے کیونکہ مسروق والی روایت بالکل صاف ہے کہ آپ نے نیچے فرش پر نماز پڑھی ہے اور تخت آپ کے اور قبلہ کے درمیان تھا، جس پر حضرت عائشہؓ استراحت فرما تھیں، دوسری بعض روایات میں یہ بھی ہے حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں کہ میں سامنے لیٹی ہوتی تھی اور حضور نوافل تہجد میں مشغول ہوتے تھے سجدہ کے وقت حضور میرے پاؤں چھوتے تو میں متنبہ ہو کر اپنے پاؤں سکیڑ لیتی تھی تا کہ آپ اطمینان سے سجدہ فرمالیں یہ صورت تخت پر ہی نماز کی ہوسکتی ہے، اس لئے محقق عینی کی رائے اصوب معلوم ہوتی ہے اور حافظ کے مختار پر علامہ عینی کا نقد اصولی طور سے بالکل درست ہے کہ دو مختلف عبارتوں کو ایک معنی پر کیونکر محمول کر سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ حافظ کا مختار صحیح مان کر بھی دو حالتیں تو ضرور ہی ماننی پڑیں گی، اس لئے بھی محقق عینی کی رائے زیادہ محققانہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(نوٹ) تعدد حالات کی جوبات علامہ عینی نے یہاں لکھی ہے، اس کا اعتراف حافظ کو بھی آگے باب التطوع خلف المرأۃ میں کرنا پڑا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ نماز کے سامنے سے گذرنے کا مسئلہ تو کتابوں میں ملتا ہے مگر یہ نہیں کہ سامنے بیٹھا ہو اور پیچھے کوئی نماز پڑھنے لگے تو کیا کرے، سامنے سے دائیں بائیں کو کھسک جائے یا نہیں؟ تو سامنے سے کھسک کر ہٹ جانے کا ثبوت حضرت عائشہؓ کے انسلال (کھسک جانے) سے ملتا ہے، صحراء میں نماز پڑھنے والے کے موضع سجود یا موضع نظر کے آگے سے گذرنا درست ہے، مسجد کبیر کا حکم بھی صحرا کا ہے، چھوٹی مسجد میں سامنے کی دیوار یا ستون تک گذرنا ممنوع ہے، مسجد کبیر میرے نزدیک چالیس ذراع یا زیادہ والی ہے، حاشیہ عنایہ میں ہے کہ اگر کوئی چھت میں سے کوئی چیز لٹکا دی تو وہ بھی سترہ بن سکتی ہے، اس لئے میرے نزدیک اگر کسی کو سامنے سے گذرنا ضروری ہی ہو جائے تو اپنا رومال وغیرہ نمازی کے سامنے لٹکا کر نکل جائے امید ہے کہ گذرنے کے گناہ سے بچ جائے گا۔

ضروری فائدہ: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام بخاری حضرت عائشہؓ کی حدیث گیارہ جگہ لائے ہیں، ان میں سے سات حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوسکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تخت یا چارپائی پر بستر نبوی پر استراحت فرما ہیں اور نبی اکرم ﷺ تخت کے نیچے فرش پر نوافل ادا فرما رہے ہیں اس طرح حضرت عائشہؓ مع تخت و بستر استراحت کے آپ کے اور قبلہ کے درمیان ہیں، یہ احادیث بخاری ص ۷۲ اسود عن عائشہؓ ص ۷۳ مسروق عن عائشہؓ ص ۷۳ اسود عن عائشہؓ ص ۷۳ عروہ عن عائشہؓ ص ۷۴ قاسم عن عائشہؓ ص ۱۳۶ ابو ہشام عن عائشہؓ اور ص ۴۲۸ پر مسروق عن عائشہؓ والی ہیں اور ان سب میں ایک حالت کا بیان ہے۔

باقی چار احادیث جن میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے بستر پر استراحت کرتی اور حضور شب میں اٹھ کر مشغول نوافل ہوتے تو جس وقت آپ سجدہ میں جاتے تھے تو میرے پیروں کو اشارہ دیتے، میں ان کو سکیڑ لیتی کہ آپ سجدہ کر لیں پھر جب اٹھ جاتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی تھی، یہ دوسری حالت ہے اور یقیناً ایک ہی جگہ تخت یا فرش پر پیش آئی ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ تخت پر ہوتیں اور

حضور نیچے فرش پر نماز پڑھتے ہوئے آپ کے پاؤں پر اشارہ دیتے نہ اس کی ضرورت تھی۔

یہ احادیث بخاری ص ۵۶ عبدالرحمٰن عن عائشہؓ ص ۷۳ عبدالرحمٰن عن عائشہؓ ص ۷۴ قاسم عن عائشہؓ اورص ۱۶۱ پر ابوسلمہ عن عائشہؓ والی ہیں یہ صرف بخاری کے ہیں دوسری کتب حدیث کے مرویہ الفاظ بھی قابل ملاحظہ ہیں، واضح ہو کہ حافظ نے مسروق عن عائشہؓ والی حدیث کے لئے جو اشارہ بحیی ء (عن قریب آنے والی) سے کیا ہے وہ غالباً ص ۷۳ والی باب استقلال الرجل الرجل والی ہے اور علامہ عینی نے کتاب الاستیذان والی مسروق عن عائشہؓ والی ۹۲۸ کی حدیث کا جواب دیا ہے۔

محدثانہ شان: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کیسی ضروری کام کی بات فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کسی حدیث کے سارے طرق روایت اور سارے الفاظ وکلمات ماثورہ سامنے نہ ہوں صحیح اور جچا تلا فیصلہ نہیں ہوسکتا مگر یہ دردسری کون کرے اور کیسے کرے کہ اس کے لئے اسباب بھی مہیا نہیں ہیں، یورپ کے مستشرقین نے لاکھوں کروڑوں روپے صرف کر کے ایسی فہرستیں تیار کردیں کہ ایک لفظ حدیث کا یاد ہو تو فوراً معلوم کر سکتے ہیں کہ کس حدیث کی کتاب میں کس جگہ ہے، مگر وہ تیار شدہ مطبوعہ فہرستیں بھی ہمیں میسر نہیں، لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری کام جو محدثین اسلام ہی کر سکتے ہیں باقی ہے کہ ایک ایک حدیث کے سارے طرق ومتون یکجا کردیئے جائیں، یہ کام آسان نہیں تو بہت زیادہ دشوار بھی نہیں کیونکہ عرب واسلامی حکومتوں کے لئے حق تعالیٰ نے زروجواہر کی نہریں بہادی ہیں اگر اس دولت کو یورپ وامریکہ کی سیروتفریح اور ذاتی غیر معمولی تعیشات پر صرف کرنے کی جگہ علوم حدیث وفقہ وکلام کی خدمت پر صرف کیا جائے تو وہ کام جو چودہ سو سال میں نہ ہوسکا، چودہ ماہ میں انجام پاسکتا ہے۔ وما ذٰلک علی الله بعزیز، وهو الموفق.

باب = لیرد المصلی من مر بین یدیه ورد ابن عمر فی التشهد وفی الکعبة وقال ان ابیٰ الا ان یقاتله قاتله

(نماز پڑھنے والا اپنے سامنے سے گذرنے والے کو روک دے حضرت ابن عمرؓ نے کعبہ میں جبکہ آپ تشہد کے لئے بیٹھے ہوئے تھے روک دیا تھا اور کہا کہ اگر لڑائی پر اتر آئے تو اس سے لڑنا بھی چاہئے)

۴۸۲. حدثنا ابو معمر قال انا عبدالوارث قال نا یونس عن حمید بن هلال عن ابی صالح ان ابا سعید قال قال النبی ﷺ وحدثنا آدم بن ابی ایاس ناسلیمان بن المغیرة قال نا حمید بن هلال ن العدوی قال نا ابو صالح السمان قال رأیت ابا سعید الخدری فی یوم جمعة یصلی الی شیء یستره من الناس فاراد شاب من ابی معیط ان یجتاز بین یدیه فدفع ابو سعید فی صدره فنظر الشاب فلم یجد مساغا الا بین یدیه فعاد لیجتاز فدفعه ابو سعید اشد من الولی فنال من ابی سعید ثم دخل علی مروان فشکا الیه ما لقی من ابی سعید و دخل ابو سعید خلفه علی مروان فقال مالک ولابن اخیک یا ابا سعید قال سمعت النبی ﷺ یقول اذا صلی احدکم الی شیء یستره من الناس فاراد احد ان یجتاز بین یدیه فلیدفعه فان ابیٰ فلیقاتله فانما هو شیطان.

ترجمہ: حضرت ابوصالح سمان نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ کو جمعہ کے دن نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ کسی چیز کی طرف رخ کئے ہوئے لوگوں کے لئے اسے سترہ بنائے ہوئے تھے، ابومعیط کے خاندان کے ایک جوان نے چاہا کہ آپ کے سامنے سے ہو کر گذر جائے، ابوسعیدؓ نے اس کے سینہ پر دھکا دے کر باز رکھنا چاہا جوان نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کوئی راستہ سوائے سامنے سے

گذرنے کے نہ ملا اس لئے وہ پھر اسی طرف سے نکلنے کے لئے لوٹا، اب ابوسعیدؓ نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے دھکا دیا، اسے ابوسعیدؓ سے شکایت ہوئی اور وہ اپنی یہ شکایت مروان کے پاس لے گیا، اس کے بعد ابوسعیدؓ بھی تشریف لے گئے، مروان نے کہا، اے ابوسعیدؓ! آپ میں اور آپ کے بھائی کے بچے میں کیا معاملہ پیش آیا، آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا تھا کہ جب کوئی شخص نماز کسی چیز کی طرف رخ کر کے پڑھے اور اس چیز کو سترہ بنا رہا ہو پھر بھی اگر کوئی سامنے سے (سترہ کے اندر سے گذرنا چاہے تو اسے دھکا دے دینا چاہئے، اگر پھر بھی اصرار ہو تو اس سے لڑنا چاہئے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

تشریح: حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر جہری نماز پڑھ رہا ہو تو ذرا اور اونچی آواز کر کے گذرنے والے کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر سری نماز ہے تو اس میں مشائخ کے مختلف اقوال ہیں، بہتر یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک آیت کو زور سے پڑھ دے تا کہ گذرنے والا متنبہ ہو جائے، حضرت ابن عمرؓ نے گذرنے والے سے لڑائی (قتال) کے متعلق جو فرمایا ہے اسے حنفیہ مبالغہ پر محمول کرتے ہیں یعنی نماز کی حالت میں گذرنے والے سے مزاحمت کی اجازت نہیں دیتے، لیکن شوافع اس کی بھی اجازت دیتے ہیں۔

آنحضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر پھر بھی نہ مانے تو لڑنا چاہئے اس سے مقصد دل میں اس فعل کی قباحت اور ناگواری کو راسخ کرنا ہے، نماز کی حالت میں لڑنے کا حکم نہیں ہے، گذرنے والے کو شیطان اس لئے کہا کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کر رہا ہے، تا کہ وصلۂ خداوندی کو قطع کرے جو شیطان کا کام ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ محدثین نے یہ بھی مراد لی ہے کہ اس گذرنے والے انسان پر شیطان سوار ہے کیونکہ شیطان عالم ارواح سے ہے، یعنی اس کے لئے بدن مثالی ہے جو اجسام میں تصرف کرتا ہے، جیسے جن مسخر کر کے انسانوں کی زبان میں بولتے ہیں اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ شیطان لوگوں کو نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے دل میں وساوس و ضرورتیں ڈال کر آمادہ کرتا ہے تا کہ گنہگار ہو، مزید وضاحت و تفصیل فیض الباری ص۸۴ ج۲ میں ہے۔

باب اثم المآر بين يدى المصلے

(نمازی کے سامنے سے گذرنے پر گناہ)

۴۸۳. حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالک عن ابی النضر مولیٰ عمر بن عبيدالله عن بسر بن سعيد ان زيد بن خالد ارسله الى ابى جهيم يسأله ماذاسمع من رسول الله ﷺ فى المآر بين يدى المصلے فقال ابو جهيم قال رسول الله ﷺ لو يعلم المآر بين يدى المصلى ماذا عليه لكان ان يقف اربعين خيرا له من ان يمر بين يديه قال ابوالنضر لآ ادرى قال اربعين يوما او شهر او سنة.

ترجمہ: حضرت بسر ابن سعید نے کہا کہ زید بن خالد نے انہیں ابوجہیم کی خدمت میں پوچھنے کے لئے بھیجا کہ انہوں نے نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذرنے والے کے متعلق نبی کریم ﷺ سے کیا سنا ہے، یہ ابوجہیمؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا! اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا جانتا کہ اس کا گناہ کتنا بڑا ہے تو اس کے سامنے سے گذرنے پر چالیس تک وہیں کھڑے رہنے کو ترجیح دیتا، ابو النضر نے کہا مجھے یاد نہیں کہ راوی نے چالیس دن کہا یا مہینہ یا سال۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مسند بزار میں چالیس سال کی روایت یقین کے ساتھ ہے اور ایک دوسری حدیث میں ایک سو سال بھی آیا ہے، زیادہ تفصیل روایات فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے۔

باب استقبال الرجل الرجل وهو يصلي وكره عثمان ان يستقبل الرجل وهو يصلي وهذا اذا شتغل به فاما اذا لم يشتغل به فقد قال زيد ابن ثابت ما باليت ان الرجل لا يقطع صلٰوة الرجل

(نماز پڑھتے میں ایک مصلی کا دوسرے شخص کی طرف رخ کرنا، حضرت عثمانؓ نے نماز پڑھنے والے کی طرف رخ کرنے کو ناپسند فرمایا اور یہ جب ہے کہ نماز کی توجہ سامنے والے کی طرف ہو جائے لیکن اگر اس کی طرف کوئی توجہ نہ ہو تو زید بن ثابت نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، ایک شخص دوسرے کی نماز کو نہیں توڑ سکتا)

۴۸۴. حدثنا اسمٰعيل بن خليل قال انا علي بن مسهر عن الاعمش عن مسلم عن مسروق عن عائشة ان ذكر عندها ما يقطع الصلٰوة فقالو يقطعها الكلب والحمار والمرأة فقالت لقد جعلتمونا كلا بالقد رايت النبي ﷺ يصلي و اني لبينه و بين القبلة وانا مضطجعة على السرير فتكون لي الحاجة واكره ان استقبله فانسل انسك لا و عن الاعمش عن ابراهيم عن الاسود عن عآئشة نحوه.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کے سامنے تذکرہ چلا کہ نماز کو کیا چیزیں توڑ دیتی ہیں، لوگوں نے کہا کتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ دیتی ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم نے ہمیں کتوں کے برابر بنا دیا، حالانکہ میں جانتی ہوں نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے میں آپ کے اور آپ کے قبلہ کے درمیان (سامنے چارپائی پر لیٹی ہوتی تھی مجھے ضرورت پیش آتی تھی اور یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ خود کو آپ کے سامنے پیش کردوں اس لئے میں آہستہ سے نکل آتی تھی، اعمش نے ابراہیم سے بھی انہوں نے اسود سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اسی طرح حدیث بیان کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کی رائے چونکہ یہ ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کر سکتی، اس لئے یہاں اشتغال کی قید ذکر کی، مگر حنفیہ کے نزدیک قید نہیں ہے، یعنی نمازی کے سامنے اگر کوئی شخص اس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے یا کھڑا ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے اور یہاں حضرت عائشہؓ بھی صراحت کے ساتھ فرماتی ہیں کہ مجھے استقبال ناپسند ہوا (حالانکہ حضور علیہ السلام کے لئے اشتغال کا احتمال بہ نسبت دوسروں کے تقریباً معدوم تھا اور فتح الباری ص ۳۹۲ ج ا میں غمز نبوی فی الصلوٰۃ پر لکھا کہ حضور علیہ السلام کا اشتغال بہا آپ کے حق میں مامون تھا، معلوم ہوا کہ اشتغال کی قید ضروری نہیں ہے) امام بخاریؒ اپنے مذکورہ خیال کو اور زیادہ مضبوطی سے مستقل باب قائم کر کے بھی پیش کریں گے اور کہیں بھی وہ احادیث ذکر نہیں کریں گے جو قطع صلوٰۃ سے متعلق وارد ہیں، ان کے بارے میں تفصیلی بحث اسی باب میں ذکر ہوگی، ان شاء اللہ

محقق عینی نے لکھا:- صاحب توضیح نے فرمایا کہ انما هذا الخ امام بخاری کا کلام ہے، جس سے انہوں نے اپنا مذہب ظاہر کیا ہے (یعنی حضرت عثمانؓ سے یہ تفصیل وارد نہیں ہے جو امام بخاریؒ نے خود کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ اس صورت کو مطلقاً ناپسند کرتے تھے، امام بخاری کی طرح ان کے نزدیک قید و تفصیل نہ تھی) پھر علامہ عینی نے حضرت عمرؓ، حضرت سعید بن جبیرؓ، حضرت ابن مسعود و امام مالک سے بھی مطلقاً کراہت کو ذکر کیا اور لکھا کہ اکثر علماء کراہت استقبال کے ہی قائل ہیں (عمدہ ص ۴۹۱ ج ۲)

حافظ نے لکھا:- میں نے مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت عمرؓ کا اثر تو دیکھا کہ وہ اس صورت استقبال پر زجر و تنبیہ فرمایا کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ کا اثر مجھے نہیں ملا، بلکہ حضرت عثمانؓ سے ایک قول عدم کراہت کا ملا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اصل میں حضرت عمرؓ کی جگہ (غلطی سے) حضرت عثمان ہو گیا ہو۔ (فتح الباری ص ۳۹۱ ج ا)

باب الصلوٰۃ خلف النائم

(سوئے ہوئے شخص کے سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا)

۴۸۵. حدثنا مسدد قال نا یحییٰ قال نا ھشام قال حدثنی ابی عن عآئشۃ قالت کان النبی ﷺ یصلی و انارا قدۃ معترضۃ علی فراشہ فاذا اراد ان یوترا یقظنی فاوترت.

ترجمہ ۴۸۵: حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں سامنے اپنے بستر پر سوئی رہتی، جب وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگادیتے اور میں بھی وتر پڑھ لیتی تھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سونے والے کے سامنے نماز بھی عندنا مکروہ ہے، ممکن ہے وہ کچھ حرکتیں سوتے میں یا اٹھ کر کرنے لگے جس سے نمازی کا خشوع وخضوع خراب ہو، البتہ اس سے امن ہو تو حرج نہیں اور غالباً یہاں بھی امن ہی ہوگا، لہٰذا کراہت نہ ہوئی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صلوٰۃ اللیل اور نماز وتر میں فرق کرتی تھیں، بخلاف حضرت ابن عمرؓ کے کہ وہ سب کو صلوٰۃ اللیل کہتے ہیں اور حدیث سے وتروں کا تاکد بھی صلوٰۃ اللیل سے زیادہ ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو وتر کے لئے اٹھایا، تہجد کیلئے نہیں، لہٰذا حنفیہ کا وتر کے لئے قائل وجوب وتاکد ہونا درست ہے۔

باب التطوع خلف المرأۃ

(نفل نماز عورت کے سامنے ہوتے ہوئے پڑھنا)

۴۸۶. حدثنا عبداللہ بن یوسف قال انا مالک عن ابی النضر مولی عمر بن عبیداللہ عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن عن عآئشۃ زوج النبی ﷺ انھا قالت کنت انام بین یدی رسول اللہ ﷺ و رجلای فی قبلتہ فاذا سجدہ غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتھما قالت والبیوت یومئذ لیس فیھا مصابیح.

ترجمہ ۴۸۶: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوئی ہوئی تھی، میرے پاؤں آپ کے سامنے (پھیلے ہوئے) ہوتے تھے پس جب آپ سجدہ کرتے تو پاؤں کو ہلکے سے دبادیتے اور میں انہیں سکیڑ لیتی پھر جب قیام فرماتے تو میں انہیں پھیلا لیتی تھی اس زمانہ میں گھروں کے اندر چراغ نہیں تھے۔

تشریح: حافظ نے لکھا:- علامہ کرمانیؒ نے اعتراض نقل کیا کہ لفظ ترجمۃ الباب تو چاہتا ہے کہ عورت کی پیٹھ نمازی کی طرف ہو، مگر لفظ حدیث عام ہے پھر جواب دیا کہ سنت سونے کے لئے قبلہ کا رخ ہے اور حضرت عائشہؓ بھی غالباً اسی پر عمل فرماتی ہوں گی، لہٰذا ترجمہ ثابت ہوا اس پر حافظ نے لکھا کہ اس جواب میں تکلف ہے کیونکہ سنت تو ابتداء نوم کی ہے، دوام کی نہیں اور سونے میں آدمی بلاشعور واحساس کے کروٹ بدل لیتا ہے اس لئے میرے نزدیک جواب یہ ہے کہ ترجمہ میں خلف المرأۃ ہے، خلف ظہر المرأۃ نہیں ہے، لہٰذا عورت کا سامنے ہونا کافی ہے خواہ وہ کسی حالت سے بھی لیٹی یا سوئی ہوئی ہو۔ (فتح ص۳۹۲ ج ا)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فاذا سجد غمزنی کی تاویل شافعیہ یہ کرتے ہیں کہ وہ غمز کپڑے کے اوپر تھا، بلا حائل کے نہ تھا، اس لئے ناقض وضو و مبطل صلوٰۃ نہ ہوا، حنفیہ جو کہتے ہیں کہ عورت کا بدن چھونے سے وضو ختم نہیں ہوتا (اگر بلا شہوت ہو) وہ اسی حدیث الباب کو پیش کرتے ہیں، کیونکہ حائل کی قید موجود نہیں ہے اور روایت نسائی کے الفاظ سے صراحت بھی مل جاتی ہے کہ وہاں حائل نہیں تھا، (مؤلف عرض کرتا ہے کہ اسی لئے امام نسائی نے باب "ترک الوضوء من مس الرجل امرأۃ من غیر شھوۃ" قائم کیا ہے اور حضرت عائشہؓ سے

متعدد روایات درج کی ہیں، ملاحظہ ہو نسائی ص ۳۸ ج ۱)

باب من قال لا يقطع الصلوٰة شيء

(جس نے یہ کہا کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی)

۴۸۷. حدثنا عمر بن حفظ بن غياث ثنا ابي قال نا الاعمش قال نا ابراهيم عن الاسود عن عآئشة ح قال الاعمش وحدثني مسلم عن مسروق عن عائشة ذكر عندها ما يقطع الصلوٰة الكلب والحمار و المرأة فقالت شبهتمونا بالحمر و الكلاب والله لقد رأيت النبي ﷺ يصلي و اني على السرير بينه و بين القبلة مضطجعة فتبدولي الحاجة فاكره ان اجلس واوذی النبی ﷺ فانسل عن عند رجليه.

۴۸۸. حدثنا اسحق بن ابراهيم قال انا يعقوب بن ابراهيم قال نا ابن اخي ابن شهاب انه سأل عمه عن الصلوٰة يقطعها شيء قال لا يقطعها شيء اخبرني عروة بن الزبير ان عآئشة زوج النبي ﷺ قالت لقد كان رسول الله ﷺ يقوم فيصلي من الليل واني لمعترضة بينه و بين القبلة علىٰ فراش اهله.

ترجمہ ۴۸۷: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ان کے سامنے ان چیزوں کا ذکر چلا جو نماز کو توڑ دیتی ہیں یعنی کتا، گدھا اور عورت اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمیں گدھوں اور کتوں کی طرح بنا دیا حالانکہ خود نبی کریم ﷺ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ میں چارپائی پر آپ کے اور قبلہ کے درمیان (سامنے) لیٹی رہتی تھی مجھے کوئی ضرورت پیش آتی اور چونکہ یہ بات پسند نہ تھی کہ آپ کے سامنے (جب کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوں) بیٹھوں اس طرح آپ کو تکلیف ہو، اس لئے میں پاؤں کی طرف سے خاموشی کے ساتھ نکل جاتی تھی۔

ترجمہ ۴۸۸: ابن شہاب نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے چچا سے پوچھا کیا نماز کو کوئی چیز توڑتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں اسے کوئی چیز نہیں توڑتی، مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے گھر کے بستر پر لیٹی رہتی تھی۔

تشریح: امام بخاریؒ اس حدیث کا جواب دینا چاہتے ہیں جس میں ہے کہ کتے، گدھے اور عورت نماز کو توڑ دیتی ہیں، یہ بھی صحیح حدیث ہے لیکن اس سے مقصد یہ بتانا تھا کہ ان کے سامنے سے گذرنے سے نماز کے خشوع وخضوع میں فرق پڑتا ہے، یہ مقصد نہیں تھا کہ واقعی ان کا سامنے سے گذرنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- امام بخاری کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ دوسرے کے کسی عمل سے نماز نہیں ٹوٹتی، مثلاً کوئی سامنے سے گذر جائے یا کوئی حرکت منافی صلوٰۃ کرے تو اس نمازی کا کوئی نقصان نہیں، یہ مقصد نہیں کہ خود نمازی بھی کوئی حرکت منافی صلوٰۃ کرے تو اس سے بھی نماز قطع نہ ہوگی حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کے ارشاد "وانی علی السریر" کو امام بخاری نے مرور کی جنس سے قرار دیا اور جب اس نوع مرور سے بھی نماز قطع نہ ہوئی تو فیصلہ کر دیا کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کر سکتی اور یہ امام بخاریؒ کی خاص عادت ہے کہ جب کسی ایک جانب رائے قائم کر لیتے ہیں تو دوسری جانب کو بالکل گرا دیتے ہیں اور اسی لئے انہوں نے قطع نہ کرنے والی احادیث تو بہت جمع کر دی ہیں اور جگہ جگہ لائے ہیں، مگر قطع کرنے والی ایک حدیث بھی روایت نہیں کی، سب کو اڑا دیا ہے حالانکہ اصحاب صحاح ستہ میں سے (۱) امام مسلم نے حضرت ابوذرؓ سے مرفوع حدیث نقل کی نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا قطع کر دیتے ہیں، (۲) نسائی میں بھی حضرت ابوذرؓ کی یہ حدیث مروی ہے (نسائی ص ۱۲۲ ج ۱ باب ذکر ما یقطع الصلوٰۃ و ما لا یقطع) (۳) ابوداؤد میں بھی ہے کہ حمار، عورت اور کلب نماز قطع کر دیتے ہیں،

(۴) ترمذی میں بھی باب ماجاء انہ لا یقطع الصلوۃ الا الکلب و الحمار و المرأۃ ہے، (۵) ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نماز کو کلب اسود اور حائض عورت قطع کر دیتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یقطع الصلوۃ المرأۃ والکلب و الحمار مرفوعاً مروی ہے اور عبداللہ بن مغفلؓ سے بھی ایسی ہی روایت مرفوعاً ہے، اور ان صحاح کے علاوہ بھی سارے محدثین کبار روایت کرتے ہیں، پھر کوئی ایک روایت بھی اس کے برخلاف ایسی کہیں نہیں کہ یہ تینوں نماز نہیں قطع کرتے، ایسی صورت میں اپنے خیال کے خلاف ساری حدیثوں کا ذکر بھی حذف کر دینا یہ امام بخاری ہی ایسے بڑے کر سکتے ہیں، چھوٹوں کی کیا مجال ہے؟! حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ ایسے ہی مواقع پر میں کہا کرتا ہوں کہ امام بخاری ''فاعل مختار'' ہیں اور جس فاعل مختار کے متعلق معقولی مختلف ہیں وہ یہاں موجود ہے کہ بخاری جس حدیث کو چاہیں چھوڑ دیتے ہیں، ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ حدیث کو بالکل ہی چھوڑ دیں سچ یہ ہے کہ خدا کسی کو چھوٹا نہ کرے، ہم چھوٹے ہیں اس لئے مجبور ہیں، اور امام بخاری جیسے جو چاہیں کریں۔

حضرت شاہ صاحبؒ ایسے مواقع میں مختلف طریقوں پر کچھ جملے فرما دیا کرتے تھے، کبھی مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری بہت بڑے اور جلیل القدر محدث ہیں اور بڑے کی ایک شان یہ بھی ہے کہ وہ مارے اور رونے نہ دے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ فقہی نظر سے تو قطع ہم بھی نہیں مانتے، مگر یہ کہ کسی قسم کا نقصان نہیں آتا، اس کے ہم قائل نہیں اور قطع وصلہ کی بات پہلے گذر چکی ہے، علامہ عینی نے لکھا کہ ابونعیم نے کتاب الصلوٰۃ میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اگر نمازی کو معلوم ہو کہ اس کی نماز میں کتنا نقصان آجاتا ہے تو وہ کبھی بلا سترہ کے نماز نہ پڑھے اور محدث ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا نمازی کی آدھی نماز کو قطع کر دیتا ہے (عمدہ ۴۸۶ ج ۲) یہ دونوں اثر موقوف ہیں مگر بحکم مرفوع، کیونکہ ایسی بات کوئی صحابی اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم)

گذرنے کا گناہ کس پر ہے؟

علامہ ابن رشد نے لکھا:- اس امر پر جمہور کا اتفاق ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس پر وعید ہے اور تمام کتب شافعیہ میں مرور کی حرمت مصرح ہے اور کتب حنفیہ و مالکیہ میں بھی گذرنے والے کے گنہگار ہونے کی تصریح ہے، لیکن اس کی چار صورتیں ہیں (۱) نمازی سترہ کی طرف نماز پڑھے اور گذرنے والا سترہ کے اندر سے گذرنے پر مجبور نہ ہو، پھر بھی گذرے تو صرف وہ گناہ گار ہوگا (۲) کسی گذرگاہ پر بلا سترہ کے نماز پڑھے اور گذرنے والا سامنے سے جانے پر مجبور ہو تو صرف نمازی گنہگار ہوگا (۳) کسی گذرگاہ کے سامنے بلاسترہ کے نماز پڑھے لیکن گذرنے والا سامنے سے گذرنے پر مجبور نہ ہو، پھر بھی گذرے تو دونوں گنہگار ہوں گے (۴) سترہ کے سامنے نماز پڑھے، لیکن گذرنے والا سترہ کے اندر سے گذرنے پر مجبور ہو تو دونوں گنہگار نہ ہوں گے، حاشیہ زیلعی علی الکنز میں اسی طرح ہے، شامی میں کچھ فرق ہے۔ (اوجز ص ۹۹ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں حفص بن غیاث بھی ہیں جو امام اعظمؒ کے اصحاب کبار اور مستفیدین امام ابو یوسفؒ میں سے ہیں، امام طحاوی ناقل ہیں کہ امام صاحب نے بارہ آدمیوں کے لئے کہا تھا کہ یہ قاضی بننے کے لائق ہیں، چنانچہ سب قاضی ہوئے اور یہ بھی ان میں سے ہیں، بہت بڑے عالم اور قاضی ہوئے ہیں (ان کا شمار شرکاء تدوین فقہ میں بھی ہے اور مقدمہ انوارالباری ص ۲۰۵ ج ۱ میں بھی ان کا ذکر ہے، ان کے صاحبزادے عمر بن حفص بھی بڑے محدث تھے، جن سے امام بخاری نے یہاں روایت لی ہے، اپنے والد ماجد سے حدیث پڑھی تھی۔

قولہ من عند رجلیہ: حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد کہ ''میں آپ کے پاؤں کی طرف سے خاموشی سے نکل جاتی تھی'' اس سے بظاہر مراد متعین ہے کہ وہ تخت یا چارپائی کی پائنتی کی جانب سے اتر کر چلی جاتی تھیں، لہٰذا یہاں من کو ابتدائیہ قرار دے کر سر کے سرہانے کی جانب سے نکل جانے کی بات ہماری ناقص رائے میں نہ آسکی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب اذا حمل جارية صغيرة علي عنقه في الصلوٰة

(نماز میں اگر کوئی اپنی گردن پر کسی چھوٹی بچی کو اٹھالے)

۴۸۹. حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالک عن عامر بن عبدالله بن الزبير عن عمر بن سليم الزرقي عن ابي قتادة الانصاري ان رسول الله ﷺ كان يصلي وهو حامل امامة بنت زينب بنت رسول الله ﷺ ولابي العاص بن ربيعة بن عبد شمس فاذا سجد وضعها واذا قام حملها.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے وقت اٹھائے رہتے تھے، ابوالعاص بن ربیعہ بن عبدشمس کی حدیث میں ہے کہ جب وہ سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھا لیتے۔

تشریح: امامہ بنت زینب خود آنحضور ﷺ کے اوپر چڑھ جاتی تھیں اور جب آنحضور ﷺ سجدہ میں جاتے تو صرف اشارہ کر دیتے اور آپ چونکہ باشعور تھیں اس لئے اشارہ پاتے ہی اتر جاتی تھیں، راوی نے اسی کو "صلي وهو حامل لها" سے تعبیر کیا ہے اور یہ عمل قلیل ہے جس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، آنحضور ﷺ نے یہ عمل بھی صرف امت کی تعلیم کے لئے کیا تھا، عمل کے ذریعہ کسی بات کی تعلیم فطرت کو اپیل کرتی ہے اور جس طرح بچے زندگی کے طور وطریقے ماں باپ کے عمل سے سیکھتے ہیں، امت بھی اپنے نبی کے عمل سے دین کے طور وطریق سیکھتی ہے۔

علامہ ابن بطالؒ نے کہا کہ امام بخاریؒ نے یہ ثابت کیا کہ جب ایک بچی کے نماز کی حالت میں اترنے چڑھنے سے نماز میں کوئی خلل نہ آیا تو عورت کے سامنے سے گذرنے کا بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ تو اس سے کم درجہ کی چیز ہے (فتح ۳۹۳ ج ۱) لیکن اس میں بچی کا ذکر ہے، بڑی کے لئے قیاس کیونکر درست ہوگا؟

باب اذا صلي الي فراش فيه حائض

(ایسے بستر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جس پر حائضہ عورت ہو)

۴۹۰. حدثنا عمرو بن زرارة قال نا هشيم عن الشيباني عن عبدالله بن شداد بن الهاد قال اخبرتني ميمونة بنت الحارث قالت كان فراشي حيال مصلي النبي ﷺ فربما وقع ثوبه علي وانا علي فراشي.

۴۹۱. حدثنا ابو النعمان قال نا عبدالواحد بن زياد قال نا الشيباني سليمان قال نا عبدالله بن شداد بن الهاد قال سمعت ميمونة تقول كان النبي ﷺ يصلي و انا الي جنبه نآئمة فاذا سجد اصابني ثوبه وانا حائض.

ترجمہ ۴۹۰: حضرت عبداللہ بن شداد بن ہاد نے کہا کہ مجھے میری خالہ میمونہ بنت الحارث نے خبر دی کہ میرا بستر نبی کریم ﷺ کے برابر میں ہوتا تھا اور اکثر آپ کا کپڑا (نماز پڑھتے میں) میرے اوپر آجاتا تھا، میں اپنے بستر پر ہی ہوتی تھی۔

ترجمہ ۴۹۱: حضرت میمونہؓ فرماتی تھی کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے ہوتے اور میں آپ کے برابر میں سوتی رہتی، جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ کا کپڑا مجھے چھو جاتا، حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

تشریح: علامہ ابن بطالؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث اور سابقہ احادیث سے بھی صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ عورت سامنے ہو یا برابر وغیرہ تو قاطع نہیں، مگر اس کا سامنے سے گذرنا تو کسی سے بھی ثابت نہیں ہوتا حالانکہ امام بخاری کا مقصد مرور کا غیر قاطع صلوٰۃ ہوتا ہے، حافظ نے لکھا کہ سامنے ہونے کی احادیث تو پہلے گذر چکیں، یہاں تو امام بخاری عورت کے برابر میں ہونے کی صورت میں نماز کی صحت کا مسئلہ بتلانا چاہتے ہیں (فتح ص ۳۹۵ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ محاذاۃ کا مشہور اختلافی مسئلہ سامنے لاتا ہے، جس سے حافظ نے بھی دلچسپی لی ہے اور وہ حنفیہ کے اس مسئلہ پر بہت معترض بھی ہیں، اس کی پوری بحث تو اپنے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ، یہاں اتنا عرض کرنا ہے کہ ان دونوں حدیث سے یہ ثابت نہیں

ہوتا کہ حضرت میمونہ نماز پڑھ رہی تھیں یا آپ کے ساتھ شریک نماز تھیں اور حنفیہ صرف اس صورت میں فساد صلوٰۃ کا حکم بتلاتے ہیں کہ عورت و مرد دونوں کسی ایک نماز میں کسی امام کے مقتدی ہوں اور دونوں مل کر کھڑے ہوں تو اگر امام نے عورت کی بھی نیت امامت کی ہے تو مرد کی نماز فاسد ہوگی کہ وہ خلاف حکم شرع اس کے ساتھ غلط جگہ کھڑا ہو گیا کیونکہ نماز جماعت میں اس کا مقام آگے اور عورت کا پیچھے ہے اور نیت نہیں کی تو عورت کی فاسد ہوگی کہ وہ شریک جماعت ہی نہیں بنی اور مرد کی نماز جماعت والی ہے، دونوں کی نمازیں الگ ہوگئیں اس لئے مرد کی درست ہو جائے گی، بقول علامہ عینی چونکہ دوسرے ائمہ حنفیہ کی اس دقت نظر کو نہ پا سکے، اس لئے مخالفت کی ہے، واللہ الموفق

حنفیہ کے نزدیک عورتوں کے لئے نیت امامت بھی اسی لئے ضروری ہے کہ جہاں امام کو اطمینان ہوگا کہ عورتوں کے لئے پیچھے الگ کھڑے ہونے کا انتظام ہے وہاں وہ نیت کرے گا اور جہاں ایسا نہ ہو سکے وہ نہیں کرے گا تا کہ عورتیں مردوں میں مل کر جماعت میں شریک ہوں تو مردوں کی نماز فاسد نہ کریں یہ تو اختلاف فساد صلوٰۃ کا ہے، باقی عورتوں کے مردوں کے ساتھ پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا موجب کراہت سب کے نزدیک ہے کہ یہ خشوع و خضوع صلوٰۃ میں مخل تو یقیناً ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آج کل حرمین شریفین میں بہتر انتظام عورتوں کے لئے الگ نماز پڑھنے کا مسجد نبوی میں ہے، اگرچہ وہاں بھی سب مردوں کی صفوف سے پیچھے نہیں ہے تاہم اختلاط کی نوبت نہیں آتی، مسجد حرام مکہ معظمہ میں انتظام بہتر نہیں ہے، خصوصاً حج کے ایام میں بوجہ اجتماع کثیر و عظیم عورتوں کی صفیں آگے اور مردوں کی پیچھے بھی ہو جاتی ہیں اور اوپر کے درجوں میں بھی دیکھا کہ مصری عورتیں مردوں کے آگے یا برابر کھڑی ہو جاتی ہیں اور ان کو روکا جاتا ہے تو ناراض ہو جاتی ہیں، شاید اس لئے کہ مذہب شافعی وغیرہ میں عورت و مرد برابر کھڑے ہو کر نماز جماعت پڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے اس بارے میں حنفیہ کا مسلک نماز جیسی اہم عبادت کے لئے سب سے بہتر و احوط ہے ورنہ ظاہر کہ نماز کا سکون، خشوع و خضوع اور دل جمعی وغیرہ جو نماز کے لئے نہایت ضروری ہیں صنف نازک کے پہلو میں کہاں میسر ہو سکتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں ایک راوی عبدالواحد بن زیاد ہیں یہ بھی امام اعظمؒ سے تلمذ و استفادہ کا علاقہ رکھتے تھے، دارقطنی میں ہے کہ انہوں نے امام صاحب سے تصدق مال خبیث کے بارے میں سوال کیا اور یہ کہ اس کا جواز انہوں نے کہاں سے اخذ کیا تو فرمایا کہ حدیث عاصم بن کلیب سے، جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو ایک جگہ کھانے کی دعوت دی گئی اور کھانے میں بکری کا گوشت تھا جو بغیر اجازت مالک کے ذبح کی گئی تھی تو آپ نے حکم دیا کہ یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دیا جائے (اس بارے میں متعدد احادیث اور سوال مذکور دارقطنی ص ۲۸۶ ج ۴ طبع قاہرہ ۱۹۶۶ء میں ہے)

باب هل يغمز الرجل امرأته عند السجود لكي يسجد

(کیا سجدہ کے لئے جگہ کرنے کو مرد اپنی بیوی کو چھو سکتا ہے)

۴۹۲. حدثنا عمرو بن علي قال نا يحيىٰ قال نا عبيد الله قال نا القاسم عن عآئشة قالت بئسما عدلتمونا بالكلب والحمار لقد رايتني ورسول الله ﷺ يصلي وانا مضطجعة بينه و بين القبلة فاذا اراد ان يسجد غمز رجلي فقبضتهما.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہمیں کتوں اور گدھوں کے برابر بنا کر تم نے برا کیا، خود نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے میں آپ کے سامنے لیٹی ہوئی تھی جب سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں کو چھو دیتے تھے اور میں انہیں سکیڑ لیتی تھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، ممکن ہے امام بخاری نے اس سے مس مرأۃ کے غیر ناقض وضو ہونے کا اشارہ کیا ہو جو حنفیہ کی تائید ہے، مقصد یہاں بھی عورت کے غیر قاطع صلوٰۃ ہونے کا اثبات ہے۔

باب المرأة تطرح عن المصلي شيئاً من الاذیٰ

(عورت جو نماز پڑھنے والے سے گندگی کو ہٹادے)

۴۹۳. حدثنا احمد بن اسحاق اسور ماری قال نا عبيد الله بن موسیٰ قال نا اسرآئيل عن ابی اسحاق عن عمر و بن ميمون عن عبدالله قال بينما رسول الله ﷺ قائم يصلی عند الكعبة وجمع قريش فی مجالسهم اذ قال قائل منهم الا تنظرون الى هذا المرء الیٰ ايكم يقوم الى جزور ال فلان فيعمد الى فرشها ودمها وسلاها فلجی به ثم يمهه حتی اذا سجد وضعه بين كتفيه فانبعث اشقاهم فلما سجد رسول الله وضعه بين كتفيه وثبت النبی ﷺ ساجدا فضحكوا حتی مال بعضهم علیے بعض من الضحک فانطلق منطلق الى فاطمة وهی جويرية فا قبلت تسعیٰ وثبت النبی ﷺ ساجدا حتی القته عنه واقبلت عليهم تسبهم فلما قضی رسول الله ﷺ الصلوٰة قال اللهم عليک بقريش اللهم عليک بقريش اللهم عليک بقريش ثم سمی اللهم عليک بعمر و بن هشام و عتبة بن ربيعة وشيبة بن ربيعة والوليد بن عتبة وامية بن خلف وعقبة بن ابی معيط و عمارة بن وليد قال عبدالله فوالله لقد رأيتهم صرعی يوم بدر ثم سحبوآ الى القليب قليب بدرثم قال رسول الله ﷺ و اتبع اصحاب القليب لعنة .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، قریش اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک قریشی بولا اس ریا کار کو نہیں دیکھتے؟ کیا کوئی ہے جو بنی فلاں کے ذبح کئے ہوئے اونٹ تک جانے کے لئے تیار ہو اور وہاں سے گوبر وخون سے بھری ہوئی اوجھ اٹھالائے پھر یہاں انتظار کرے، جب یہ (آنحضور ﷺ) سجدہ میں جائیں تو گردن پر رکھ دے (اس کام کو انجام دینے کے لئے) ان میں کا سب سے زیادہ بدبخت شخص اٹھا اور رسول اللہ ﷺ سجدہ میں گئے تو اس نے آپ کی گردن مبارک پر یہ غلاظتیں ڈال دیں، ان کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ سجدہ ہی کی حالت میں سر کو کئے رہے، مشرکین (یہ دیکھ کر) ہنسے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر لوٹنے پوٹنے لگے، ایک شخص (غالباً ابن مسعودؓ) حضرت فاطمہؓ کے پاس آیا آپ ابھی بچی تھیں، آپ دوڑتی ہوئی تشریف لائیں حضور اکرم ﷺ اب بھی سجدہ ہی میں تھے پھر ان غلاظتوں کو آپ کے اوپر سے ہٹایا اور مشرکین کو مخاطب کر کے انہیں برا بھلا کہا، پھر جب آنحضور ﷺ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا "خدایا قریش پر عذاب نازل کر، خدایا قریش پر عذاب نازل کر، خدایا قریش پر عذاب نازل کر" پھر نام لے کر کہا، خدایا عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کو ہلاک کر دے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا، خدا گواہ ہے میں نے ان سب کو بدر کی لڑائی میں خاک وخون میں پایا، پھر انہیں گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کنویں والے خدا کی رحمت سے دور کر دیئے گئے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ دمیاطیؒ نے لکھا کہ یہ حضور علیہ السلام کی کفار کے حق میں سب سے پہلی بددعا تھی جو قبول ہدایت سے قطعاً مایوسی کے بعد فرمائی ہوگی، حافظؒ نے لکھا کہ عمارہ بن الولید کو یہاں قلیب بدر والوں میں شمار کرنا وجہ اشکال بنا ہے، کیونکہ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ اس کی موت حبشہ میں ہوئی تھی، جبکہ نجاشی نے اس کی غلط روش پر تنبیہ کرنے کے لئے ایک جادوگر سے اس پر سحر کرایا، جس سے وہ وحشی بہائم کی طرح ہوگیا تھا اور اسی حالت میں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مرا ہے، جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ان اشرار قریش میں سے اکثر کو قلیب بدر میں دیکھا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بسم الله الرحمن الرحیم

کتاب مواقیت الصلوٰۃ

(نماز کے اوقات کا بیان)

باب مواقیت الصلوٰۃ و فضلها وقوله تعالیٰ ان الصلواۃ کانت علی المؤمنین کتبا موقوتا وقته علیهم.

(نماز کے اوقات اوران کی فضیلت کا بیان اوراللہ تعالیٰ کا قول کہ بے شک مسلمانوں پرنماز اوقات کے ساتھ فرض کی گئی ہے یعنی اس کا وقت ان کے لئے مقرر کردیا گیا ہے)

۴۹۴. حدثنا عبدالله بن مسلمة قال قرات علی مالک عن ابن شهاب ان عمر بن عبدالعزیز اخر الصلوٰۃ یوما فدخل علیه عروة بن الزبیر فاخبره ان المغیرة بن شعبة اخر الصلوٰۃ یوما وهو بالعراق فدخل علیه ابو مسعود الانصاری فقال ما هذا یا مغیرة الیس قد علمت ان جبریل علیه السلام نزل فصلی فصلی رسول الله ﷺ ثم صلی فصلی رسول الله ﷺ ثم صلی فصلی رسول الله ﷺ ثم صلی فصلی رسول الله ﷺ ثم صلی فصلی رسول الله ﷺ ثم قال بهذا امرت فقال عمر بعروة اعلم ما تحدث به و ان جبریل هو اقام لرسول الله ﷺ وقت الصلوٰۃ قال عروة کذلک کان بشیر بن ابی مسعود یحدث عن ابیه قال عروة ولقد حدثتنی عآئشة ان رسول الله ﷺ کان یصلی العصر والشمس فی حجرتها قبل ان تظهر.

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک دن نماز تاخیر سے پڑھی تو ان کے پاس عروہ بن زبیر آئے اوران سے بیان کیا کہ مغیرہ بن شعبہ نے ایک دن جبکہ وہ عراق میں تھے، دیر سے نماز پڑھی تو ان کے پاس حضرت ابو مسعود انصاری آئے اور کہا کہ اے مغیرہ! یہ کیا بات ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جبریل علیہ السلام آئے اورانہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھرانہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھرانہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھرانہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھرانہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر (جبریل علیہ السلام نے) کہا کہ مجھے ایسا ہی حکم دیا گیا ہے، تو صرف عمر (بن عبدالعزیز) نے عروہ سے کہا کہ تم سمجھ لو کہ کیا بیان کررہے ہو کیا جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے اوقات مقرر کئے تھے، عروہ نے کہا کہ بشیر بن ابی مسعودؓ اپنے والد سے اسی طرح حدیث بیان کرتے تھے، عروہ نے کہا کہ مجھ سے حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز اس حالت میں پڑھتے تھے جب دھوپ ان (حضرت عائشہؓ) کے حجرے میں رہتی تھی، قبل اس کے حجرۂ مبارکہ سے اوپر ہو جائے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: - یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قصہ اوراس کے ضمن میں حدیث امامت جبریل علیہ

السلام کا بیان ہوا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ایک روز نماز میں تاخیر ہو گئی تھی، یہاں اگر چہ نماز کی تعیین نہیں ہے، کہ کون سی تھی مگر بخاری باب بدء الخلق (ص ۴۵۷) میں نماز عصر کی تعیین ہے اور بخاری ص ۷۱ ۵ میں بھی اسی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عروہ ابن زبیرؓ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ان کی امارت کے زمانہ میں حضرت مغیرہ کی تاخیر عصر کا واقعہ سنایا تھا، لہذا فیض الباری ص ۸۸ ج ۲ میں "ولم یکن اذا ذاک امیر المومنین" سبقت قلم ہے، ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز منبر پر بیٹھے تھے اور عصر کی نماز میں تاخیر کر دی تھی تب حضرت عروہ نے اعتراض کیا (بذل ص ۲۲۸ ج ۱) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ امارت کا قصہ ہے، نیز دور بنی امیہ میں چونکہ نمازوں کی تاخیر عام طور سے امراء کرنے لگے تھے، اس لئے بھی حضرت عروہ نے معمولی تاخیر کو بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے لئے ناپسند کیا ہوگا پھر اس پر بھی بحث ہوئی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عروہ کو یہ کیوں فرمایا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، سوچ سمجھ کر کہو تو بذل وغیرہ میں کئی جواب ہیں، بہتر یہ ہے کہ حدیث رسول اکرم ﷺ کو بے سند کے بیان نہ کرنا چاہئے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تنبیہ پر حضرت عروہ نے پھر اس کی سند پیش کی کہ اسی طرح بشیر بن ابی مسعودؓ اپنے والد ماجد سے روایت کیا کرتے تھے، باقی دوسری توجیہات مرجوع معلوم ہوتی ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس حدیث امامت جبریل علیہ السلام سے واقف ہی نہ تھے یا اس وقت بھول گئے تھے، یا امامت جبریل کو حضور علیہ السلام کی شان کے مناسب[1] نہ جانتے تھے، وغیرہ۔

[1] **حضرت ملا علی قاری کا تفرد:** یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے حضرات اکابر میں سے ملا علی قاری حنفیؒ کا یہ خیال بھی درست نہیں کہ امامت جبریل کی کوئی حقیقت واقعیہ نہ تھی بلکہ وہ نسبت مجازی ہے کیونکہ حضرت جبریل اشارہ سے بتلاتے ہوں گے اور حضور اس کے مطابق صحابۂ کرام کو دونوں دن نماز پڑھاتے رہے ہوں گے، گویا امام نماز حضرت جبریل نہ ہوتے تھے، کذا نقل فی الاوجز ص ۳ ج ۱ وغیرہ، معلوم نہیں ملا علی قاریؒ نے اس میں کوئی استبعاد سمجھا یا اور کسی وجہ سے امامت جبریل سے انکار کیا، بہر حال جس وجہ سے بھی ہو، یہ ان کا تفرد معلوم ہوتا ہے، والحق احق ان یقال کیونکہ نسائی میں امامت جبریل کا تفصیلی ذکر دو جگہ ہے پہلے آخر وقت ظہر کے بیان میں ص ۸۷ ج ۱ پر حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے جو دوسری کتب ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے، اس کے بعد بیان آخر وقت عصر میں ۸۹ ج ۱ پر حضرت جابرؓ کی روایت لائے ہیں، جس میں تفصیل زیادہ ہے، اور اس کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی دیا ہے، ملاحظہ ہو فیض الباری ص ۹۹ ج ۲، اس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے پاس مواقیت صلوٰۃ سکھانے کے واسطے تشریف لائے، پھر وہ آگے بڑھے اور رسول اکرم ﷺ ان کے پیچھے کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے صف بستہ ہوئے اور ظہر کی نماز زوال پر پڑھائی، پھر حضرت جبریل سایہ مثل شخص ہو جانے پر تشریف لائے اور پہلے کی طرح کیا کہ حضرت جبریل خود آگے ہوئے اور حضور علیہ السلام آپ کے پیچھے اور آپ کے پیچھے صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز عصر پڑھی، پھر حضرت جبریل علیہ السلام غروب شمس پر تشریف لائے اور آگے بڑھے حضور علیہ السلام ان کے پیچھے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز مغرب ادا کی، پھر شفق غائب ہونے پر حضرت جبریل تشریف لائے اور آگے ہوئے، حضور علیہ السلام ان کے پیچھے اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور عشا کی نماز پڑھی، پھر صبح ہوتے ہی حضرت جبریل تشریف لائے اور اوپر کی طرح نماز پڑھائی، پھر پہلے دن کی طرح دہر وقت کے لئے) تشریف لا کر دوسرے دن کی سب نمازیں اور تیسرے دن کی صبح پڑھائی، پھر فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان نمازوں کا وقت ہے، تعجب ہے کہ اتنی تفصیل وصراحت کے بعد بھی ملا علی قاریؒ نے ایسا خیال کیا، اگر صرف قولی تعلیم مقصود تھی تو وہ کام تو پانچ منٹ کا تھا، اس کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو تین روز تک دس بار ملاء اعلےٰ سے اترنے کی کیا ضرورت تھی، بعض لوگوں کو یہ بات کھٹکتی ہے کہ میں کسی بڑے پر نقد کیوں کرتا ہوں یا ان کی کسی مسامحت و غلطی کو کیوں نمایاں کرتا ہوں حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں بھی دوسروں کی طرح اپنوں کی یا دوسروں کے بڑوں کی مسامحتوں پر متنبہ نہ کروں اور معاملہ کو گول کرتا جاؤں تو انوار الباری کا فائدہ ناقص رہے گا، پھر لوگ یہ بھی تو دیکھیں کہ میں سب ہی اکابر کا کتنا احترام کرتا ہوں اور ان کے علوم وتحقیقات کی کھلے دل سے داد دیتا ہوں اور ان کو نقل کرتا ہوں پھر اگر ان سے کوئی مسامحت بھی ہوگئی ہے کہ وہ معصوم یقیناً نہ تھے، تو اس کی نشاندہی میں حرج کیا ہے؟ خصوصاً جبکہ اس کے لئے دلائل بھی پیش کرتا ہوں اب یہاں حضرت ملا علی قاریؒ ہی کو لیجئے، کیا خدانخواستہ میں ان سے کسی ادنیٰ درجہ میں بھی منحرف ہوں؟ پھر جب ان کی جلالت قدر اور گرانقدر تحقیقات اور علمی خدمات کا سو بار اعتراف کرتا ہوں تو کیا کسی ایک دو مسامحتوں پر مجھے متنبہ کر دینے کا حق نہیں ہے؟!

میں نے تو اپنے استاذ محقق علامہ کشمیریؒ اور ان کے بھی بیشتر اکابر کی یہی شان دیکھی ہے کہ غلطی پر ضرور متنبہ کرتے تھے خواہ وہ کسی بھی بڑے سے ہوئی ہو اور اس سے مستثنیٰ صرف انبیاء علیہم السلام تھے یا ان کے صحابہ کرامؓ، ان کے بعد نحن رجال وہم رجال والتحقیق العلمی سینا سجال غلطیوں اور مسامحتوں سے نہ وہ منزہ تھے نہ ہم ہیں۔ واللہ یوفقنا کما یحب و یرضاہ۔

حضرتؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ اوقات نماز کی تعیین جس طرح حنفیہ نے کی ہے وہ احادیث وآثار صحابہ کی روشنی میں زیادہ اصوب واضح ہے اور جن گہرائیوں تک وہ گئے ہیں دوسرے اہل مذاہب کی نظریں وہاں تک نہیں جاسکیں اور حدیث امامت جبریل ہمارے لئے سب سے زیادہ مفید ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے دونوں دنوں میں اوقات مستحب کے اندر نماز پڑھائی ہے، اس لئے کہ مثلاً عصر کا کچھ وقت مکروہ بھی تو ہے اور مغرب میں اشتباب نجوم تک تاخیر کر دینا بھی عند الشرع مکروہ ہے، خواہ اس کو مکروہ تحریمی قرار دو یا تنزیہی، اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے مکروہ عند الحنفیہ والے اوقات میں نماز نہیں پڑھائی، یہ بھی فرمایا کہ امامت جبریل علیہ السلام والی حدیث ساری احادیث اوقات کی اصل واساس ہے، جو پوری تفصیل کے ساتھ ابوداؤد میں ہے اور بخاری ومسلم نے ان کی تخریج نہیں کی، موطأ امام مالک میں بھی اسی طرح ذکر کی ہے جس طرح امام بخاری نے پوری تفصیل کے ساتھ نہیں ہے، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم نے ٹھیک حدیث جبریل پر عمل کیا ہے، علامہ نووی وغیرہ تاویل کیا کریں اور پھر تاویل بھی ایسی کہ صریح حدیث جبریل کے خلاف ہے۔

لامع الدراری کا تسامح

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ لامع الدراری ص ۲۰۷ ج ۱ میں جو حضرت گنگوہیؒ کی طرف نسبت ہوگئی ہے وہ سبقت قلم ہے جس پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی حاشیہ میں تنبیہ فرمادی ہے کہ تفصیل اوقات موطأ مالک میں نہیں ہے، بلکہ اس کی کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے اس دوسرے جملہ کو ہم نہ سمجھ سکے کیونکہ تفصیل اوقات کی دوسری روایت موطأ امام مالک میں موجود ہے اور جس طرح امام بخاری نے حدیث امامت جبریل کی طرف **نزل فصلی وصلی رسول الله** ﷺ الخ سے اشارہ کیا ہے اسی طرح موطأ میں بھی **نزل فصلی فصلی رسول الله** ﷺ الخ سے اشارہ موجود ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام بخاریؒ نے تو کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہی اوقات نماز کی بحث کردی ہے اور ابوداؤد، ترمذی میں بھی اسی طرح ہے، نسائی ابتداء کتاب الصلوٰۃ میں امامت جبریل والی حدیث لائے ہیں، ابن ماجہ نے اولاً حضور علیہ السلام کی مدینہ طیبہ کی امامت نبویہ کا ذکر کیا، پھر امامت جبریل مکیہ کو لائے ہیں، امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں پہلے نماز کی ساری کیفیت وارکان کا ذکر کرنے کے بعد اوقات کی احادیث ذکر کی ہیں اور موطأ امام مالکؒ میں سب سے الگ راہ اختیار ہوئی کہ اوقات نماز کی احادیث کو کتاب الطہارۃ وغیرہ سے بھی مقدم کردیا، یعنی کتاب اسی سے شروع ہوئی ہے، کیونکہ نماز تو ایمان لاتے ہی یا بلوغ کے بعد ہی فوراً فرض ہوگئی جو اسلام کا سب سے اہم واقدم عملی فریضہ ہے، اب اس کے لئے طہارت بدن وثوب وموضع صلوٰۃ اور وضو وغسل وغیرہ کا درجہ بعد کا ہوگیا، کہ ان کے اوپر نماز کی صحت موقوف ہے۔

حدیث امامت جبریل مکیہ

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ ہوا بخاری ومسلم کے علاوہ تقریباً سب ہی کتابوں میں اس کی روایت نمایاں طور سے اہتمام کے ساتھ کی گئی ہے، مثلاً ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، حاکم، ابن حبان ابن خزیمہ، اسحٰق میں، اور دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے بیت اللہ کے پاس نماز پڑھائی وہ امام تھے اور حضور علیہ السلام مع دوسرے مسلمانان مکہ کے مقتدی اور آخر میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ نمازوں کا وقت ان دونوں دنوں کی نماز کے اوقات کے درمیان ہے، یہ بھی واضح ہو کہ جس شب میں حضور علیہ السلام کو معراج کا شرف عظیم وجلیل حاصل ہوا علماء محققین نے لکھا ہے کہ جانے کے وقت جو نماز حضور اکرم ﷺ نے بیت المقدس میں پڑھی تھی وہ نفل تھی اور واپسی میں جو نماز آپ نے وہاں تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ امام ہو کر پڑھی وہ صبح کی نماز تھی اور اسی روز حضرت جبریل علیہ السلام نے ملاء اعلیٰ سے اتر کر سب سے پہلی نماز کعبہ معظمہ کے پاس ظہر کی پڑھائی اور اس سے ابتداء اس لئے کی کہ حضور اکرم ﷺ صبح کی نماز جماعت انبیاء کے ساتھ بیت المقدس

میں ادا فرما چکے تھے، پھر آپ نے تیسرے دن کی صبح کو نماز فجر پڑھا کر دس نمازیں پوری کی ہیں، کیونکہ بحکم خداوندی دس نمازوں کے اول وآخر وقت کی تعلیم مقصود تھی، اس پر یہ شبہ کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل کی نماز تو نفل ہوگی، ان کے پیچھے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کی فرض نماز کیسے ادا ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس وقت مکلف و مامور باداء الصلوٰۃ تھے، اس لئے ان کی نماز بھی فرض ہی تھی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں پر ہماری طرح نماز بحیثیت مجموئی فرض نہیں ہے، بلکہ وہ دوسری طرح مامور و مشغول وعبادت ہوتے ہیں، مثلاً کچھ قیام کی حالت میں تو ہمیشہ اسی حالت یک رکنی عبادت میں وقت گذارتے ہیں، کچھ سجود میں ہیں، کچھ ذکر میں ہیں، کچھ دوسرے اعمال کے مامور ہیں، یہ نماز کی مکمل صورت مبارکہ طیبہ اور جماعت کے ساتھ یہ امت محمدیہ کے جن وانس کے ساتھ خاص ہے اور یہ نعمت عظیمہ حضور اکرم علیہ السلام کی معراج کمال کی یادگار ہے، اور اس کی ابتداء بیت اقدس کی جماعت انبیاء علیہم السلام سے ہوئی ہے کیونکہ اس سے پہلی امتوں پر جماعت کی نماز مشروع نہ تھی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث امامة نبویہ مدنیہ

ایک شخص مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور نماز کے اوقات کا سوال کیا، آپ نے حکم فرمایا کہ نمازوں میں شرکت کرو، پھر حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ سب نمازوں کے لئے اول وقت اذان دو، (اور اول وقتوں میں نماز پڑھائی) دوسرے دن حکم دیا کہ سب نمازوں کے لئے آخر وقت میں اذان دو (اور نمازیں پڑھائیں) پھر فرمایا کہ پوچھنے والا کہاں ہے، نمازوں کا وقت ان دونوں کے درمیان ہے، اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنی کتاب الآثار میں ذکر کیا اور صحیح مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں بھی ہے۔

اوقات معینہ کی عقلی حکمت

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ لامع الدراری اور الابواب میں اس بارے میں نہایت عمدہ بحث فرمائی ہے اور امام رازی، شارح منہاج اور حضرت تھانوی کی المصالح العقلیہ کی تحقیقات کا حوالہ دے کر اپنی طرف سے جو تحقیق درج فرمائی ہے وہ بہت قابل قدر ہے، ہم یہاں طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کر سکتے، خلاصہ یہ ہے کہ جب مقصد پیدائش جن وانس ہی عبادت وذکر الٰہی ہے تو چاہئے تو یہی تھا کہ سارے اوقات پر فرشتوں کی طرح ہمارے بھی مصروف عبادت ہوں، مگر چونکہ ہمارے ساتھ علائق دنیوی بھی لگے ہوئے ہیں اور زندگی گزارنے کے لئے فکر معاش اور اس کے دیگر لوازم بھی ضروری ہو گئے، اس لئے حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وانعام سے ہماری تھوڑی سی عبادت کو پورے اوقات کی عبادت کے برابر قرار دے دیا، پھر یہ سوال کہ تقسیم اوقات صلوٰۃ میں توازن وتناسب کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ صبح سے ظہر تک کا طویل وقت خالی ہے، پھر ظہر سے عشاء تک مسلسل نمازیں ہیں، پھر رات کا طویل وقت خالی ہے، اور صرف صبح کو نماز رکھی گئی ہے، اس کا جواب حضرت دام ظلہم نے یہ دیا تھا کہ دن کا آدھا حصہ حوائج ضروریہ کے لئے خالی کر دیا گیا اور آدھا نمازوں میں مصروف کر دیا گیا ہے، اسی طرح رات کا نصف حصہ راحت وحوائج کے لئے اور عشا تک نماز کا حصہ تھا، پھر صبح کو نماز آ گئی، اس لئے بظاہر عدم توازن وتناسب بلا مصلحت وخلاف عقل نہیں ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایک توجیہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ دن رات کو تین حصوں میں تقسیم کر دیں ایک ثلث تقریباً ۸ آٹھ گھنٹے معاشی ضروریات کے لئے ہوئے، دوسری ثلث عشا تک نمازوں کے لئے، پھر باقی ثلث راحت واکرام کے لئے، پہلا ثلث ضرورت کے لئے کہ قضاء حوائج کے امر خداوندی ہے، دوسرا عبادت کے لئے تیسرا حق تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام راحت وآرام کے لئے "والثلث کثیر" یعنی تہائی کو شریعت نے اکثر احکام میں کل کے برابر قرار دیا ہے، اس لئے گویا پورا وقت عبادت کا بھی ہوا اور پورا ہی معاشی ضرورتوں کا ہوا اور پورا ہی راحت، آرام وسکون کا بھی اسی لئے ان میں کمی بیشی نظر انداز ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یا خدا قربان احسانت شوم ایں چہ احسان است قربانت شوم
وان تعدو انعمة الله لا تحصوها والحمد الله رب العالمین

اوقات نماز میں اختلاف

مذاہب اربعہ فقہیہ کا فجر کے اول وآخر وقت میں اتفاق ہے کہ صبح صادق سے شروع ہوکر طلوع تک ہے، ظہر کے اول وقت میں سب متفق ہیں کہ زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، آخر میں اختلاف ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑا اختلاف اس میں اور اول عصر میں ہی ہے، باقی اوقات میں معمولی ہے، آخر ظہر میں اختلاف کی نوعیت ہمارے حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس طرح لکھی ہے:- امام مالک اور ایک طائفہ کے نزدیک ایک مثل ہونے پر عصر کا وقت تو شروع ہوجاتا ہے مگر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں بقدر چار رکعت کے ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس میں ظہر وعصر دونوں ادا ہوسکتی ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھی جبکہ پہلے دن اسی وقت پر عصر کی پڑھی تھی جمہور کی رائے یہ ہے کہ نہ کوئی وقت مشترک ہے نہ دونوں کے وقت میں فاصلہ ہے اور بعض شافعیہ وداؤد ظاہری کے نزدیک ادنیٰ فاصلہ ہوتا ہے جس کو روایت مسلم سے رد کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ظہر کا وقت عصر کے وقت کے آنے تک ہے، پھر جمہور اور امام ابو یوسف وامام محمد کی رائے ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل سایہ ہوجانے پر ختم ہوجاتا ہے اور عصر کا شروع ہوجاتا ہے اور امام اعظمؒ سے بھی ایک روایت میں ایسا ہی ہے اور ان سے ظاہر روایت یہ ہے کہ سایہ دو مثل ہونے تک نہ ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے نہ عصر کا داخل ہوتا ہے۔ (اوجز ص ۱ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ امام صاحب سے یہ روایت مشہور تو ہوگئی مگر اس کو مصطلح ظاہر روایت قرار دینا درست نہیں، کیونکہ یہ روایت نہ جامع صغیر میں ہے نہ کبیر میں، نہ زیادات میں ہے نہ مبسوط میں اور سیر کبیر میں بھی نہیں ہے، اور امام محمدؒ نے آخر وقت ظہر سے کہیں تعرض ہی نہیں کیا، بلکہ بدائع میں تو اس امر کی صراحت بھی ہے کہ آخر ظہر کا ذکر ''ظاہر روایت'' میں نہیں ہے، پھر معلوم نہیں کہ ظاہر روایت کی بات کس طرح چلادی گئی؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ امام صاحب سے رائے جمہور وصاحبین کی طرف رجوع بھی ثابت ہے، جیسا کہ سید احمد وصلانی شافعی نے خزانۃ المفتیین وفتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے، یہ دونوں معتبر کتابیں ہیں، لیکن خزانۃ الروایات میرے نزدیک معتمد نہیں ہے، باقی ہماری اکثر کتب حنفیہ میں بھی حسن بن زیاد عن الامام ابی حنیفہ نقل ہے، جس کو مبسوط سرخسی میں امام محمد سے منسوب کیا گیا ہے اور اسی قول مرجوع الیہ پر صاحب درمختار نے فتویٰ دیا ہے، علامہ شامی نے اس کو خلاف ظاہر روایت بتلا کر رد کیا اور غیر مفتیٰ بہ قرار دیا، مگر میرے نزدیک مختار صاحب درمختار ہی زیادہ راجح ہے۔

ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ دو مثل سے کچھ کم پر ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے اور پورے دو مثل پر عصر کا شروع ہوتا ہے، کمافی عمدۃ القاری، چوتھی روایت یہ ہے کہ ظہر ایک مثل تک ہے، دوسری مثل مہمل اور تیسری پر وقت عصر ہوگا، یہ روایت اسد بن عمرو عن ابی حنیفہ ہے۔

خلاصہ بحث: حضرتؒ نے فرمایا میرے نزدیک ساری تفصیل مذکور کا ماحصل یہ ہے کہ مثل اول ظہر کے ساتھ خاص ہے، تیسری عصر کے لئے خاص ہے اور دوسری میں دونوں ادا ہوسکتی ہیں، البتہ عمل میں فاصلہ ہونا چاہئے کہ اگر ظہر جلدی مثلاً بعد زوال فوراً پڑھے تو عصر بھی جلد یعنی مثل اول پر پڑھے، اور اگر ظہر کو مؤخر کرے، مثلاً مثل پر پڑھے تو عصر کو مثل دوم پر پڑھے، جس طرح حدیث امامت جبریل اور حدیث امامت نبویہ مدنیہ سے بھی ثابت ہے، کیونکہ حدیث امامت جبریل میں اشتراک مثل دوم کی صراحت ہے کہ اگلے دن حضرت جبریل نے اسی وقت نماز ظہر پڑھی، جس وقت پہلے دن نماز عصر پڑھی تھی، اور ترمذی میں بھی تصریح ہے کہ حضرت جبریل نے اگلے دن ظہر کی نماز گذشتہ دن کے عصر کے وقت پڑھی ہے جبکہ سایہ ایک مثل ہوگیا تھا۔

(دوسری حدیث میں جس میں بعد کو مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کے دو روز تک نمازوں کے اوقات بتلانے کا ذکر ہے اسکو اکثر کتب حدیث میں مختصراً ذکر کیا گیا ہے، البتہ ابوداؤد میں وہ بھی مفصل ذکر ہوئی ہے اور اس میں اور بھی زیادہ صراحت ہے کہ حضور علیہ السلام نے دوسرے

دن ظہر کو پہلے دن کی عصر کے وقت میں قائم کیا (بذل المجہود ص ۲۳۱ ج ۱) اس موقع پر شارح علام صاحب بذل المجہودؒ نے لکھا یہ حدیث ظہر وعصر کے اشتراک وقت پر دلالت کرتی ہے کہ آخر وقت ظہر واول وقت ظہر مشترک ہے، مگر ہم کہیں گے کہ ممکن ہے حضور علیہ السلام نے دوسرے دن ظہر کو جس وقت پورا کیا، اس سے متصل پہلے دن عصر کو شروع کیا ہوگا اور چونکہ دونوں وقت متصل تھے، اس لئے یہ کہہ دیا گیا کہ دوسرے دن ظہر کو پہلے دن عصر کے وقت پڑھا گیا ہے لہٰذا اشتراک لازم نہ آیا، لیکن بعینہ یہی تاویل تو شافعیہ نے کی ہے، انہوں نے کہا کہ دوسرے دن حضرت جبریل ایک مثل ہونے پر نماز سے فارغ ہو گئے تھے اور پہلے دن ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز شروع کی تھی۔ کما ادلہ النوویؒ، مؤلف)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احادیث مذکورہ کیوجہ سے اشتراک ماننا پڑے گا اور اسی لئے امام مالک بھی اشتراک کے قائل ہوئے ہیں، البتہ یہ احادیث امام شافعیؒ کے مخالف ہیں کیونکہ وہ مثل اول پر ظہر کو بالکل ختم کر دیتے ہیں اسی لئے علامہ نووی نے ان میں تاویل کی ہے لیکن نسائی کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مثل اول ہو جانے پر اترے ہیں، تو ظاہر ہے کہ نماز ظہر مثل اول کے بعد پڑھی ہوگی جو شافعیہ کے نزدیک عصر کا وقت ہے لہٰذا نووی کی تاویل نہیں چل سکتی۔

پھر فرمایا کے دوسرے دن نماز عصر دو مثل کے بعد پڑھی ہے، جو ختم مثل ثالث سے قبل کسی وقت بھی ہو سکتی ہے کیونکہ کسور کو حذف کر دیا کرتے ہیں، لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ ظہر ایک دفعہ تو مثل کے اندر پڑھی جو اس کا وقت مخصوص ہے اور دوسری مرتبہ دوسرے مثل میں جو اس کے لئے وقت صالح ہے، اور اسی طرح عصر کی نماز ایک بار مثل اول کے بعد پڑھی ہے جو اسکے لئے وقت صالح ہے، دوسری مرتبہ مثل ثانی کے بعد اور ختم مثل ثالث سے قبل، جو اس کا وقت مخصوص ہے، اس کے ساتھ دونوں دنوں کی طرح فاصلہ کی رعایت بھی رکھنی چاہئے اور یہی ہمارا مذہب ہے، البتہ یہ فاصلہ کی قید سفر و مرض کی مجبوری سے رفع ہو سکتی ہے، لہٰذا مسافر مثل ثانی کے اندر جمع کر سکتا ہے اور مستحاضہ ظہر و عصر کو ایک غسل سے جمع کر سکتی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ سرخسی نے اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ ظہر کا وقت صاحبین کے نزدیک فقط مثل تک نہیں ہے بلکہ کچھ بعد تک رہتا ہے، لہٰذا مشہور بات درست نہیں کہ ان کے نزدیک ایک مثل پر وقت ظہر ختم ہو گیا اور وقت عصر داخل ہو گیا، اس سے غالباً حضرتؒ کا اشارہ اس طرف ہے کہ صاحبین بھی مثل ثانی کے اندر فی الجملہ اشتراک کے قائل ہیں، اور اس طرح حدیث جبریل کا صحیح ترین مصداق مذہب حنفیہ ہے، کیونکہ اس میں اول دن ہر وقت میں تعجیل اور دوسرے دن ہر وقت میں تاخیر ہے اور فاصلہ کی بھی رعایت ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اشتراک کے قول کو زیادہ تعجب کی نظر سے نہ دیکھنا چاہئے کیونکہ اس کی طرف سلف کی ایک جماعت گئی ہے جیسا کہ طحاوی میں ہے کہ یہی مذہب امام مالک کا ہے اور ایک روایت امام شافعی سے بھی ہے جس کا ثبوت ان کے بعض مسائل سے بھی ہوتا ہے مثلاً یہ کہ اگر عورت آخر وقت عصر میں حیض سے پاک ہو تو اس پر نماز ظہر کی بھی قضا ہے اور آخر وقت عشاء میں ہو تو مغرب کی بھی قضا ہے، اگر اشتراک نہ مانتے تو ایسا حکم کیوں کرتے اور حافظ نے حضرت ابن عباس وعبدالرحمٰنؓ سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اشتراک کا وجود تمام[1] مذاہب میں ہے اور حدیث مسلم میں جو وقت ظہر کو وقت عصر آنے تک بیان کیا ہے وہ بھی اشتراک کے خلاف نہیں ہے کیونکہ مراد

---

[1] اشتراک کی بحث علامہ ابن رشدؒ نے بڑی تفصیل سے لکھی ہے، جس کا حوالہ حاشیہ لامع ص ۲۱۵ ج ۱ میں ہے، وہ بھی اساتذہ وطلبہ حدیث کے لئے قابل مطالعہ ہے اس میں درج ہے کہ اوقات ضرورت میں امام شافعی ومالک وامام احمدؒ کا اتفاق ہے کہ ظہر وعصر میں اشتراک ہے اور مغرب وعشاء میں بھی (معارف السنن للبنوری ص ۱۴ ج ۱ بحوالہ بدایۃ المجتہد ص ۷۷ و ۷۸ ج ۱) اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق سے حنفیہ کے یہاں بھی اشتراک کا ثبوت موجود ہے لیکن اس کو جس طرح حضرتؒ نے نمایاں کر کے اور دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے کسی نے نہیں کیا، حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے یہ بھی تھی کہ بیاض کا وقت مشترک ہے، بین المغرب والعشاء، یعنی اس سے قبل مخصوص وقت مغرب ہے اور بعد میں مخصوص وقت عشا ہے، الا یہ کہ مرض یا سفر ہو تاہم فاصلہ رکھنا ضروری ہے، (احقر نے درس بخاری میں حضرتؒ میں یہی کلمات نوٹ کئے تھے مورخہ ۳۱ مئی ۳۲ء م ۲۴ محرم ۵۱ھ) حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف البنوری دام فضلہم نے بھی اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات قیمہ معارف السنن جلد دوم کے ابتداء میں باحسن اسلوب جمع کر دیئے ہیں، جزاہم اللہ خیر الجزاء (مؤلف)

وقت ظہر مجموع ہے جس میں وقت مخصوص اور غیر مخصوص دونوں شامل ہیں، اور اگر اشتراک کی بات کسی بھی آیت یا حدیث کے خلاف ہوتی تو صحابہ اور ائمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہ ہوسکتا تھا۔

آخر وقت ظہر اور اول وقت عصر میں چونکہ بڑا اختلاف تھا، اس میں تفصیل کی گئی، اس کے علاوہ دوسرے مسائل وقتیہ میں بقول حضرت شاہ صاحبؒ معمولی اختلاف استحباب وغیرہ کا ہے، مثلاً ابراد ظہر یا اسفار فجر وغیرہ تو ان پر امام بخاریؒ نے آگے مستقل عنوانات قائم کئے ہیں، لہٰذا ان پر وہیں بحث ہوگی۔ ان شاء اللہ

باب قول الله عزو جل منيبين اليه واتقوه واقيمو الصلوٰة ولا تكونوا من المشركين

(اللہ تعالیٰ کا قول کے خدا کی طرف رجوع کرو اور اس سے ڈرتے رہو، نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ)

۴۹۵. حدثنا قتيبة بن سعيد قال نا عباد وهو ابن عباد عن ابى جمرة عن ابن عباس قال قدم وفد عبدالقيس علىٰ رسول الله فقالو انا من هذا الحى من ربيعة والسنا نصل اليک الا فى الشهر الحرام فمرنا بشىء ناخذه عنک وندعو اليه من ورآء نا فقال امركم باربع وانها كم عن اربع الايمان بالله ثم فسرها لهم شهادة ان لا اله الا الله وانى رسول الله واقام الصلوٰة ايتاء الزكوٰة وان تودو الى خمس ما غنمتم وانهاكم عن الدبآ والحنتم والمقير والنقير.

ترجمہ ۴۹۵: حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہیں اور ہم آپ سے صرف حرام کے مہینے میں مل سکتے ہیں، اس لئے آپ ہمیں ایسی بات بتائیے جس پر ہم عمل کریں اور اپنے پیچھے رہنے والوں کو اس کی طرف بلائیں، تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اسکی تفسیر بیان کی کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا دینا، اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ دینا اور میں تمہیں دباء، حنتم، مقیر اور نقیر کے استعمال سے روکتا ہوں۔

تشریح: محقق عینی نے لکھا کہ حدیث کی مناسبت ترجمہ سے ظاہر ہے کیونکہ ترجمۃ الباب کی آیت مبارکہ میں نفی شرک کو اقامۃ الصلوٰۃ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور حدیث الباب میں بھی توحید کو اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ذکر کیا ہے (نفی شرک اور توحید ہم معنی ہیں) (عمدہ ص ۵۱۰ ج ۲)

حافظؒ نے بھی یہی مناسبت درج کی ہے، لیکن حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ آیت میں ترک صلوٰۃ کو اشتراک کے درجہ میں کیا ہے اور حدیث میں نماز کو جزو ایمان کہا گیا ہے، یہ مناسبت ہوئی، جس پر حاشیہ لامع میں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ توجیہ حافظ عینی کی توجیہ سے بہتر ہے (لامع ص ۲۰۸ ج ۱) لیکن اس پر یہ ایراد ہوسکتا ہے کہ حدیث میں مامور چار چیزیں الگ الگ بیان کی گئیں، جن میں نمبر اول پر ایمان کو رکھا اور اس کی تشریح بھی شہادت توحید و رسالت سے فرمادی، نمبر دو پر اقامت صلوٰۃ کو رکھا پھر نمبر تین ۳ پر اداء زکوٰۃ کو اور چوتھے پر اداء خمس کو، پھر اس کے بعد چار ممنوعہ اشیاء بیان فرمائیں تو اس طور سے تو اقامت صلوٰۃ وغیرہ کی جزئیت کی نفی نکل رہی ہے، نہ کہ اثبات، اور شاید اسی لئے علامہ عینی وحافظ نے اس توجیہ کو ذکر نہیں فرمایا، بلکہ یہاں سے یہ بات بھی صاف حاصل ہورہی ہے کہ ایمان کا تعلق فعل قلب و لسان سے ہے اور نماز وغیرہ کا تعلق افعال جوارح سے اور اگرچہ آیت میں اقتران شرک و ترک صلوٰۃ سے غایت درجہ کی اہمیت وعظمت وفضیلت نماز کی نکلتی ہے، مگر حدیث نے یہ بتلا دیا کہ فرض اولین ایمان کی تفسیر صرف شہادت قلب و لسان ہی ہے، باقی اشیاء سبعہ

ماموره ومنہیہ کا درجہ دوسرے نمبر پر ہے اور وہ ایمان کا جز نہیں ہیں، اسی لئے تارک صلوٰۃ کی تکفیر محققین سلف وخلف نے نہیں کی ہے اور دوسری مشہور حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر کی مراد بھی یہی متعین کی ہے کہ ایسے شخص نے کافر جیسی صورت اپنائی، یہ نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہو گیا یا ایمان قلبی کے باوجود وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا آیت الباب میں صنائع بدیع میں سے صنعت طرد وعکس ہے اور شاہ عبدالقادرؒ کا ارشاد نقل فرمایا کہ ترک عبادت اگر خواہش نفسانی کے تحت ہو تو وہ بھی ایک نوع شرک ہے، اسی لئے آیت میں ولا تکونوا من المشرکین فرمایا گیا ہے، علامہ عینیؒ نے دباء غیر کی لغوی تحقیق بھی فرمائی:-(۱) دباء سوکھا کدو کہ اس میں نبیذ بناتے ہیں، (۲) حنتم، سبز رنگ کی ٹھلیا اس میں نبیذ وشراب بناتے تھے، (۳) مقیر، روغن قار مل کر نبیذ وشراب بنانے کا برتن تیار کرتے تھے، (۴) نقیر کھجور کی جڑ کھود کر اس میں نبیذ بناتے تھے، چونکہ وفد عبدالقیس اور ان کی قوم کے لوگ شراب کے بہت عادی تھے اور یہ سب ظروف ان کے یہاں استعمال ہوتے تھے، اس لئے شراب اور اس کے برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمایا اور ان لوگوں سے مال غنیمت میں خیانت کا بھی خطرہ تھا، اس لئے اس کی ممانعت بھی خاص طور سے ان کو فرمادی (عمدہ ص ۵۱۰ ج ۲)

اس حدیث کی مزید تشریح و بحث انوارالباری ص ۹ ج ۳، لغایۃ ص ۱۴ ج ۳ میں گذر چکی ہے، وہاں امام بخاری کی روایت میں صیام رمضان کا بھی ذکر ہے، اس لئے وہاں چار اور پانچ کا اشکال وجواب بھی گذر رہا ہے اور ہم نے اوپر واضح کیا کہ یہاں حدیث الباب میں چار ہی کا ذکر ہے، جس سے اعمال کے جز وایمان ہونے کی نفی بہ صراحت اور بلا کسی اشکال کے ثابت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب البیعة علیٰ اقام الصلوٰة

(نماز کے قائم رکھنے پر بیعت کا بیان)

۴۹۶. حدثنا محمد بن المثنیٰ قال ثنا یحییٰ قال حدثنا اسمٰعیل قال ثنا قیس عن جریر بن عبدالله قال بایعت النبی ﷺ علیٰ اقام الصلوٰة و ایتاء الزکوٰة والنصح لکل مسلم.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی۔

تشریح: یہ بیعت بطور معاہدہ ہوئی تھی تا کہ اسلام میں ان امور مذکورہ کی عظمت وتاکید واضح ہو اور ان کا غیر معمولی طریقہ پر التزام و اہتمام کیا جائے اسی لئے جہاں اسلام پر بیعت لی جاتی تھی، امور جزئیہ نماز وغیرہ پر بھی ہوئی ہے۔

باب الصلوة کفارة

(نماز گناہوں کا کفارہ ہے)

۴۹۷. حدثنا مسدد قال حدثنا یحی عن الاعمش قال حدثنی شقیق قال سمعت حذیفة قال کنا جلوسا عند عمرؓ وقال ایکم یحفظ قول رسول الله ﷺ فی الفتنة قلت انا کما قاله قال انک علیه او علیها بجری قلت فتنة الرجل فی اهله و ماله وولده وجاره تکفرها الصلوة والصوم والصدقة والامر والنهی قال لیس هذا ارید و لکن الفتنة التی تموج کما یموج البحر قال لیس علیک منها باس یا امیر المومنین ان بینک وبینها لباباً مغلقاً قال ایکسر ام یفتح؟ قال یکسر قال اذا لا یغلق ابدا قلنا اکان عمر یعلم الباب قال نعم کما ان دون الغد اللیلة انی حدثته بحدیث لیس بالاغالیط فهبنا ان

نسال حذیفة فامرنا مسروقاً فساله فقال الباب عمر

۴۹۸. حدثنا قتیبة قال حدثنا یزید بن زریع عن سلیمان التیمی عن ابی عثمان النهدی عن ابن مسعود ان رجلا اصاب من امراة قبلة فاتی النبی ﷺ فاخبره فانزل الله عزوجل اقم الصلوة طرفی النهار وزلفاً من الیل ان الحسنت یذهبن السیات فقال الرجل یا رسول الله الیٰ هذا قال لجمیع امتی کلهم

ترجمہ ۴۹۷: حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ فرمانے لگے کہ فتنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث تم میں سے کسی کو یاد ہے؟ میں نے کہا مجھے بالکل اسی طرح یاد ہے جیسا آپ نے فرمایا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم سے اس جرأت کی امید بے شک ہو سکتی ہے، میں نے کہا کہ آدمی کا وہ فتنہ جو اس کی بی بی اور اس کے مال اور اولاد میں ہوتا ہے، اس کو نماز اور روزہ صدقہ اور امر (معروف) و نہی (منکر) مٹا دیتا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا میں یہ نہیں پوچھنا چاہتا، بلکہ وہ فتنہ جو دریا کی طرح جوش زن ہوگا، حذیفہ نے کہا کے اے امیر المومنین اس فتنہ سے آپ کو کچھ خوف نہیں کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان میں بند دروازہ ہے، حضرت عمرؓ نے کہا اچھا وہ دروازہ توڑ ڈالا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حذیفہؓ نے کہا، توڑ ڈالا جائے گا، حضرت عمرؓ نے کہا، تو پھر کبھی بند نہ ہوگا، ہم لوگوں نے (حذیفہ سے کہا) کیا عمرؓ دروازہ کو جانتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں (اسی طرح جانتے تھے) جیسے (تم) کل سے پہلے رات ہونے کو جانتے ہو، میں نے ان سے وہ حدیث بیان کی، جو غلط نہ تھی (دروازہ کے متعلق) ہم لوگوں کو تو حضرت حذیفہ سے دریافت کرنے میں ان کا رعب مانع ہوا لیکن مسروق نے کہا تو انہوں نے حذیفہ سے پوچھا (کہ دروازہ کون تھا) حذیفہ نے کہا کہ دروازہ حضرت عمرؓ تھے۔

ترجمہ ۴۹۸: حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی (اجنبی) عورت کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے بیان کیا تو اللہ بزرگ و برتر نے نازل فرمایا نماز کو دن کے دونوں سروں میں اور کچھ رات گئے قائم کر (بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں) وہ شخص بولا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ میرے ہی لئے ہے، آپ نے فرمایا، میری تمام امت کے لئے ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فتنہ آزمائش و امتحان کو کہتے ہیں کہ اس سے نکھار ہوتا ہے اور حق و باطل والے ممتاز ہو جاتے ہیں، پہلی امتوں پر کبائر معاصی اور شرک و کفر کی وجہ سے عذاب الٰہی آ جاتے تھے لیکن اس امت کو حضور علیہ السلام کی برکت سے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا اور موقع دیا گیا کہ وہ کبائر معاصی و شرک وغیرہ سے باز آ ئیں تو اس امت میں فتنے، کثرت سے ہوں گے، جن سے اہل حق و باطل کو الگ الگ کیا جائے گا اور شریعت حقہ کی روشنی میں حق کی طرف لوٹنے کی مہلتیں ملتی رہیں گی، یہاں تک کہ خود حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں بہت سے منافق تھے جو ظاہر میں مسلمان تھے اور نماز بھی سب کے ساتھ پڑھتے تھے، مگر اندر سے کافر تھے اور ان سے ابتداء اسلام کے دور میں بڑے بڑے نقصانات بھی پہنچے، مگر نہ ان پر عذاب آیا کہ یک دم ختم کر دیئے جاتے نہ کوئی دوسری عام مصیبت بیماری وغیرہ اور حضور علیہ السلام ان کو جانتے بھی تھے، بلکہ صحابہ مثلاً حضرت حذیفہؓ کو آپ نے بتلا بھی دیا تھا اور وہ صاحب السر کہے جاتے تھے، جو اس حدیث الباب کے راوی بھی ہیں، اور بڑے بڑے صحابہ خدا کے خوف اور غایت ورع کی وجہ سے ان سے دریافت بھی کر لیا کرتے تھے کہ خدانخواستہ میں تو منافق نہیں ہوں۔

یہاں حضرت عمرؓ نے ان ہی صاحب السر النبویؐ سے فتنہ کا کچھ حال دریافت کیا ہے، اور پہلے آپ نے ایک عام فتنہ کا حال بیان کیا جو تقریباً ہر گھر میں ہر مسلمان مرد و عورت کو آپسی نزاعات اور دوسری خواہشات نفسانی کے تحت ایک دوسرے کی حق تلفی ایذا، یا اداء حقوق میں کوتاہی وغیرہ کی شکل میں پیش آیا کرتا ہے، جس کی طرف آیت قرآنی انما اموالکم و اولادکم فتنة، سے بھی اشارہ کیا گیا ہے، کہ تمہاری آزمائش اموال و اولاد کے ذریعہ ہوگی۔

کفارہ کی حقیقت: حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ اہل و اولاد کے فتنوں میں جو کوتاہیاں شرعی نقطہ نظر سے سرزد ہو جاتی ہیں ان کی معافی تو حق تعالیٰ نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کے ذریعہ فرماتے رہتے ہیں تا کہ مومن کے چھوٹے گناہ طاعات یومیہ کی برکت سے ہی ختم

ہوتے رہیں اور وہ گناہوں کے بوجھ سے زیادہ زیر بار نہ ہو جائے، اسی لئے علماء اسلام نے احادیث و آثار کی روشنی میں یہ تفصیل بھی کی ہے کہ بہت چھوٹے گناہ تو وضو میں ہی دھل جاتے ہیں، ان سے بڑے مسجد کی طرف جانے کی برکت سے ختم ہو جاتے ہیں، پھر ان سے بھی بڑے نماز سے اگر وہ رعایت احکام اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھی جائے اور ان سے بھی بڑے ہوں تو روزہ سے اور ان سے بھی بڑے ہوں تو حج و جہاد سے حتیٰ کے بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہے کے حج مبرور کے ذریعہ حقوق العباد بھی ختم کر دیئے جاتے ہیں، بشرطیکہ ان کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا ہو اور توبہ بھی کرے، مثلاً حدیث ابن ماجہ و بیہقی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ کی شام میں دعا فرمائی اپنی امت کی مغفرت کے لئے، وہاں اس وقت وہ دعا مظالم و حقوق العباد کے علاوہ سب معاصی کے بارے میں قبول ہو گئی، آپ نے عرض کیا کہ بارالہا! آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت کے ذریعہ خوش کر کے اور اس کے حقوق سے دستبردار کرا کر ظالم کی مغفرت فرما سکتے ہیں، ایسی رحمت کی نظر ہو جائے! مگر دعا کا یہ جز و اس وقت قبول نہ ہوا، آپ نے مزدلفہ کی صبح کو پھر یہی دعا فرمائی اور وہاں حق تعالیٰ نے اس کو کامل و مکمل طور سے قبولیت سے نواز دیا، جس پر رحمت عالم ﷺ کو ہنسی آ گئی، حضرت ابو بکر و عمرؓ نے سوال کیا کہ حضرت! اس وقت جناب والا کی ہنسی کی کوئی خاص وجہ ہے؟ فرمایا کہ ابھی جبکہ میری دعا کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا تو ابلیس کو بڑی مایوسی ہوئی وہ بے تاب ہو کر اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا اور بری طرح واویلا کرنے لگا، اس کے جزع فزع کی عجیب حالت دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی (مشکوۃ ص ۲۳۹)

علامہ محدث شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات شرح مشکوۃ میں اس حدیث پر لکھا کہ "امت سے مراد نعمت حج سے سرفراز ہونے والے ہیں جو وادی عرفات و مزدلفہ کی حاضری سے مشرف ہوتے ہیں اور اس حدیث کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حج سے حقوق العباد کا بھی کفارہ ہو جاتا ہے، تاہم بعض علماء نے یہ قید لگائی ہے کہ ان سے مراد وہ حقوق ہیں جن کو ادا کرنے سے عاجز ہو اور توبہ بھی کرے"۔

عاجز مؤلف عرض کرتا ہے کہ اکثر اکابر امت کی رائے یہی ہے کہ کبائر و حقوق العباد کی مغفرت توبہ اور اداء حقوق پر موقوف ہے اور حتمی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بغیر توبہ و ادائیگی حقوق کے عذاب سے نجات ہو سکتی ہے، برخلاف مرجئہ فرقہ کے کہ ان کے نزدیک کبائر و حقوق کا کفارہ یا ازالہ بھی عبادت سے ہو جاتا ہے۔

حافظؒ نے لکھا کہ مرجئہ نے اس باب کی دونوں حدیثوں کے ظاہر سے یہ استدلال کیا ہے کہ افعال خیر کبائر و صغائر سب معاصی کے لئے کفارہ ہو جاتے ہیں، لیکن جمہور اہل سنت کی رائے ہے کہ ان سے صرف صغائر محو ہوتے ہیں، کیونکہ یہاں اگرچہ احادیث میں اطلاق و عموم ہے مگر دوسری احادیث سے قید معلوم ہوتی ہے، مثلاً حدیث مسلم میں ہے کہ پانچ نمازیں ان کے درمیانی گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں اگر کبائر سے اجتناب کیا جائے وغیرہ مفصل تحقیق کے لئے دیکھیں فتح الباری ص ۸ ج ۲ و عمدہ وغیرہ۔

مرجئہ کے مقابلہ میں جمہور اہل سنت کی رائے اور اصول یقیناً راجح ہے لیکن ان احادیث صحیحہ کو بھی ضرور سامنے رکھنا ہے جن میں صراحت کے ساتھ بعض عبادات و طاعات کی فضیلت خاصہ بیان ہوئی ہے، مثلاً حج مبرور کے لئے مذکورہ بالا حدیث ابن ماجہ و بیہقی، یا جہاد کی احادیث فضیلت خاصہ، یا حدیث معراج بروایت مسلم شریف کی یہ صراحت کہ ان مبارک ساعات میں حضور علیہ السلام کو پانچ نمازیں، خواتیم سورہ بقرہ اور ہر امتی کے لئے مقحمات کی مغفرت عطا ہوئی بشرطیکہ وہ شرک کی ہر ہر چیز سے مجتنب رہے، مقحمات کی تفسیر تباہ و ہلاک کر دینے والے معاصی و ذنوب سے کی گئی ہے جو کبائر ہیں اور دوسری حدیث معراج میں فیم یختصم الملاء الاعلیٰ کے تحت بھی کفارات کا ذکر آیا ہے، یعنی وہ اعمال جن کی وجہ سے گناہ بغیر توبہ کے معاف ہو جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس موقع پر شاہ صاحبؒ نے صوم کے کفارہ ہونے کے سلسلہ میں نہایت اہم تحقیق ارشاد فرمائی جس کو ہم کتاب الصوم میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

باب فضل الصلوٰة لوقتها

(نمازاس کے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان)

۴۹۹. حدثنا ابو الولید هشام بن عبدالملک قال حدثنا شعبة قال الولید ابن العیزار اخبرنی قال سمعت ابا عمرون الشیبانی یقول حدثنا صاحب هذه الدار واشار الیٰ دار عبدالله قال سالت النبی ﷺ ای العمل احب الی الله قال الصلوٰة علیٰ وقتها قال ثم ای قال ثم بر الو الدین قال ثم ای قال الجهاد فی سبیل الله قال حد ثنی بهن ولوا ستزدته لزادنی

ترجمہ ۴۹۹: حضرت ابوعمرو شیبانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے اس گھر کے مالک نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا اپنے وقت پر نماز پڑھنا، ابن مسعودؓ نے کہا کہ اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد والدین کی اطاعت کرنا ابن مسعود نے کہا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے اسی قدر بیان فرمایا اور اگر میں آپ سے زیادہ پوچھتا تو (امید تھی کہ) آپ زیادہ بیان فرماتے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- ''اس ترجمۃ الباب سے امام بخاریؒ کا مقصد نماز جلد پڑھنا یا اول وقت میں پڑھنا نہیں ہے کیونکہ نماز وقت پر پڑھنے میں توسع ہے، لہٰذا مقصد یہ ہے کہ وقت کے اندر پڑھ لی جائے، قضا نہ کردی جائے اسی کو حافظؒ نے بھی واضح کیا ہے'' حافظ نے لکھا:- امام بخاریؒ نے یہاں ترجمہ لوقتہا سے قائم کیا اور حدیث لائے علی وقتہا والی لیکن کتاب التوحید ص ۱۱۲۴ میں حدیث لوقتہا والی ذکر کریں گے (بخاری کتاب الجہاد ص ۳۹۰ اور کتاب الادب ۸۸۶ میں علی میقاتہا اور علی وقتہا مروی ہے)

حافظؒ نے یہ بھی لکھا کہ بعض روایات میں جو فی اول وقتہا آیا ہے وہ ضعیف و ساقط ہے اور بہت سے راویوں نے دونوں کا معنی ایک سمجھ کر بھی اس طرح روایت کی ہے اور بعض نے لدلوک الشمس کی طرح لوقتہا میں لام کو ابتداء کے لئے سمجھ لیا ہے مگر یہ سب کمزور باتیں ہیں (فتح الباری ص ۷ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے درس ترمذی شریف میں باب ماجاء فی الوقت الاول میں الفضل من حدیث الصلوٰۃ لا ول وقتھا پر فرمایا کہ امام احمد، بیہقی، نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہم نے اس حدیث کی تمام سندوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور ایسی ہی ''اول الوقت رضوان اللہ'' والی سب احادیث ضعیف ہیں، تفصیل زیلعی و تلخیص میں ہے اور فرمایا کہ شافعیہ کے نزدیک اول وقت میں نماز مستحب ہے، البتہ نماز عشا کی تاخیر اکثر متبعین امام شافعی کے یہاں مستحب ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی جن اوقات میں نماز کی عادت مبارکہ تھی وہی اوقات مستحب ہیں، مثلاً تعجیل مغرب تاخیر عشا وغیرہ۔

احادیث بخاری و مسلم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں اپنے اوقات کے اندر پڑھی جائیں اور اوقات نبویہ کی احادیث سے استحباب ثابت ہوتا ہے البتہ ایک حدیث صحیح مستدرک حاکم سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے آخر وقت تک کبھی کسی نماز کو آخر وقت میں نہیں پڑھا تو آخر وقت میں حنفیہ بھی نمازوں کو مستحب نہیں کہتے، بلکہ نماز ظہر عصر و فجر میں جو حنفیہ فی الجملہ تاخیر کے قائل ہیں وہ بھی احادیث صحیحہ منصوصہ کے سبب ہے، اور عصر کی زیادہ تاخیر کو مکروہ تنزیہی و تحریمی تک کہتے ہیں۔ (معارف السنن ص ۸۴ ج ۲)

فائدہ علمیہ: حضرتؒ نے فرمایا کہ حافظ نے یہاں لفظ ''الصلوٰۃ اول وقتھا'' کو باوجود اس کے راوی کے ثقہ ہونے کے ساقط کردیا ہے کیونکہ وہ اکثر الفاظ مرویہ کے مخالف ہے حالانکہ مشہور یوں ہے کہ زیادتی ثقہ معتبر ہوتی ہے، میں کہتا ہوں کہ زیادتی ثقہ کو ایک

جماعت نے تو بالاطلاق معتبر کہا ہے، دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ بحث وتنقیح کے بعد قبول کی جائے گی، اگر اس کا کسی مقام میں صحیح ہونا محقق ہوجائے تو قبول کرلیں گے ورنہ نہیں لہٰذا حکم کلی نہیں ہے کہیں مقبول ہوگی اور کہیں نہیں، میرے نزدیک یہی دوسری رائے حق ہے اور اسی کو امام احمد، ابن معین وامام بخاری وغیرہ حاذقین علماء اصول الحدیث نے اختیار کیا ہے، کماذکرہ الزیلعی فی بحث آمین

لیکن حضرت الاستاذ مولانا شیخ الہندؒ بالاطلاق قبول کرتے تھے، میری ایک بار گفتگو ہوئی تو مولانا خفا ہوگئے، اس کے بعد میں نے نہیں پوچھا، کیونکہ میرے نزدیک یہ قبول بالاطلاق غلط کے قریب ہے اور قاعدہ کلیہ کوئی بھی نہیں ہے، یہاں حافظؒ نے بھی زیادتی ثقہ کو ساقط کردیا ہے۔

باب الصلوة الخمس کفارة للخطایا اذا صلا هن لوقتهن فی الجماعة وغیرها

(جب کہ پانچوں نمازوں کو ان کے وقت میں جماعت سے یا تنہا پڑھے، تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہیں)

۵۰۰. حدثنی ابراهیم بن حمزة قال حدثنا ابن ابی حازم والدراوردی عن یزید بن عبدالله عن محمد بن ابراهیم عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی هریرة انه سمع رسول الله ﷺ یقول ارایتم لو ان نهراً بباب احدکم یغتسل فیه کل یوم خمسا ما تقول ذالک یبقی من درنه قالوا لا یبقی من درنه شیئاً قال فذالک مثل الصلوات الخمس یمحوالله بها الخطایا.

ترجمہ ۵۰۰: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی کے دروازہ پر کوئی نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ (نہانا) اس کے میل کو باقی رکھے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ اس کے جسم پر بالکل بھی میل نہ رہے گا، آپ نے فرمایا کے پانچوں نمازوں کی بھی یہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹاتا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر امام بخاری وغیرہا کا لفظ نہ لاتے تو اچھا تھا، کیونکہ اس سے نماز جماعت میں توسع نکلتی ہے یعنی تاکید جماعت کا حکم کمزور پڑتا ہے، یا ممکن ہے کہ جماعت کے مسئلہ میں ان کا مسلک امام شافعیؒ والا ہو، عاجز مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہاں حدیث الباب میں بھی جماعت کی قید نہیں ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ عفو صغائر کی فضیلت تو مطلق نماز ہی کے لئے ہے اور جماعت کی نماز کے ذریعہ ان سے بڑے گناہوں کی معافی ہوتی رہے گی اور تاکید جماعت کے لئے بھی دوسری احادیث ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

افادۂ انور: حضرتؒ کے خصوصی ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلہ میں وضو، نماز، روزہ وغیرہ کے کفارہ ذنوب ہونے کا ثبوت احادیث کثیرہ صحیحہ سے ہوچکا ہے، سلف کا طریقہ تفویض کا تھا کہ حق تعالیٰ کی مشیت پر ہے، جن اعمال کو چاہے جن سیئات کے لئے کفارہ بنادے، پھر متاخرین نے تمام ہی احادیث ماثورہ کو مغفرت صغائر کے ساتھ مقید کردیا اور کبائر کو مستثنیٰ قرار دیا، میری رائے یہ ہے کہ جہاں قید وارد ہوئی ہے، وہاں مقید کریں گے، باقی کو اطلاق پر رکھیں گے، اور الفاظ حدیث کو بھی سامنے رکھیں گے، کیونکہ ذنوب، خطایا معاصی وغیرہ الفاظ مترادف نہیں ہیں، ان کے معانی میں بھی فروق ہیں۔ (العرف الشذی ص ۱۰۵ ومعارف السنن ص ۲۵۹ ج ۲)

راقم الحروف نے جیسا کہ پہلے اشارہ کیا، حضرتؒ کے ارشادات خصوصی کی روشنی میں بھی حج وجہاد وغیرہ اعمال کے کفارہ ذنوب و معاصی وحقوق العباد ہونے پر پھر سے غور وفکر کی گنجائش ہے، اور سب کے لئے ایک ہی فیصلہ کافی نہیں ہے کیونکہ جہاں اطلاق ہے وہاں اطلاق ہی رہنا چاہئے اور جہاں مثلاً حقوق ومظالم تک کے لئے کفارہ ہوجانے کا ذکر احادیث صحیحہ میں آچکا ہے وہاں کے لئے تحقیق اور فیصلہ کا رخ دوسری طرح ہونا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مالم یغش الکبائر: پانچ نمازوں کے درمیان اور جمعوں کے مابین جو گناہوں کے کفارہ ہونے کی حدیث ترمذی وغیرہ میں ہے،

اوراس میں یہ قید بھی ہے کہ اگر تمام شرعی رعایتوں کے ساتھ ان نمازوں کوادا کرتا رہے گا تو جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے، اس کے سارے گناہ ختم ہوتے رہیں گے اور ایسا ہمیشہ ہی ہوتا رہے گا، اس میں اگر یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ہر نماز کے وقت مومن کی شان یہ ہے کہ سارے ہی کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے نادم وتائب ہو اور مغفرت طلب کرے تو ان لوازم کے ساتھ نماز کی ادائیگی سے بین الصلاتین کے سارے ہی معاصی محو ہوتے رہنے کی بات درست ہو جاتی ہے۔

باب فی تصییع الصلوة عن وقتها

(نماز کے بے وقت پڑھنے کا بیان)

۵۰۱. حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل قال حدثنا مهدی عن غیلان عن انسؓ قال حدثنا مهدی عن غیلان عن انسؓ قال مآاعرف شیئا مما کان علےٰ عهد النبیﷺ قیل الصلوٰة قال الیس صنعتم ما صنعتم فیها.

۵۰۲. حدثنا عمر بن زرارة قال اخبرنا عبدالواحد بن واصل ابو عبیدة الحداد عن عثمان بن ابی رواد اخی عبدالعزیز قال سمعت الزهری یقول دخلت علیٰ انس بن مالک بدمشق وهویبکی فقلت ما یبکیک فقال لا اعرف شیئاً مما ادرکت الا هذه الصلوٰة وهذه الصلوة قد ضیعت وقال بکر بن خلف حدثنا محمد بن بکر البرسانی قال اخبرنا عثمان بن ابی روا د نحوه.

ترجمہ۵۰۱: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ جو باتیں نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھیں ان میں سے اب کوئی بات نہیں پاتا، کسی نے کہا کہ نماز تو (ویسے ہی) باقی ہے، حضرت انسؓ نے کہا کہ (یہ تمہارا خیال ہے) کیا نماز میں جو کچھ تم نے کیا ہے وہ تم کو معلوم نہیں (کہ اس کے اوقات میں تم کس قدر بے پروائی کرتے ہو)

ترجمہ۵۰۲: حضرت زہری روایت کرتے ہیں کہ میں دمشق میں انس بن مالک کے پاس گیا وہ رو رہے تھے میں نے کہا (خیر ہے) آپ کیوں رو رہے ہیں فرمایا کہ جو باتیں میں نے رسول خدا کے زمانہ میں دیکھی ہیں، اب ان میں سے کوئی بات نہیں پاتا، صرف ایک نماز ہے (لیکن اگر دیکھا جائے) تو وہ ضائع ہو چکی ہے اور بکر بن خلف نے کہا کہ مجھ سے محمد بن بکر برسانی نے بیان کیا کہ مجھ سے عثمان بن ابی داؤد نے اسی طرح بیان کیا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت انسؓ نے دمشق جا کر حجاج کی تاخیر نماز والی بات کی شکایت ولید بن عبدالملک سے بھی کی تھی جو اس وقت خلیفہ تھے، مگر اس نے بھی کوئی تدارک نہ کیا تاہم حضرت انسؓ نے صبر کیا، کیونکہ صحابۂ کرام کی شان یہی تھی کہ آپس میں رحیم وشفیق تھے اور کفار کے مقابلہ میں شدید وجری تھے، ارشاد باری ہے "اذلة علے المؤمنین اعزة علی الکافرین" اسی لئے قیصر وکسری کی قوتوں کو پامال کیا اور جب مسلمانوں ہی کی طرف سے اذیتیں اٹھانی پڑیں تو صبر کیا۔

باب المصلی یناجی ربه

(نماز پڑھنے والا اپنے پرودگار سے سرگوشی کرتا ہے)

۵۰۳. حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا هشام عن قتادة عن انس قال قال النبی ﷺ ان احدكم اذا صلى يناجي ربه فلا يتفلن عن يمينه ولكن تحت قدمه اليسرىٰ.

۵۰۴. حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا يزيد بن ابراهيم قال حدثنا قتادة عن انس عن النبی ﷺ انه قال اعتدلو في السجود ولا يبسط احدكم ذراعيه كالكلب واذا بزق فلا يبزقن بين يديه ولا عن يمينه فانه يناجي ربه وقال سعيد عن قتادة لا يتفل قدامه او بين يديه ولكن عن يساره او تحت قدمه وقال شعبة لا يبزق بين يديه ولا عن يمينه ولكن عن يساره اوتحت قدمه وقال حميد عن انس عن النبی ﷺ لا يبزق في القلبة ولا عن يمينه ولكن عن يساره او تحت قدمه.

ترجمہ ۵۰۳: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے اس وقت وہ اپنے پرودگار سے مناجات کرتا ہے، اسے چاہئے کہ اپنے داہنی جانب نہ تھوکے، بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے۔

ترجمہ ۵۰۴: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سجدوں میں اعتدال کرو اور تم سے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ کتے کی طرح نہ بچھادے اور جب تھوکے تو نہ اپنے آگے تھوکے اور نہ اپنے دائیں جانب، اس لئے کہ وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے اور سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ اپنے آگے یا اپنے سامنے نہ تھوکے، بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے، اور شعبہ نے کہا ہے کہ نہ اپنے سامنے تھوکے اور نہ اپنی داہنی جانب لیکن اپنی بائیں جانب یا قدم کے نیچے اور حمید نے انس سے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ قبلہ (کی جانب) میں نہ تھوکے اور نہ اپنے داہنی جانب، بلکہ اپنے بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھوکے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- شافعیہ اگر کہیں کہ مناجاۃ کے لئے موزوں یہ ہے کہ فاتحہ پڑھی جائے، استماع اور خاموشی مناسب نہیں تو جواب یہ ہے کہ یہاں تنہا کی نماز کا بیان ہے کیونکہ ان احدكم اذا صلى فرمایا ہے اور اس میں بھی فاتحہ پڑھتے ہیں، دوسرے یہ کہ نماز جماعت بھی شریعت میں واحدہ بالعدد ہے، لہٰذا امام پڑھے گا تو وہ سب ہی کی طرف سے ہے، تیسرے یہ کہ نماز جماعت میں ہر شخص کے لئے مناجاۃ مان لیں تو وہ بھی صرف سری نماز میں درست ہوسکتی ہے، کیونکہ جہری نماز میں تو وہ منازعت بن جائے گی اور حکم انصاف واستماع کے بھی خلاف ہوگی باقی سری نماز میں گنجائش ہے اور اس کا معاملہ اہون ہے کیونکہ مجھے امام صاحب سے کوئی نقل نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ سری میں قرأت ان کے نزدیک ناجائز ہے، ان سے صرف عدم قراءت مروی ہے اور محقق میرے نزدیک یہ ہے کہ جہریہ میں امام صاحب کے نزدیک ناجائز ہے، اور سریہ میں ناپسندیدہ ہے (پوری بحث اپنے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ)

سمت قبلہ کی طرف تھوکنے کے مسائل وتفصیل پہلے گذر چکی ہے اور داہنی طرف کی ممانعت فرشتے کی وجہ سے بھی ہے اور مناجات خداوندی کے لحاظ سے بھی بے محل ہے، اور بائیں طرف یا قدم کے نیچے کی اجازت بھی بوجہ ضرورت ومجبوری ہے، حضرتؒ نے یہ توجیہ بھی فرمائی ہے کہ نمازی کو بحالت نماز سب سے اچھی حالت وہیئت میں ہونا چاہئے، اس لئے اقعاء الکلب، افتراش ثعلب، بروک الجمل اور خفض راس کالحمار وغیرہ کی بھی ممانعت کی گئی ہے، اس طرح تھوکنے، سنکنے، بے ضرورت کھانسنے، کھنکارنے سے بھی روک دیا گیا ہے، غرض نماز میں ہر لحاظ سے سکون، شائستگی، ادب، خشوع وخضوع، حسن لباس وہیئت وغیرہ مطلوب ہیں۔

باب الابراد بالظهر فی شدة الحر

(گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈا وقت کرکے پڑھنے کا بیان)

۵۰۵. حدثنا ایوب بن سلیمان قال حدثنا ابو بکر عن سلیمان قال صالح بن کیسان حدثنا الاعرج عبدالرحمن وغیرہ عن ابی ھریرة و نافع مولیٰ عبدالله بن عمر عن عبدالله بن عمر انھما حدثاہ عن رسول الله ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردو بالصلوٰة فان شدة الحرمین فیح جھنم.

۵۰۶. حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر حدثنا شعبة عن المھاجر ابی الحسن سمع زید بن وھب عن ابی ذر قال اذن موذن النبی ﷺ الظھر فقال ابرد ابرد او قال انتظر انتظر وقال شدة الحرمن فیح جھنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوٰة حتی راینا فی التلول.

۵۰۷. حدثنا علی بن عبدالله المدینی قال حدثنا سفیان قال حفظناہ من الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة فان شدة الحرمین فیح جھنم واشتکت النار الی ربھا فقالت یا رب اکل بعضی بعضا فاذن لھا بنفسین نفس فی الشتاء و نفس فی الصیف وھو اشد ما تجدون من الحر وھو اشد ما تجدون من الزمھر.

۵۰۸. حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا اولی قال حدثنا الاعمش قال حدثنا ابو صالح عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ ابردو بالظھر فان شدة الحرمین فیح جھنم تابعه سفیان ویحییٰ و ابو عوانة عن الاعمش.

ترجمہ۵۰۵: اعرج عبدالرحمٰن وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے اور عبداللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے اور دونوں (ابو ہریرہ اور ابن عمرؓ) نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا جب گرمی زیادہ ہوجائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

ترجمہ۵۰۶: حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ گرمی میں) نبی کریم ﷺ کے مؤذن (بلال) نے ظہر کی اذان دینی چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ہوجانے دو، ٹھنڈ ہوجانے دو یا یہ فرمایا کہ ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ، پھر فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے لہٰذا جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈ میں پڑھا کرو، اس وقت تک ٹھہرو کے ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگے۔

ترجمہ۵۰۷: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب گرمی زیادہ بڑھ جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے (ہوتی) ہے اور آگ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی، عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھا لیا ہے، اللہ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس کی جاڑوں میں اور ایک سانس کی گرمی میں اور وہی سخت گرمی ہے جس کو تم محسوس کرتے ہو، اور سخت سردی ہے جو تم کو معلوم ہوتی ہے۔

ترجمہ۵۰۸: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کے گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے اوقات ظہر بیان کرتے ہوئے، سب سے پہلے ابراد کی حدیث ذکر فرمائی اگلے باب میں سفر کی حالت میں

بھی ابراد کی حدیث لائے، پھر اگلے باب میں وقت ظہر بتلایا اور چوتھے باب میں تاخیر ظہر کا ذکر کیا ہے اس کے بعد کتاب الاذان میں باب الاستہام فی الاذان حدیث ص ۵۸۵ لائیں گے جس میں ضمناً آیا ہے کہ نمازوں کو وقت کے اندر عجلت کے ساتھ ادا کر لینا چاہئے اور اسی حدیث کو باب فضل التہجیر میں نمبر ۶۲۰ پر لائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے بھی حنفیہ کے موافق ابراد کو ترجیح دی ہے، جس طرح امام ترمذی نے باوجود شافعی المسلک ہونے کے ابراد کو اختیار کیا اور حدیث ابراد فی السفر کی وجہ سے مسلک شافعیہ کو مرجوع قرار دیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ عینی نے لکھا کہ باب فضل التہجیر کو ابراد کے خلاف نہ سمجھا جائے کیونکہ علامہ ہروی نے اس سے مراد سب نمازوں میں عجلت کرنے کی فضیلت لی ہے اور اس عام حکم کو حضور علیہ السلام کے ارشاد ابراد و اسفار کی وجہ سے خاص کرنا پڑے گا ورنہ وہ ارشادات متروک العمل ہونگے، اور اگر تہجیر ظہر کی مراد لی جائے تو لفظ ہاجرہ کا اطلاق پورے وقت ظہر تا قریب عصر پر ہوتا ہے۔ (عمدہ ص ۶۴۴ ج ۲)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ موطأ امام مالکؒ ابواب مواقیت میں ایک باب **نهی عن الصلوٰة فی الهاجرة** بھی ہے، جس سے ہاجرہ اور گرمی کے وقت میں ممانعت نماز والی بھی بخاری کی حدیث الباب روایت کی گئی ہے (اوجز ص ۳۰ ج ۱)

ابراد جمعہ: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نماز جمعہ کے لئے بھی ابراد کا حکم ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، علامہ عینیؒ نے تو یہ اختیار کیا کہ ابراد صرف نماز ظہر کے لئے ہے، جمعہ کے واسطے نہیں، لیکن صاحب البحر الرائق نے فرمایا کہ جمعہ کے لئے بھی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ جمعہ کے لئے عدم ابراد کی تھی (العرف الشذی ص ۲۴۰)

المغنی لابن قدامہ ص ۱۴۴ ج ۲ میں ہے کہ استحباب جمعہ کے لئے بعد زوال کے شدت گرمی وغیرہ کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ لوگ جمعہ کے لئے جمع ہوں گے، اگر ابراد کا انتظار کیا جائے تو وہ ان پر شاق ہوگا۔ (معارف السنن ص ۳۵۸ ج ۴)

حافظؒ نے لکھا:- ظہر کے لئے حکم ابراد سے ابراد جمعہ کے لئے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے اور بعض شافعیہ اس کے قائل بھی ہوئے ہیں اور امام بخاری کے طریقہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو انہوں نے باب **اذا اشتد الحر یوم الجمعه** میں اختیار کیا ہے، وہاں حدیث اذا اشتد الحر بکر بالصلوٰۃ کے آگے یعنی الجمعۃ کا اضافہ کیا ہے اس پر علامہ زین بن المنیر نے بھی فرمایا کہ امام بخاری کا رجحان ابراد جمعہ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ (ص ۱۳ و ص ۲۶۴ ج ۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض شافعیہ بھی ابراد جمعہ کے قائل ہوئے ہیں، جبکہ جمہور حنفیہ وغیرہم بھی جمعہ کو ابراد سے مستثنیٰ کر رہے ہیں، پھر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ بعض شافعیہ صرف جمعہ کے لئے ہی ابراد کے قائل ہوئے ہیں، یا ظہر کے بھی، بظاہر تو یہی ہے کہ امام بخاری کی طرح وہ بھی ابراد ظہر و جمعہ دونوں کے قائل ہوں گے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابراد کا مسئلہ احادیث و آثار کی روشنی میں بہت قوی ہے جس طرح اسفار فجر کا مسئلہ بھی اسی لحاظ سے نہایت قوی ہے، اس کو ہم آگے بیان کریں گے۔

یہاں سے یہ بات بھی روشنی میں آجاتی ہے کہ بہت سے مسائل جو مذاہب اربعہ کے اختلاف کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا دیا گیا ہے وہ حقیقت سے بہت دور ہے اور بقول علامہ کوثریؒ کے چاروں مذاہب کی حیثیت اور صحیح ترین پوزیشن ایک ہی کنبہ وقبیلہ کے افراد کی ہے اور تقریباً تین چوتھائی مسائل میں تو بالکلیہ اتفاق ہے، باقی میں زیادہ تر معمولی اختلافات ہیں۔

البتہ اہل ظاہر اور غیر مقلدین کے ساتھ مذہب فقہیہ کا اختلاف نہ صرف فروعی مسائل میں ہے بلکہ اصول وعقائد کے اندر بھی ہے چونکہ عام طور سے اہل علم بھی متنبہ نہیں ہیں اس لئے اس کو ہم بہ تکرار کہتے ہیں۔ واللہ الموفق

شدت حر کے اسباب

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا: - حکم ابراد ظہر کی علت بتلائی گئی ہے کہ ٹھیک دو پہر کے موسم گرما میں جہنم کی حدت وگرمی کا اثر سورج کے اندر نمایاں ہوتا ہے جس سے دھوپ میں بھی شدت وحرارت بڑھ جاتی ہے، پھر اس سے نماز پڑھنے والوں کی تکلیف ومشقت کا لحاظ کیا گیا ہے، یا جہنم کی حرارات کے اثرات سورج میں آ جانے کو حق تعالیٰ کے غضب وغصہ کی علامت سمجھ کر نماز کو موخر کیا گیا ہے تا کہ رأفت ورحمت کا وقت آ جائے، جس کی علامت ابراد ہے اور یہ ایسا ہے کہ جس طرح حدیث شفاعۃ روز قیامت میں وارد ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام شفاعت کرنے سے معذرت کریں گے اپنی لغزشوں کی وجہ سے اور حق تعالیٰ کے غیر معمولی غضب وغصہ کی وجہ سے بھی، مگر چونکہ وہاں نماز ظہر کی طرح مؤخر کرنے کی بات بھی نہ ہو سکے گی کہ تمام لوگ تاخیر حساب سے بھی سخت پریشان ہوں گے، اس لئے حضور اکرم ﷺ کی شان رأفت و رحمت اور آپ کے لئے حق تعالیٰ کے خصوصی فضل وانعام کے تحت اجازت شفاعت کام آئے گی اور آپ کی پہلی شفاعت پر حساب شروع ہو جائے گا، پھر دوسرے مراحل شفاعت بھی آگے آئیں گے۔

ایک وجہ شدت حر کے وقت کراہت صلوٰۃ کی یہ بھی علماء نے بیان کی ہے کہ اس وقت نماز میں خشوع وخضوع کا حصول بھی دشوار ہوتا ہے، یعنی اگر سخت گرمی وتپش کی تکلیف اٹھا کر نماز کی جگہ تک پہنچ بھی جائیں تو ادائیگی نماز کے وقت بھی دل کی یکسوئی اور مناجات کی برتری میسر نہ ہوگی، حافظؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ گرمی کی شدت کو جو جہنم کی لپٹوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے، یہ بات حقیقت پر بھی محمول ہو سکتی ہے، جیسا کہ جہنم کے شکوہ کرنے کی بات بھی حدیث سے ثابت ہے، اور مجاز تشبیہ پر بھی محمول کر سکتے ہیں کہ اس وقت کی سخت گرمی وتپش کو جہنم کی سی گرمی بتلایا گیا ہے، اسی طرح جہنم کی شکایت پر بھی علماء کے مختلف اقوال ہیں، علامہ ابن عبدالبر، قاضی عیاض، علامہ قرطبی، علامہ نووی، محقق طوربشتی اور علامہ زین بن المنیر نے حقیقت پر محمول کیا ہے اور علامہ بیضاویؒ نے مجازی معنی کو ترجیح دی ہے۔ (فتح الباری ص۱۲ ج۱)

افادۂ انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: یہاں ایک عقلی سوال ہے کہ شدۃ حرارت وضعف حرارت کا سبب تو سورج کا قرب وبعد ہے، اسی لئے مثلاً ہمارے ملک میں موسم گرما میں قرب شمسی کی وجہ سے گرمی اور موسم سرما میں بعد شمسی کی وجہ سے سردی ہوتی ہے اور جنوبی افریقہ میں مثلاً اس کا برعکس ہوتا ہے، یونانی فلاسفہ تو کہتے تھے کہ اجرام اثیریہ میں حرارت و برودت کچھ بھی نہیں ہے، مگر جدید سائنس والے کہتے ہیں کہ تمام اجرام عالم سے زیادہ حرارت سورج میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اشیاء عالم کے ظاہری اسباب ہیں اسی طرح ان کے لئے باطنی اسباب بھی ہیں، شریعت ان ہی کو ذکر کرتی ہے اور ظاہری اسباب کی نفی نہیں کرتی، پس شریعت نے باطنی سبب بتلا دیا کہ سورج میں گرمی جہنم سے آتی ہے جو حرارت اور مہالک وشرور کا معدن ہے جو بات ہمیں ظاہر میں نظر نہیں آتی وہ بتلا دی ہے اور یہی جواب رعد و برق ومطہر اور نہر جیجان وسیحان کے بارے میں بھی ہے، پھر علامہ عینی کے نزدیک مدار حرارت پر ہے اور یہی رائے اوفق بالحدیث ہے، صاحب بحر نے مدار موسم گرما پر رکھا ہے اسی طرح تبکسیر جمعہ میں بھی دو قول ہیں۔

یہ بھی حدیث میں ہے کہ دو پہر کے وقت جہنم کو تایا جاتا ہے اور جمعہ کا دن اس سے مستثنیٰ ہے، یعنی ایسا حضرت رب کے غضب کے باعث ہے لہٰذا تاخیر ہونی چاہئے نماز کی تا کہ اس کے رحم کے وقت حاضر ہوں۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ظہر میں ابراد اس وقت ہے کہ کسی مسجد میں لوگ دور سے آ کر نماز پڑھتے ہوں، منفرد اور اس شخص کے لئے نہیں ہے جو قریب کی مسجد میں پڑھے، لیکن ترمذی باوجود شافعی ہونے کے اس تاویل کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ حنفیہ کی رائے زیادہ بہتر اور اتباع سنت پر مبنی ہے، کیونکہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث بتلاتی ہے کہ حضور علیہ السلام صحابہ کرام کے ساتھ سفر میں تھے اور ایک جگہ تھے،

پھر بھی آپ نے حضرت بلالؓ کو ابراد کا حکم فرمایا تھا۔
امام طحاویؒ کی رائے یہ ہے کہ پہلے ظہر میں تعجیل ہی تھی، پھر منسوخ ہوگئی، حدیث حضرت مغیرہؓ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، التلخیص الجبیر میں ہے کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے حدیث مغیرہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے تصحیح کی، حضرت ابن مسعود و حضرت انسؓ سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام موسم سرما میں تعجیل ظہر کرتے تھے اور موسم گرما میں ابراد فرماتے تھے۔

باب الابراد بالظهر في السفر

(سفر میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان)

۵۰۹. حدثنا ادم قال حدثنا شعبة قال حدثنامهاجر ابو الحسن مولی لبنی تیم الله قال سمعت زید بن وهب عن ابی ذرالغفاری قال کنا رسول الله ﷺ فی سفر فاراد الموذن ان یوذن للظهر فقال النبی ﷺ ابرد ثم اراد ان یوذن فقال له ابرد حتی راینا فی التلول فقال النبی ﷺ ان شدة الحرمین فیح جهنم فاذااشتد الحر فا بردو بالصلوٰة وقال ابن عباس یتفیو یتمیل.

ترجمہ ۵۰۹: حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا کے ہمراہ کسی سفر میں تھے، موذن نے چاہا کہ ظہر کی اذان دے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ٹھنڈ ہو جانے دو، اس نے پھر چاہا کہ اذان دے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ٹھنڈ ہو جانے دو یہاں تک کہ ہم کو ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے، لہٰذا جب گرمی کی شدت ہو تو (ظہر کی نماز) ٹھنڈ میں پڑھو اور ابن عباسؓ نے ''یتفیأ'' کی تفسیر ''یتمیل'' بیان کی یعنی ہٹ جائے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری کتاب الاذان میں ''حتی ساوی فی التلول'' بھی لائیں گے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے، علامہ نووی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس سے غیر معمولی تاخیر نکلتی ہے اور انہوں نے اس کو جمع سفر پر محمول کیا ہے حالانکہ حدیث میں کہیں بھی سفر کا ذکر نہیں ہے، اگرچہ میرے نزدیک مساواۃ فی التلول سے حنفیہ کو بھی استدلال نہ کرنا چاہئے کیونکہ بظاہر راوی کا ارادہ حقیقی مساواۃ کا نہ ہوگا اور نہ مثل و مثلین کا مسئلہ ثابت کرنا تھا، بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض علماء کے اشعار سے استدلال کر کے بعد جاہلوں نے حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب کلی مان لیا ہے، حالانکہ ان اشعار میں بطور مبالغہ اوصاف کے بیان میں زیادتی ہوگئی ہے، ان علماء کا قصد تعیین علم نبوی کا نہ تھا، جاہلوں نے عقیدہ اور باب مدح میں فرق نہ کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ احقر نے مولوی احمد رضا خان صاحب کی بعض تصانیف میں دیکھا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب کلی کی نفی کی ہے اور علم ذاتی کی بھی، بلکہ اپنے مخالفوں پر یہ طعن بھی کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ذاتی علم غیب و کلی ہم بھی نہیں مانتے اور ہمارے مخالفین بھی اور ہم دونوں ہی علم جزئی کے قائل ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ علم جزئی ایسا مانتے ہیں جس سے حضور علیہ السلام کی تحقیر ہوتی ہے اور ہم ایسا علم جزئی مانتے ہیں جس سے آپ کی تعظیم ہوتی ہے، اور حق یہ ہے کہ کچھ تعبیراتی مسامحتیں ہوگئیں ہیں" **والحق قدیعتریه سوء تعبیر**" ان سے احتراز کرنا چاہئے تھا وللتفصیل محل آخر ان شاء الله تعالیٰ۔

نکتہ و دقیقہ علمیہ: حضرتؒ نے فرمایا کہ ابردوا بالظہر میں باصلہ کی ہے جو مفعول بہ پر داخل ہوئی ہے، جس سے فعل میں تاکید و مبالغہ مفہوم ہوتا ہے جیسے اخذت باللجام اور وامسحوا برؤسکم میں ہے اور زمخشری نے آیت کریمہ **وهزی الیک بجذع النخلة** کے تحت بھی تفسیر اسی طرح کی ہے، یعنی اچھی طرح کھجور کی شاخوں کو ہلاؤ تا کہ کھجوریں اچھی طرح گریں، اسی طرح ترجمہ یہ ہوگا کہ سروں کا مسح اچھی طرح کرو

اور میں نے گھوڑے کا لگام اچھی طرح مضبوطی سے پکڑا، لہٰذا یہاں بھی ترجمہ یہ ہوگا کہ ظہر کی نماز کے لئے اچھی طرح ٹھنڈا وقت ہو جانے دو۔

باب الظهر عند الزوال وقال جابر كان النبي ﷺ يصلي بالهاجرة

(ظہر کا وقت زوال کے وقت ہے، جابر کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ دوپہر کو نماز پڑھتے تھے)

۵۱۰. حدثنا ابو اليمان قال حدثنا شعيب عن الهري قال اخبرني انس بن مالك ان رسول الله ﷺ خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر فقام على المنبر فذكر الساعة وذكر ان فيها امورا عظاما ثم قال من احب ان يسئل عن شيء فليسئل فلا تسالوني عن شيء الا اخبرتكم مادمت في مقامي هذا فاكثر النسا في البكاء واكثر ان يقول سلوني فقام عبدالله بن حذافة السهمي فقال من ابي قال ابوك حذافة ثم اكثر ان يقول سلوني فبرك عمرؓ على ركبتيه فقال رضينا بالله رباو بالاسلام دينا و بحمد نبيا فسكت ثم قال عرضت على الجنة والنار انفا في عرض هذا الحآئط فلم اركا الخير و الشر.

۵۱۱. حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا شعبة عن ابي المنهال عن ابي برزة قال كان النبي ﷺ يصلي الصبح واحدنا يعرف جليسه و يقرأ فيها مان بين الستين الى المائة ويصلي الظهر اذا زالت الشمس والعصر واحدنا يذهب الى اقصى المدينة رجع والشمس حية ونسيت ما قال في المغرب ولا يبالي بتاخير العشاء الى ثلث الليل ثم قال الى شطر الليل وقال معاذ قال شعبة ثم لقيته مرة فقال او ثلث الليل.

۵۱۲. حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبدالله قال حدثنا خالد بن عبدالرحمن قال حدثني غالب ن القطان عن بكر بن عبدالله المزني عن انس بن مالك قال كنا اذا صلينا خلف رسول الله ﷺ وسلم بالظهآئر سجدنا علىٰ ثيابنا اتقاء الحر.

ترجمہ ۵۱۰: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول خدا ﷺ جب آفتاب ڈھل گیا باہر تشریف لائے اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور آپ نے قیامت کا ذکر شروع کیا، فرمایا کہ اس میں بڑے بڑے حوادث ہوں گے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جو شخص کچھ پوچھنا چاہے وہ پوچھے جب تک کہ اپنے اس مقام میں ہوں، جو شخص مجھ سے کچھ پوچھنا چاہے گا میں اسے بتاؤں گا، لوگوں نے کثرت سے رونا شروع کیا اور آپ نے اس قول کی کثرت فرمائی کہ ''سلونی'' پھر عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہو گئے، انہوں نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہارا باپ حذافہ ہے، آپ پھر بار بار فرمانے لگے کہ ''سلونی'' تب عمرؓ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم اللہ سے راضی ہیں جو (ہمارا) پروردگار ہے اور اسلام سے جو (ہمارا) دین ہے اور محمد ﷺ سے جو (ہمارے) نبی ہیں، اس وقت آپ ساکت ہو گئے اس کے بعد فرمایا کہ جنت اور دوزخ میرے سامنے ابھی اس دیوار کے گوشے میں پیش کی گئی ہے، ایسی عمدہ چیز (جیسی جنت ہے) اور ایسی بری چیز (جیسی دوزخ ہے) کبھی نہیں دیکھنے میں آئی۔

ترجمہ ۵۱۱: حضرت ابوالمنہال حضرت ابو برزہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا، اس میں ساٹھ ۶۰ آیتوں اور سو ۱۰۰ آیتوں کے درمیان میں قراءت کرتے تھے، ظہر کی نماز جب آفتاب ڈھل جاتا تھا، پڑھتے تھے، اور عصر کی ایسے وقت کہ ہم میں سے کوئی لوٹ کر مدینہ کے کنارہ تک چلا جاتا تھا اور آفتاب متغیر نہ ہوا ہوتا تھا (ابوالمنہال کہتے ہیں) اور مغرب کے بارے میں جو کچھ ابو برزہ نے کہا تھا، میں بھول گیا اور عشا کی تاخیر میں تہائی رات تک آپ

کچھ پروانہ کرتے تھے، بعداس کے ابو برزہ نے کہا کہ نصف شب تک اور معاذ کہتے ہیں کہ شعبہ نے بیان کیا کہ اسکے بعد ایک مرتبہ میں نے ابو منہال سے ملاقات کی، تو انہوں نے کہا یا تہائی شب تک۔

ترجمہ ۵۱۲: حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو گرمی کی تکلیف سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

تشریح: سابقہ احادیث جن میں گرمی کی شدت کے موقع پر ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس حدیث میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے، لیکن چونکہ ہماری نظر کے سامنے ان احادیث کا موقع اور محل یا ماحول نہیں اس سے الجھن واقع ہوتی ہے بظاہر ایسا ہے کہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ کا یہی عمل ہوگا کہ زوال ہوتے ہی نماز ادا فرماتے ہوں گے، پھر جب آپ کو صحابہ کی تکلیف اور دشواری کا احساس ہوا ہوگا تو آپ نے حکم دیا کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو اس طرح یہ حدیث مقدم ہوئی اور سابقہ متاخر اور قابل عمل حدیث متاخر ہوتی ہے، یہی مسلک حنفیہ کا ہے، نیز احادیث اول قولی اور ثانی عملی ہیں، قولی حدیث عملی سے تعمیل میں مقدم ہوتی ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ پہلی حدیث الباب میں حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ جب تک میں یہاں ہوں، تمہارے ہر سوال کا جواب دونگا، معلوم ہوا کہ یہ ایک وقتی چیز تھی، لہٰذا اس سے آپ کے علم غیب کلی کے لئے استدلال نہیں ہوسکتا کہ یہ صفت صرف حق تعالیٰ کی ہے، دوسری حدیث الباب میں "واحدنا یعرف جلیسہ" سے ثابت ہوا کہ نماز فجر اسفار میں ختم ہوتی تھی کہ ایک دوسرے کو پہچان لیتا تھا، جو حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرے ائمہ تغلیس کو افضل بتلاتے ہیں یعنی اندھیرے میں پڑھنے کو مفصل دلائل آگے آئیں گے، ان شاء اللہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہی حدیث ان ہی راویوں سے ابوداؤد میں بہ لفظ "وما یعرف احدنا جلیسہ" مروی ہے حالانکہ وہ اس حدیث بخاری اور حدیث مسلم کے بھی خلاف ہے، لہٰذا یہ لفظ صرف ابوداؤد میں ہیں، پھر یا تو کسی راوی کا وہم ہے یا کاتب کی غلطی ہے، بذل المجہود ص ۲۲۴ ج ۱ میں لکھا:- نسخہ دہلویہ و کانپوریہ میں تو اسی طرح ما نافیہ کے ساتھ ہے مگر مصری نسخہ میں بغیر ما کے ہے اور اسی کو صاحب عون المعبود نے لیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہی صواب ہے کہ بخاری و مسلم کے موافق ہے۔

قولہ "واحدنا فیذھبان لی اقصی المدینہ" پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ آخر مدینہ تک جا کر پھر مسجد نبوی کو لوٹ کر آتا نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز عصر پڑھ کر لوٹتا تو آخر مدینہ میں اپنے گھر پہنچ جاتا تھا، اس حالت میں کہ ابھی سورج کی روشنی میں جان باقی رہتی تھی، چنانچہ آگے باب وقت العصر میں بخاری میں ہی سیار کی حدیث (نمبر ۵۱۷) آرہی ہے، اس میں یہی بات صاف طور سے بتلائی گئی ہے، غرض معلوم ہوا کہ یہ صرف ایک طرف کی مسافت کا بیان ہے اور اس سے تعجیل نہیں بلکہ تاخیر ثابت ہوتی ہے جس کو امام طحاویؒ نے بھی کہا ہے دوسروں نے اس سے تعجیل سمجھی ہے تاہم یہ اختلاف صرف افضلیت و استحباب کا ہے، جیسا کہ ظہر میں بھی تعجیل و تاخیر کا ہے یا صبح میں اسفار و تغلیس کا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ تیسری حدیث الباب میں ہے کہ ہم نے گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ اپنے ملبوس کپڑوں کے کناروں پر سجدہ کر سکتے ہیں، شافعیہ کے نزدیک نہیں کر سکتے، لہٰذا وہ یہاں بھی جدا کپڑوں کی تاویل کریں گے، جبکہ ظاہر ان کے خلاف ہے (کیونکہ کپڑوں کا لفظ عام ہے، بلکہ اپنے کپڑوں سے اشارہ ملبوسہ کپڑوں کی طرف ہی نکل سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب تاخیر الظهر الی العصر

(ظہر کی نماز کو عصر کے وقت تک موخر کرنے کا بیان)

۵۱۳. حدثنا ابو النعمان قال حدثنا حماد بن زید عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباس ان النبی ﷺ صلیٰ بالمدینة سبعا و ثمانیا الظهر والعصر المغرب والعشاء فقال ایوب لعله فی لیلة مطیرة قال عسیٰ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ظہر اور عصر کی آٹھ رکعتیں اور مغرب وعشا کی سات رکعتیں (ایک ساتھ) پڑھیں تو ایوب نے (جابر سے) کہا کہ شاید بارش والی رات میں ہوا ہوگا، جابر نے کہا کہ شاید۔

تشریح: امام بخاریؒ کے نزدیک جمع تاخیر جائز ہے، جمع تقدیم جائز نہیں، اسی لئے یہاں تاخیر کا لفظ استعمال کیا ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع حقیقی کسی عذر کے ساتھ جائز ہے، مثلاً سفر، مرض اور بارش کی وجہ سے، امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے یہاں جمع حقیقی جائز نہیں کہ ایک کے وقت میں دوسرے وقت کی نماز پڑھی جائے، کیونکہ نمازوں کے اوقات مقرر کردیئے گئے ہیں اور محافظہ صلوات کا بھی حکم ہے، نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے کبھی کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں نہیں پڑھا بجز عرفہ ومزدلفہ کے حج کے دن میں، لہٰذا تشریع عام یہی ہے اور جن احادیث میں جزئی واقعات اس کے خلاف وارد ہیں ان میں احتمال جمع صوری کا ہے، یعنی ایک نماز اس کے آخر میں اور دوسری کو اس کے اول وقت میں پڑھا گیا، جس سے اوقات مستحبہ کے خلاف تو کسی عذر کی وجہ سے ہوا ہوگا، باقی جواز کے اندر ہی وہ صورتیں بھی پیش آئی ہوں گی، چنانچہ آگے حدیث نمبر ۵۱۹ آرہی ہے جس کے تحت حافظ ابن حجرؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ظہر کی نماز آخر وقت میں پڑھا کرتے ہوں گے اور حضرت انسؓ نے عصر کی اول وقت میں پڑھی ہوگی، اسی لئے حضرت ابوامامہ کو حضرت انسؓ کی نماز میں شک پڑا کہ انہوں نے اس وقت ظہر کی پڑھی ہے یا عصر کی، لہٰذا جمع کی حدیثوں کو جمع وقتی حقیقی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے اور حنفیہ کی رائے اس بارے میں نہایت درست ہے اور اصول وقواعد شرع سے اوفق بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ارشاد حضرت شاہ ولی اللہؒ

آپ نے "شرح تراجم ابواب البخاری" میں لکھا کہ امام بخاری کی غرض اس باب میں یہ بتلانا ہے کہ حضور علیہ السلام کا دو نمازوں کو بلا کسی عذر کے اور بحالت اقامت بستی کے اندر جمع کرنا حقیقی طور سے نہ تھا، بلکہ ایک نماز کو مؤخر کرکے آخر وقت میں اور دوسری کو مقدم کرکے اول وقت میں پڑھا تھا، اس طرح یہ جمع بین الصلاتین صرف صورۃً وفعلاً تھی، پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی لکھا کہ اس حدیث میں صلے بالمدینۃ وہم راوی ہے، کیونکہ یہ واقعہ مدینہ کا نہیں بلکہ تبوک کا ہے، راوی نے کہا تھا کہ یہ بغیر سفر کا قصہ ہے، یعنی حالت سیر کا نہیں اقامت کا ہے، دوسرے راوی نے اس کو حضر کا واقعہ سمجھ لیا، پھر بعض نے اس کی تعبیر مدینہ سے کردی، لیکن اس پر اعتراض ہوا کہ اس طرح تو ثقہ راویوں پر سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا، حضرت شاہ صاحبؒ نے تو اس کا کوئی جواب نہ دیا، مگر شیخ الحدیث نے یہ جواب دیا کہ واقعہ مدینہ کا ہی ہوگا، جمع صوری ہوئی ہوگی، جس کو محققین شافعیہ ومالکیہ نے بھی راجح قرار دیا ہے، جیسے حافظ ابن حجر، قرطبی، امام الحرمین، ابن ماجشون اور ابن سیدالناس وغیرہ نے دوسرے یہ کہ اگر قصہ سفر کا ہوتا تو نماز قصر پڑھی جاتی، یعنی چار ظہر وعصر کی اور پانچ مغرب وعشا کی نہ کہ آٹھ وسات، علامہ عینی نے بھی لکھا کہ سب سے بہتر تاویل جمع صوری والی ہے الخ (لامع ص ۲۱۴ ج ۱)

ارشاد حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ

فرمایا کہ بخاریؒ کے اس ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جمع بین الصلاتین کے مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے، اور ابو داؤد نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، اگر چہ بعض ائمہ پھر بھی اس کے قائل ہیں، نیز فرمایا کہ مدینہ منورہ کی یہ جمع بین الصلاتین نہ سفر کی وجہ سے ہوئی نہ بارش کی وجہ سے، پھر بجز جمع فعلی وصوری کے اور کیا تھی؟ اور مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے تلمیذ حدیث جابر بن زید نے عرض کیا کہ میرا خیال ہے حضور علیہ السلام ظہر میں تاخیر اور عصر میں تعجیل فرمائی ہوگی اور مغرب وعشاء کو موخر فرمایا ہوگا، اس پر حضرت عباسؓ نے جواب یا کہ میرا بھی یہی گمان ہے اور حدیث نسائی میں بھی تصریح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ مدینہ میں آٹھ ایک ساتھ اور سات ایک ساتھ پڑھیں، آپ نے ظہر کو موخر اور عصر کو مقدم فرمایا اور مغرب کو مؤخر عشاء کو معجل کیا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ علامہ نووی نے اس حدیث کی جمع بین الصلاتین کو مرض کے سبب سے قرار دیا ہے، لیکن اگر یہ مان بھی لیں کہ حضور علیہ السلام نے مرض کی وجہ سے ایسا کیا تو کیا سارے مقتدی صحابہ کرام بھی مریض تھے اور حافظ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ جمع نظر حنفیہ کے مطابق ہے۔

راوی نے جو یہ کہا کہ شاید وہ رات بارش والی تھی، غالباً یہ احتمال کسی نیچے کے راوی نے بیان کیا ہے، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ اور ان کے تلمیذ بلا واسطہ نے جمع صوری سمجھی تھی جو حنفیہ کا مذہب ہے اور اس کے لئے کسی عذر کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ بعض رواۃ کا یہ کہنا بھی کہ جمع بلا سفر وخوف ہوا، اسی طرف مشیر ہے کہ کسی قسم کا عذر نہیں تھا، اور بعض راویوں نے تو بارش کی بھی نفی کی ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے لفظ جمع کو ترجمۃ الباب میں اختیار نہیں کیا، اس سے بھی یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ جمع حقیقی کے قائل نہیں ہیں، مثل حنفیہ کے۔

حضرت ابن عباسؓ کے اس فرمانے سے بھی کہ حضور علیہ السلام نے جمع اس واسطے کیا کہ امت پر تنگی ودشواری نہ ہو، مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ترک اوقات مستحبہ کی گنجائش ہے، کوئی ان کو لازم نہ سمجھ لے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب وقت العصر

(وقت عصر کا بیان)

۵۱۴. حدثنا ابراهيم بن المنذر حدثنا انس بن عياض عن هشام عن ابيه انا عآئشة قالت كان النبي ﷺ يصلي العصر والشمس لم تخرج من حجرتها.

۵۱۵. حدثنا قتيبة قال حدثنا الليث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة ان رسول الله ﷺ صلے العصر والشمس في حجرتها لم يظهر الفي بين حجرتها.

۵۱۶. حدثنا ابو نعيم قال حدثنا ابن عيينة عن الزهري عن عروة عن عآئشة قالت كان النبي ﷺ يصلي صلوٰة العصر الشمس طالعة في حجرتي ولم يظهر الفيء بعد قال ابو عبدالله وقال مالك ويحيى بن سعيد و شعيب و ابن ابي حفصة والشمس قبل ان تظهر.

۵۱۷. حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبدالله قال اخبرنا عوف عن سيار بن سلامة قال دخلت انا وابي على ابي برزة الاسلمي فقال له ابي كيف كان رسول الله ﷺ يصلي المكتوبة فقال كان يصلي

الهجير التي تدعونها الاولىٰ حين تدحض الشمس ويصلي العصر ثم يرجع احدنا الى رحله في اقصى المدينة والشمس حية ونسيت ما قال في المغرب وكان يستحب ان يوخر من العشاء التي تدعونها العتمة وكان يكره النوم قبلها والحديث بعدها وكان ينفتل من صلوٰة الغداوة حين يعرف الرجل جليسه و يقرأ بالستين الى المائة.

۵۱۸. حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن اسحاق بن عبدالله بن ابی طلحة عن انس بن مالک قال كنا نصلي العصر ثم يخرج الانسان الى بني عمر و بن عوف فيجدهم يصلون العصر.

۵۱۹. حدثنا ابن مقاتل قال اخبرنا عبدالله قال اخبرنا ابو بكر بن عثمان ابن سهل بن حنيف قال سمعت ابا امامة يقول صلينا مع عمر بن عبدالعزيز الظهر ثم خرجنا حتى دخلنا علے انس بن مالک فوجدناه يصلے العصر فقلت يا عم ما هذه الصلوٰة التي صليت قال العصر وهذه صلوٰة رسول الله ﷺ التي كنا نصل معه.

۵۲۰. حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شهاب عن انس ابن مالک قال كنا نصلي العصر ثم يذهب الذاهب منا الى قباء فياتيهم والشمس مرتفعة.

۵۲۱. حدثنا ابواليمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال حدثني انس بن مالک قال كان رسول الله ﷺ يصلي العصر والشمس مرتفعة حية فيذهب الذاهب الى العوالي فياتيهم والشمس مرتفعة وبعض العوالي من المدينة علے اربعه اميال او نحوه.

ترجمہ۵۱۴: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب ان کے حجرے سے باہر نہ نکلا ہوتا تھا۔

ترجمہ۵۱۵: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ آفتاب ان کے حجرے میں تھا اور سایہ ان کے حجرے سے بلند نہ ہوا تھا۔

ترجمہ۵۱۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کرتے تھے کہ آفتاب میرے حجرے میں ہوتا تھا اور ہنوز سایہ نہ بلند ہوا ہوتا تھا، امام بخاریؒ نے کہا کہ مالک، یحییٰ بن سعید، شعیب اور ابن ابی حفصہ نے یہ الفاظ روایت کیا والشمس قبل ان تظهر (سورج اس وقت تک حجرہ سے باہر نہ ہوتا تھا)

ترجمہ۵۱۷: حضرت سیار بن سلامہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابو برزہ اسلمی کے پاس گئے ان سے میرے والد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے، انہوں نے ہجیر (یعنی ظہر) جس کو تم اولیٰ کہتے ہو، اس وقت پڑھتے تھے، جب آفتاب ڈھل جاتا اور عصر (ایسے وقت) پڑھتے کہ اس کے بعد ہم میں سے کوئی اپنی اقامت گاہ میں جو مدینہ کے حاشیہ پر ہوتی تھی، واپس پہنچ جاتا اور آفتاب میں حیات ہوتی تھی (سیار کہتے ہیں) اور میں بھول گیا کہ مغرب کے بارے میں ابو برزہ نے کیا کہا اور آپ کو یہ پسند تھا کہ عشاء، جس کو تم عتمہ کہتے ہو، دیر کر کے پڑھیں اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات کرنے کو برا جانتے تھے، اور صبح کی نماز (فراغت پا کر) ایسے وقت لوٹتے تھے کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا، اور (صبح کی نماز میں) آپ ساٹھ سے سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔

ترجمہ۵۱۸: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز پڑھ چکے ہوتے تھے اس کے بعد آدمی بنی عمر بن عوف

(کے قبیلے) تک جاتا تو انہیں نماز عصر پڑھتے ہوئے پاتا۔

ترجمہ ۵۱۹: حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم عمر بن عبدالعزیز کے ہمراہ ظہر کی نماز پڑھ کر باہر نکلے اور انس بن مالک کے پاس گئے، تو انہیں نماز عصر پڑھتے ہوئے پایا، میں نے کہا کہ اے میرے چچا، یہ کون سی نماز آپ نے پڑھی، انہوں نے کہا عصر، یہی رسول خدا ﷺ کی نماز کا وقت ہے، جو ہم آپ کے ہمراہ پڑھا کرتے تھے۔

ترجمہ ۵۲۰: حضرت انسؓ بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھ چکتے تھے، اس کے بعد ہم میں سے جانے والا (مقام) قبا تک جاتا اور اس کے پاس ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب بلند ہوتا تھا۔

ترجمہ ۵۲۱: حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند ہوتا تھا، عوالی کے بعض مقامات مدینہ سے چار میل پر یا اس کے قریب تھے۔

تشریح: وقت عصر کے اول میں جو اہم اختلاف تھا وہ پہلے ذکر ہوا، اب وقت مستحب کا بیان ہو رہا ہے، حنفیہؒ کے نزدیک تاخیر مستحب ہے، دوسرے حضرات تعجیل کو مستحب کہتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ ظاہر قرآن مجید سے تاخیر عصر نکلتی ہے کیونکہ **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** وارد ہے اور قبل طلوع وغروب سے طلوع وغروب سے قریب تر ہی زمانہ مراد ہوا کرتا ہے، مثلاً آپ کسی سے وعدہ کریں کہ قبل الغروب آؤں گا تو وہ آپ کا انتظار غروب سے کچھ قبل ہی کرے گا، اسی طرح نماز عصر بھی حنفیہ گھنٹہ سوا گھنٹہ غروب سے قبل افضل بتلاتے ہیں، مگر شافعیہ وغیرہم کے مسلک پر ایک مثل پر وقت ہو جانے کے بعد تعجیل عصر کریں گے، تو کئی گھنٹے قبل نماز افضل ٹھیرے گی، جو قبلیت قریب سے بعید تر ہوگی۔

دوسرے فقہی نقطۂ نظر سے بھی حنفیہ کا مسلک ارجح ہے، کیونکہ شریعت نے بعد عصر سے غروب تک نوافل سے روک دیا ہے، اگر عصر کو چند گھنٹے قبل غروب کے پڑھ لیں گے تو نوافل کے لئے وقت تنگ ہو جائے گا۔

امام طحاویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ عصر کے لغوی معنی نچوڑنے کے ہیں اور عصر کا وقت بھی دن کے نچوڑ کا وقت ہوتا ہے، جو آخری تھوڑا حصہ ہونا چاہئے۔

امام بخاری پہلی حدیث الباب میں لائے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایسے وقت عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے کہ سورج حجرہ مبارکہ سے نہ نکلتا تھا، یعنی اس کی دھوپ یا روشنی ابھی حجرہ مبارکہ کے اندر ہوتی تھی، امام طحاویؒ نے فرمایا کہ حجرہ مبارکہ چھوٹا تھا، اس لئے دھوپ غروب شمس کے قریب تک رہتی تھی، کیونکہ حجرۂ مبارکہ کا دروازہ غربی جانب تھا۔

دوسری احادیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نماز عصر ایسے وقت ہوتی تھی کہ سورج میں حیات ہوتی تھی، جس کے لئے ابوداؤد میں حضرت خیثمہ سے نقل ہوا کہ حیات سے مراد یہ کہ اس میں حرارت باقی ہوتی تھی، یہ بات بھی غروب کے قریب تر ہی ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ اس وقت نماز عصر نہ پڑھتے تھے جب تک ہم سورج کو مدینہ کے سب سے اونچے پہاڑ پر نہ دیکھ لیتے تھے، اور یہی وقت حنفیہ کا ہے۔

آخری حدیث الباب میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر ایک شخص عوالی تک پہنچ جاتا تھا اور ابھی سورج بلند ہوتا تھا، عوالی کے بعض حصے تقریباً چار میل دور تھے، اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ صورت بھی مختار حنفیہ پر منطبق ہو سکتی ہے، لہٰذا مخالف نہیں ہے، موطا امام مالکؒ میں سیر راکب کا ذکر آتا ہے اور بعض روایات میں سیر عنق بھی وارد ہے، یعنی نماز پڑھ کر سوار تیز رفتاری کے ساتھ ۲-۳ فرسخ تک غروب سے قبل پہنچ سکتا تھا، یہ حنفیہ کے خلاف نہیں کیونکہ جب دن بڑا ہوتا ہے تو تقریباً دو گھنٹے قبل عصر حنفیہ ہوتی ہے اور تیز رفتار اونٹنی اتنی مسافت آسانی سے طے کر سکتی ہے۔

ترمذی شریف میں مستقل باب تاخیر صلوٰۃ العصر قائم کر کے صرف یہ حدیث ذکر کی کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا:- رسول اکرم ﷺ تمہاری نسبت سے ظہر کی نماز جلد پڑھتے تھے اور تم عصر کی نماز حضور علیہ السلام کے وقت سے پہلے پڑھتے ہو، اس سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

ساکنین عوالی کی نماز عصر

حدیث نمبر ۵۱۸ میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی نماز عصر پڑھ کر بعض لوگ قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں پہنچ کر دیکھتے تھے کہ وہاں کے حضرات نماز عصر میں ہوتے تھے، علامہ عینیؒ نے لکھا کہ اس سے بھی تاخیر عصر پر دلالت ہے کہ قباوعوالی کے رہنے والے صحابہ کرام اتنی دیر سے پڑھتے تھے کہ آدمی دو تین میل مسجد نبوی سے چل کر بھی وہاں ان کی عصر کے وقت پہنچ جاتا تھا (عمدہ ۵۴۲ ج ۲) چونکہ اطراف مدینہ کے صحابہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں وقت گزارتے تھے، ممکن ہے ان کی رعایت سے بھی آپ کچھ عجلت فرماتے ہوں کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے اطراف مدینہ کے گھروں میں شام سے پہلے پہنچ جائیں جس کی طرف اشارہ حدیث نمبر ۵۲۰ میں اور ۵۲۱ میں بھی آئے گا، اور وہاں کے رہنے والے حضور علیہ السلام کے منشاء مبارک کو جان کر زیادہ تاخیر سے نماز عصر پڑھتے ہوں گے اس کے سوا اور بہتر توجیہ ان کی تاخیر کی کیا ہوسکتی ہے؟! نمبر ۵۱۹ میں حضرت انسؓ کی تعجیل عصر کی وجہ یہ تھی کہ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں آخر وقت مکروہ میں منافقوں کی طرح ان کی نماز عصر نہ ہو جائے، جس سے حدیث میں ڈرایا گیا تھا یہ ان کی خاص اور غیر معمولی احتیاط تھی (اور اسی لئے حضرت ابوامامہ نے حیرت سے تحقیق کی وجہ دریافت کی) ورنہ ابھی اوپر کی حدیث میں ساکنین قباوعوالی کا معمول کتنی تاخیر سے پڑھنے کا معلوم ہو چکا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا:- بدائع میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارکہ کی دیواریں چھوٹی تھیں، اس لئے سورج ان میں تغیر شمس تک رہتا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ تو جب ہے کہ اندر کی روشنی مراد ہو اور اگر دروازہ سے داخل ہونے والی روشنی مراد ہو تو ان کے حجرہ مبارکہ کا دروازہ غرب کی طرف تھا، اس میں قرب غروب تک روشنی زیادہ ہی ہوتی رہتی ہوگی، اور بالکل اسی سے غروب کے قریب ہی ختم ہوتی ہوگی، لہٰذا حدیث حضرت عائشہؓ اور بھی زیادہ تاخیر عصر پر دلیل بن جاتی ہے، نیز حدیث ترمذی، بروایت الخدری بھی مشیر ہے کہ حضور علیہ السلام عصر کی نماز ہمیشہ غروب کے قریب پڑھتے تھے، جیسا کہ وہ آیت **قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** کا بھی مقتضیٰ ہے اور امام محمدؒ نے حضرت ابراہیم نخعی سے کتاب الحج میں نقل کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب کو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز آخر وقت میں پڑھا کرتے تھے اور روایات تاخیر عصر کی بہ نسبت تعجیل کے زیادہ ماثور رہیں۔ (اوجز ص ۵ ج ۱)

تدعونہا الاولیٰ: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اولیٰ ظہر کی نماز کو اس لئے کہتے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے وہی نماز پڑھائی تھی اور اسی لئے امام محمدؒ نے کتاب المواقیت کو نماز ظہر سے شروع کیا، متاخرین کے طریقہ کے خلاف کہ وہ فجر سے شروع کرتے ہیں۔

عوالی: بقول زہری مدینہ منورہ سے ۲-۳ میل پر ہیں (عمدہ ص ۵۴۳ ج ۲) یہ وہ علاقہ کہلاتا تھا جہاں مشرقی جانب صحابہ کرام کے مکانات تھے، اسی کے مقابل غربی جانب کے سوافل تھے۔

وکان یکرہ النوم: نماز عشاء سے قبل سونے کی کراہت اس لئے ہے کہ نماز فوت ہونے کا خطرہ ہے، اگر ایسا نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

والحدیث بعدہا: شریعت چاہتی ہے کہ فاتحہ وخاتمہ خیر پر ہو، اسی لئے صبح کو بھی نماز کے بعد ہر کام کرنا ہے اور رات کو نماز عشاء پر ختم کردینا ہے، کہ نماز پڑھ کر سو جائے۔

درمختار میں ہے کہ عشاء کے بعد کلام مباح مکروہ ہے اس پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ غیر مباح کلام مطلقاً جائز ہے اور کلام خیر، ذکر وعلم وغیرہ ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، علامہ زیلعی نے فرمایا کہ بعد عشا باتوں کی کراہت اس لئے ہے کہ بسا اوقات لغو تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور نماز صبح بھی فوت ہوسکتی ہے یا تہجد کے عادی کی نماز تہجد فوت ہو جائے گی، لہٰذا اگر کوئی مہم ضرورت پیش آئے تو کوئی حرج نہیں، ایسے ہی قراءت، ذکر، حکایات صالحین، فقہ اور مہمان کے ساتھ باتیں کرنا بھی جائز بلا کراہت ہیں، برہان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے

فرمایا بعد نماز عشا کے کوئی بات نہ کرے مگر دو آدمیوں کو اجازت ہے، نمازی یا مسافر اور ایک روایت عرس کے لئے بھی ہے۔ کذا فی الشامی (لامع ص۲۲۲ ج۱)

امام ترمذیؒ نے رخصت سفر بعد العشاء کے لئے باب قائم کیا اور اس میں حضرت عمرؓ کی روایت نقل کی کہ رسول اکرم ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بعد عشاء کسی امر میں امور مسلمین میں سے باتیں کیا کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ سمر ممنوع نہ تھی اور اس کو در حقیقت سمر ہی کہنا صحیح نہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ بہت امور کی نوعیت نیتوں کے بدلنے سے مختلف ہو جاتی ہے، چنانچہ فتح القدیر میں تحصیل لغت عربیہ کی نیت سے اشعار غزل و تشبیب پڑھنے کی اجازت لکھی ہے، بشرطیکہ جس عورت یا مرد کی تشبیب ہو وہ موجود نہ ہو اور علامہ شامی نے نحو، لغت و حساب وغیرہ کی تحصیل کو فرض کفایہ لکھا ہے، الخ (معارف السنن ص۱۸۱ ج۲)

باب اثم من فاتته العصر

(اس شخص کو کتنا گناہ ہے جس کی نماز عصر جاتی رہے)

۵۲۲۔ حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال الذی تفوته صلوٰة العصر فکانما وتر اهله وماله قال ابو عبدالله یترکم وترت الرجل اذا قتلت له قتیلا او اخذت ماله.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جس شخص کی نماز عصر جاتی رہی، ایسا ہے کہ گویا اس کے اہل و مال ضائع ہو گئے، امام بخاری کہتے ہیں یترکم، وترت الرجل سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولتے ہیں، جب تم کسی عزیز کو قتل کر دو یا اس کا مال لوٹ لو۔

تشریح: نماز عصر کے فوت ہو جانے کا مطلب کیا ہے؟ بعض حضرات کی رائے ہے کہ جماعت کا فوت ہونا مراد ہے اور امام اوزاعیؒ کی تفسیر ابوداؤد میں یہ ہے کہ سورج کی دھوپ میں زردی آ جائے، یعنی وقت مختار و مستحب فوت ہو جائے، علامہ عینی اور حافظ نے کہا کہ بلا کسی عذر مجبوری کے وقت جواز نکل جائے، اور امام بخاری کی مراد اس باب میں بغیر قصد و ارادہ کے فوت ہو جانا معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اگلے باب میں ترک کرنے کا لفظ لائے ہیں، جو عمداً ترک کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے، آپ نے فرمایا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ پہلی امتوں نے بھی نماز عصر میں کوتاہی کی تھی (شاید اس لئے کہ کاروبار وغیرہ میں مشغولیت کا وقت ہوتا ہے اور اسی لئے غفلت و سستی کرنے پر وعید آئی ہے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب اثم من ترک العصر

(اس شخص کا گناہ جو نماز عصر کو چھوڑ دے)

۵۲۳۔ حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا هشام قال اخبرنا یحی بن ابی کثیر عن ابی قلابة عن ابی الملیح قال کنا مع بریدة فی غزوة فی یوم ذی غیم فقال بکرو بصلوٰة العصر فان النبی ﷺ قال من ترک صلوٰة العصر فقد حبط عمله.

ترجمہ: حضرت ابوملیح روایت کرتے ہیں کہ ہم کسی غزوہ میں ابر کے دن بریدہ کے ہمراہ تھے، تو انہوں نے کہا کہ عصر کی نماز سویرے پڑھ لو، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عصر کی نماز چھوڑ دے، تو سمجھ لو کہ اس کا (نیک) عمل ضائع ہو گیا۔

تشریح: پہلے باب کی حدیث میں نماز عصر بہ غفلت ولا پروائی فوت ہوجانے پر وعید تھی، یہاں عمداً ترک کرنے کا بیان ہے اور صحابہ کرام کی غایت احتیاط بتلائی ہے کہ ابر و باد کے موقع پر نماز عصر میں جلدی کرتے تھے، مبادا وقت مکروہ آجائے یا غروب ہی ہوجائے اور پتہ نہ چلے، حقیقت یہ ہے کہ غفلت ولا پروائی اور عمداً ترک کرنے میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے، اس حدیث الباب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابر و بارش کے دن صحابہ کے جلدی کرنے کی وجہ ظلمت و اندھیرا ہوجاتا تھی، ورنہ وہ عام دنوں میں تاخیر ہی سے پڑھتے تھے، اور اکثر احادیث میں جو سورج کی حرارت باقی تھی وہ بلند تھا وغیرہ الفاظ آتے ہیں وہ بھی یہی بتلاتے ہیں کہ تاخیر کرتے تھے، مگر ایسی بھی نہیں کہ مکروہ وقت داخل ہوجائے اور یہی حنفیہ بھی کہتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب فضل صلوٰة العصر

(نماز عصر کی فضیلت کا بیان)

۵۲۴. حدثنا الحمیدی قال حدثنا مروان بن معاویة قال حدثنا اسماعیل عن قیس عن جریر بن عبداللہ قال کنا عند النبی ﷺ فنظر الی القمر لیلة فقال انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لا تضآمون فی روٴیة فان استطعتم ان لا تغلبو علی صلوٰة قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا فافعلوا ثم قرأ فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب قال اسماعیل افعلوا لا تفوتنکم.

۵۲۵. حدثنا عبداللہ بن یوسف قال حدثنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرة ان رسول اللہ ﷺ قال یتعاقبون فیک ملئکة باللیل وملئکة بالنھار و یجتمعون فی صلوٰة الفجر و صلوٰة العصر ثم یعرج الذین باتوا فیکم فیسأ لھم ربھم وھو اعلم بھم کیف ترکتم عبادی فیقولون ترکناھم وھم یصلون اتینا ھم وھم یصلون.

ترجمہ۵۲۴: حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو یقیناً اس طرح دیکھو گے، جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں شک نہ کرو گے، لہٰذا اگر تم یہ کرسکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب سے پہلے کی نماز میں (شیطان پر غالب آکر) ادا کرلیا کرو تو (ضرور) کرو، پھر آپ نے **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** تلاوت فرمائی۔

ترجمہ۵۲۵: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب و روز میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں او یہ سب فجر اور عصر کی نماز میں مجتمع ہوتے ہیں، جو فرشتے رات کو تمہارے پاس رہے ہیں (آسمان پر) چڑھ جاتے ہیں، تو ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خود اپنے بندوں سے خوب واقف ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے (تب بھی) وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اکثر حضرات نے نماز عصر کو افضل الصلوٰة قرار دیا ہے، مگر امام بخاریؒ نے صرف فضیلت بتلائی، شاید وہ دوسرے حضرات کے ہمنوا نہیں ہیں۔

قولہ لا تضامون پر فرمایا کہ یہ ضم سے بھی مشتق ہوسکتا ہے کہ تم ازدحام ناظرین کی وجہ سے روٴیت باری تعالیٰ سے محروم نہ ہوگے اور ضیم سے بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی روٴیت کے وقت کوئی کسی پر ظلم کرکے اس سے محروم نہ کرسکے گا۔

تجلیات باری تعالیٰ

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر تجلی خداوندی کا بھی تفصیل سے ذکر کیا، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:- میرے نزدیک یہاں رؤیت سے مراد رؤیت تجلی ہے، رؤیت ذات نہیں ہے، جیسا کہ شیخ اکبرؒ نے اختیار کیا ہے اور اس کی تقسیم رویۃ شمسیہ وقمریہ سے کی ہے، (حدیث میں رویۃ قمروشمس دونوں سے تشبیہ وارد ہے) پھر یہ ہے کہ رؤیت تجلی ہی کو رؤیت ذات بھی کہا جاتا ہے، مثلاً تم خواب میں حق تعالیٰ کا دیکھنا بیان کرو تو مراد اس کی تجلی ہی ہوتی ہے، تو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کوہ طور پر حضرت حق تعالیٰ کی تجلی ہوئی تھی، ایسے ہی محشر میں بندوں کے لئے ہوگی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رؤیۃ ذات باری کی درخواست کی تھی جو تجلی دکھلا کر پوری کردی گئی کیونکہ رؤیت ذات تجلی کے ذریعہ ہوسکتی ہے اور اسی کے ضمن میں انکشاف ذات بھی کما یلیق بشأنہ ہوسکتا ہے اور ان تجلیات کے مراتب غیر متناہی ہیں، یہ تو شیخ اکبرؒ کی تحقیق ہے، پھر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی اس بارے میں بہت عمدہ تحقیق فرمائی ہے نیز تجلیات اور وجہ و ید وغیرہ میں بھی فرق ہے کہ یہ مبادی صفات اور متعلقات ذات ہیں، اسی لئے اس سے منفصل نہیں ہے، تجلیات صور مخلوقہ وآثار افعال میں جو ذات حق سے منفصل اور جدا ہیں، امام بخاریؒ نے ان کا نام شؤن رکھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے جنت میں دیدار خداوندی

حضرتؒ نے فرمایا:- اس سے معلوم ہوا کہ ان نمازوں کے اہتمام کی وجہ سے ہی رؤیت باری کا شرف نمازی مومنوں کو جنت میں حاصل ہوگا، اور شاید دار قطنی کی روایت میں جو ہے کہ عورتوں کو جنت میں عیدین کے دنوں میں رؤیت حاصل ہوا کرے گی وہ اس لئے ہے کہ ان کو عیدین میں حاضر ہونے کی اجازت دی گئی تھی (جو فتنوں کے خوف سے قابل عمل نہ رہی، مگر چونکہ وہ خود اس میں معذور ہیں، اس لئے وہ شرف ان کو ضرور حاصل ہوگا جس طرح مجبوری، بیماری یا سفر کی وجہ سے نوافل واوراد نہ ہوسکیں تو اجر وثواب ضرور ملتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

قولہ یتعاقبون فیکم پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث مختصر ہے، نسائی اور صحیح ابن خزیمہ میں زیادہ تفصیل ہے، فتح الباری میں بھی حدیث کے مزید کلمات کی تخریج حافظ نے کی ہے۔

نہار شرعی وعرفی: حضرتؒ نے فرمایا کہ نہار شرعی وعرفی ہونے کا لحاظ مختلف طریقوں پر ہوا ہے، مثلاً روزہ کے لئے نہار شرعی صبح صادق سے غروب تک ہے اور نماز کے حق میں صبح سے عصر تک ہے، اسی لئے نماز عصر کے بعد نفل مکروہ ہوئے کہ دن کا دفتر بند ہو چکا۔

اجتماع ملائکہ نہار ولیل

حافظؒ اور عینی نے جو حدیث ذکر کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر وعصر دونوں میں دن ورات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں جب نماز فجر میں جمع ہوتے ہیں تو رات کے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں اور دن کے رہ جاتے ہیں، پھر عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں تو دن کے اوپر جاتے ہیں اور رات کے ٹھہر جاتے ہیں، حق تعالیٰ صبح وشام اوپر جانے والے فرشتوں سے سوال فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو، الحدیث۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ اس میں تصریح ہے کہ ہر گروہ سے سوال فرماتے ہیں (عمدہ ۵۵۴ ج ۲، بحوالۂ خزیمہ ومسند السراج عن ابی ہریرہ) پھر یہ سوال کے وہ فرشتے انسان کے محافظ فرشتے ہیں یا دوسرے ہیں، علامہ عینی نے لکھا کہ اکثر علما کے نزدیک وہ محافظ فرشتے ہیں جو بندوں کے اعمال پر نگران ہیں اور لکھنے کے لئے بھی مامور ہیں، قاضی عیاض نے غیر محافظ فرشتوں کا احتمال ذکر کیا، اس طرح کہ حق تعالیٰ ان سے بطور توبیخ کے سوال کرے گا کیونکہ فرشتوں نے "اتجعل فیھا من یفسد فیھا" کہا تھا، قرطبی نے فرمایا کہ یہی حکمت

دونوں وقت فرشتوں کے اجتماع کی بھی ہوسکتی ہے، کہ وہ دونوں وقت اس دنیا میں آکر مسلمانوں کو نمازوں میں مشغول دیکھیں اور حق تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوکر نمازوں کی شہادت دیں، اور یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت وشفقت بندوں کے حال پر ہے کہ ان فرشتوں کو ان کی دن و رات کی برائیوں اور معاصی پر مطلع نہ ہونے دیا اور نمازوں کے اوقات میں جمع ہونے کا حکم دیا، علامہ عینی نے لکھا کہ اس مذکورہ حکمت وتوجیہ کی بناء پر تو دوسرے پر محافظ فرشتوں ہی کی بات ٹھیک ہوتی ہے کیونکہ محافظ فرشتوں پر تو انسانوں کے سارے ہی احوال منکشف رہتے ہیں ان سے صرف دو خاص وقتوں کا حال دریافت فرمانا کیسے مناسب ہوگا، دوسرے یہ کہ بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ جب بندہ مرجاتا ہے تو اس کے اعمال لکھنے والے دونوں کاتب[1] فرشتے اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر استغفار کرتے ہیں اور قیامت تک اس کے لئے رحمت الٰہی کی درخواست کرتے رہتے ہیں، لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ وہ نمازوں کے وقت جمع ہونے والے غیر محافظ اور غیر کاتب فرشتے ہی ہوں گے۔

فضیلت کس کے لئے ہے

علامہ عینیؒ نے لکھا کہ جب ان دونوں نمازوں کی بہت ہی بڑی فضیلت اجتماع ملائکہ اور رفع اعمال کی ثابت ہوگئی، تو مناسب ہوا کہ جو بندے ان دونوں نمازوں پر مداومت ومحافظت کریں گے ان کو افضل عطایا یعنی رؤیت باری جل ذکرہ سے سرفراز کیا جائے، حافظ عینیؒ[2] نے یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ حدیث کے الفاظ تو مطلق ہیں مگر یہ فضیلت بظاہر ان مومنوں کے لئے ہے جو ان دونوں وقتوں کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ (عمدہ ۵۵۳ ج ۲)

حکمت سوال: علامہ عینی نے لکھا کہ حکمت فرشتوں سے خیر کی شہادت لینی ہے، بنی آدم کے لئے اور استعطاف بھی ہے تاکہ وہ ان پر مہربان ہوں، یا ان کی اتجعل والی بات کا جواب دینا ہے اور بتلانا ہے کہ صرف تم ہی تقدیس باری کرنے والے نہیں ہو، بنی آدم میں بھی تم جیسے اور تمہاری ہی شہادت سے تسبیح وتقدیس کرنے والے ہیں۔

قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہ سوال بطریقہ تعبد ہے، جس طرح ان فرشتوں کو اعمال بنی آدم لکھنے کا حکم ہوا، حالانکہ حق تعالیٰ سب باتوں کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (عمدہ ص ۵۵۴ ج ۲)

فوائد: علامہ عینی نے بہت سے فوائد حدیث الباب کے لکھے ہیں مثلاً (۱) نماز اعلیٰ وافضل عبادت ہے کیونکہ اس کے بارے میں سوال وجواب وارد ہوا ہے (۲) نماز فجر وعصر دونوں اعظم ترین نمازیں ہیں (۳) ان دونوں وقتوں کا خصوصی شرف بھی معلوم ہوا، اور حدیث میں ہے کہ نماز صبح کے بعد رزق تقسیم ہوتا ہے اور اعمال دن کے آخری حصہ میں اوپر اٹھائے جاتے ہیں، لہٰذا جو ان اوقات میں مشغول عبادت ہوگا اس کے رزق وعمل میں خیر وبرکت ہوگی۔ (۴) اس امت کا شرف دوسری امتوں پر ثابت ہوا (۵) فرشتے بھی اس امت سے محبت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال خیر کو خدا کے یہاں لے جاکر پیش کرکے اس کا تقرب تلاش کرتے ہیں (۶) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کلام فرماتے ہیں (۷) نماز عصر کو خاص طور سے اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب ہے کیونکہ وہ مشغولیت کے وقت ہوتی ہے (عمدہ ۵۵۵ ج ۲)

---

[1] کتنی عظیم وجلیل نعمت ورحمت خداوندی ہے کہ جو لوگ ہر قسم کے شرک سے مجتنب رہے اور ایمان اور یقین پر ان کا حسن خاتمہ ہوجائے تو دوسرے معاصی کی مغفرت اگر زندگی میں میسر نہ بھی ہوسکے تو عالم قبر میں ان کی مغفرت کا سامان مہیا کردیا گیا تاکہ قبر سے اٹھے تو بخشا بخشایا، صاف ستھرا ہو اور یہ مغفرت کا سامان بھی ان فرشتوں کے ذریعہ کرایا گیا، جو اس بندہ کی پوری زندگی کے معاصی اور بداعمالیوں سے نہ صرف پوری طرح واقف رہے، بلکہ اس کو اس بندہ کے نامۂ اعمال میں آخر دم تک لکھ کر اس کا ریکارڈ تیار کرتے رہے، اب چونکہ انہوں نے دیکھا کہ حق تعالیٰ نے اس کے لئے حسن خاتمہ مقدر فرماکر احسان عظیم فرمادیا ہے تو حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مزید سامان مہیا کرنے کے لئے استغفار میں مشغول ہوگئے۔ (مؤلف)

[2] حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ کی رائے بھی یہی تھی کہ یہ فضیلت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے، منفرد کے لئے نہیں (مؤلف)

قولہ "ترکناھم وھم یصلون" پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے اس میں تردد ہے کہ فرشتے بھی جماعت فجر وعصر میں شریک ہوکر اقتدا کرتے ہیں یا نہیں؟ موطأ امام مالکؒ میں[1] حضرت سعید بن المسیب سے نقل ہے کہ جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اس کے دائیں بائیں دو فرشتے بھی نماز پڑھتے ہیں اور اگر وہ اذان دے کر نماز قائم کرے تو اس کے پیچھے فرشتے پہاڑوں کی برابر کثرت سے اقتدا کرتے ہیں تو جب ایک نماز میں اقتدا ثابت ہوگئی تو سب نمازوں میں ثابت ہوجائے گی اور آیت "ان قرآن الفجر کان مشھودا" سے اقتدا ثابت نہ ہوگی، کیونکہ مشہود بغیر اقتدا کے بھی ہوسکتا ہے جیسے یشھدون دعوۃ المسلمین وغیرہ ہیں، لہٰذا اگر مشہود کا اطلاق حضور پر ہوتو معنی ظاہر ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے چھوڑا ہے اور اگر اقتداء ادا ہوتو باعتبار جنس کے مطلب یہ ہوگا کہ جن کی لہٰذا ہم نے نہیں کی ان کو نماز پڑھتے چھوڑا ہے، وہ مراد نہ ہوں گے جن کی اقتدا میں وہ فرشتے خود نماز پڑھ کر گئے ہیں کہ ان کے ساتھ تو نماز ختم کر کے اوپر گئے ہیں، یا مسبوق وغیرہ مراد ہوں گے کہ ان کو نماز پوری کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے امام بخاری کے اس طریقہ میں بھی اشکال ہے کہ انہوں نے حدیث مذکور کو صرف فضیلت عصر کے لئے خاص کرلیا جبکہ حدیث میں فجر کی بھی فضیلت موجود ہے، پھر جب فجر کی فضیلت کا باب قائم کیا تو وہاں بھی اس حدیث کو نہیں لائے اور صرف آیت ان قرآن الفجر کان مشھودا کو ذکر کیا پس ہوسکتا ہے کہ حدیث مذکور کو صرف فضیلت عصر پر محمول کیا ہو اور فجر میں ملائکہ کو طرف نہار پر محمول کیا ہو بخلاف عصر کہ اس میں حضور ملائکہ کو خود اس کی ذاتی فضیلت پر مبنی سمجھا طرف نہار کی وجہ سے نہیں کہ طرف حسی مغرب ہے اگر طرف ہونے کی وجہ سے حاضر ہوتے تو مغرب کے وقت آتے نہ کہ عصر کے وقت ایک اشکال یہ بھی ہے کہ جب فرشتوں کی آمد دونوں وقت ہوئی ہے تو آیت میں صرف فجر کی تخصیص کیوں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ اس میں قراءت جہری ہونے کی وجہ سے فرشتوں کے حضور وشہود کا ذکر زیادہ اہم ہوگیا، کیونکہ ان میں قرآن مجید سننے کا اشتیاق وشغف بہت ہی زیادہ ہے۔

باب من ادرک رکعة من العصر قبل الغروب

(اس شخص کا بیان، جو غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائے)

۵۲۶. حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شبان عن یحییٰ عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا ادرک احدکم سجدة من صلوٰة العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلوٰته واذا ادرک سجدة من صلوٰة الصبح قبل ان تطلع الشمس فلیتم صلوٰته.

۵۲۷. حدثنا عبدالعزیز بن عبدالله قال حدثنی ابراهیم عن ابن شهاب عن سالم بن عبدالله عن ابیه انه اخبره انه سمع رسول الله ﷺ یقول انما بقاؤکم فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلوٰة العصر الیٰ غروب الشمس اوتی اهل التوراة التوراة فعملوا حتیٰ اذا نتصف النهار عجزو فاعطوا قیراطاً قیراطاً ثم اوتی اهل الانجیل الانجیل فعملوا الیٰ صلوٰة العصر ثم عجزو فاعطوا قیراطاً و قیراطا ثم اوتینا القران فعملنا الی غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیراطین فقال اهل الکتابین ای ربنا اعطیت هؤلاء قیراطین قیراطین واعطیتنا قیراطا قیراطا ونحن کنا اکثر عملا قال الله عز و جل هل ظلمتکم من اجرکم من شیء قالو الا قال وهو فضلی اوتیه من اشآء.

---

[1] یہ اثر موطأ امام مالک میں موقوفاً مروی ہے مگر مرفوع ہے، کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی اور موصولاً بھی بروایت حضرت سلمان فارسیؓ بالمعنی نسائی میں ہے، بیہقی وابن ابی شیبہ وغیرہما کے یہاں حضرت سلمانؓ ہی سے موقوفاً مروی ہے۔ اوجز ص ۱۹۵)

۵۲۸. حدثنا ابو کریب حدثنا ابو اسامة عن برید عن ابی بردة عن ابی موسی عن النبی ﷺ قال مثل المسلمین والیهود و النصاریٰ کمثل رجل ن الستاجر قوما یعملون له عملا الی اللیل فعملوا الی نصف النهار فقالو لاحاجة لنا الی اجرک فاستاجر اخرین فقال اکملو بقیة یومکم ولکم الذی شرطت فعملوا حتیٰ اذا کان حین صلوٰة العصر قالو لک ما عملنا فاستاجر قوما فعملو بقیة یومهم حتیٰ غابت الشمس فاستکملوآ اجرا لفریقین.

ترجمہ ۵۲۶: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو نماز عصر کی ایک رکعت آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے مل گئی تو باقی نماز پوری کر لینی چاہئے اور جب نماز فجر کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے مل گئی تو باقی نماز پوری کر لینی چاہئے۔

ترجمہ ۵۲۷: حضرت سالم بن عبداللہ (ابن عمرؓ) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہاری بقا ان امتوں کے مقابلہ میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسی ہے، جیسے نماز عصر سے لے کر غروب آفتاب تک، کہ توراۃ والوں کو توراۃ دی گئی اور انہوں نے (اس پر) عمل کیا، یہاں تک کہ دوپہر کا وقت آگیا تو وہ تھک گئے اور انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا، اس کے بعد انجیل والوں کو انجیل دی گئی اور انہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا پھر وہ تھک گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا اس کے بعد ہم لوگوں کو قرآن دیا گیا اور ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو، دو قیراط دیئے گئے، اس پر دونوں اہل کتاب نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ان لوگوں کو دو، دو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ہی قیراط دیا، حالانکہ ہم کام کے اعتبار سے زیادہ ہیں، اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میں نے تمہاری مزدوری میں سے کچھ کم کیا، وہ بولے نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا فضل ہے، جسے چاہتا ہوں زیادہ دیتا ہوں۔

ترجمہ ۵۲۸: حضرت ابوموسیٰؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، مسلمانوں کی اور یہود ونصاریٰ کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے کچھ لوگوں کو مزدوری پر لیا ہو، تاکہ رات تک اس کا کام کریں چنانچہ انہوں نے دوپہر تک کام کیا اور کہا کہ ہمیں تیری مزدوری کی کچھ حاجت نہیں، لہٰذا اس نے دوسروں کو مزدوری پر لگا لیا اور (ان سے) کہا کہ باقی دن اپنا پورا کرو اور جو کچھ میں نے مزدوری مقرر کی ہے، تمہیں دوں گا، لہٰذا انہوں نے کام کیا، یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت آگیا، ان لوگوں نے کہا کہ جو کچھ ہم نے کام کیا، وہ تیرے لئے اتنا ہی ہے، پھر اس نے دوسرے لوگوں کو مزدوری پر لگایا تو انہوں نے بقیہ دن کام کیا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ان لوگوں نے دونوں فریق کی (برابر) مزدوری پوری حاصل کر لی۔

تشریح: امام بخاری اس باب میں تین حدیثیں لائے ہیں پہلی سے بتلایا کہ کسی کام کے آخری حصہ میں شریک ہو جانے سے بھی اس میں پوری شرکت سمجھی جاتی ہے، جس طرح نماز عصر وغیرہ کو اگر آخر وقت میں پالیا تو گویا پوری نماز کو پالیا یا جس طرح حق تعالیٰ کی مقررہ اجرت عمل کو پہلی امتوں نے شروع اور درمیانی دن کے حصہ میں عمل کر کے پایا تو آخر دن میں عمل کرنے والے بھی اس کے مستحق بن گئے، امام بخاری پہلی حدیث کو چند ابواب کے بعد آگے لائیں گے (نمبر ۵۴۹، ۵۵۰) اور دوسری و تیسری حدیث کو بھی اجرت وغیرہ کے ابواب میں لائیں گے۔

یہاں یہ بحث نہایت اہم اور دقیق چھڑ گئی ہے کہ حدیث اول کا اصل مطلب کیا ہے، ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر طلوع وغروب آفتاب سے قبل نماز کے ایک سجدہ یا رکعت کا وقت پالیا تو اس نماز کو پورا کرنا ضروری ہے، اس کے شروع کرنے سے نماز پڑھنے والوں میں اس کا شمار ہو گیا مگر چونکہ عمل پورا نہیں ہوا اس لئے اس کی تکمیل کرے گا، پھر چونکہ طلوع وغروب کے وقت کوئی نماز صحیح نہیں ہو سکتی جیسا کہ بخاری کی حدیث نمبر ۵۵۳ میں آئے گا کہ جب سورج نکلنا شروع ہو جائے یا ڈوبنے لگے تو نماز کو مؤخر کر دو، تو امام طحاوی تو کہتے ہیں کہ جتنی

پڑھ چکا ہے وہ باطل ہوگئی، پھر سے طلوع وغروب کے بعد پوری پڑھے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صبح کی ہو تو یہی حکم ہے، غروب کے قریب والی ہو تو پوری کرلے، وہ جائز و درست ہوگی، امام ابو یوسف سے ایک شاذ روایت یہ ہے کہ صبح کی نماز کی اگر ایک رکعت پڑھی تھی اور سورج طلوع ہونے لگا تو اتنی دیر توقف کرے کہ سورج اچھی طرح نکل آئے اور کراہت کا وقت نہ رہے تو باقی رکعت پوری کرلے، اس کے فرض ادا ہو جائیں گے، امام اعظمؒ کے نزدیک ایسا کرنے سے وہ نماز نفل ہوگی، فرض پھر سے پڑھے گا، دوسری روایت امام ابو یوسف سے بھی اس کے مطابق ہے امام محمدؒ کی رائے ہے کہ ایسی نماز نہ فرض ہوگی نہ نفل، سرے سے باطل ہی ہے۔

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی، احمد) فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز بھی عصر کی طرح درست ہو جاتی ہے اور بخاری کی یہ حدیث اور آگے آنے والی دو حدیثیں نمبر ۵۴۹ و ۵۵۰ بظاہر ان ائمہ ثلاثہ کی موافقت کر رہی ہیں مگر زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے اور احادیث و آثار کے پورے ذخیرے پر نظر کی جائے تو امام اعظمؒ کی رائے عالی ہی زیادہ صائب ثابت ہوگی، وجہ یہ ہے کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کہ حدیث الباب میں اشارہ وقت کی طرف ہے مگر یہ بات قطعی نہیں کیونکہ دوسری احادیث مسلم و ابوداؤد وغیرہ یہ بتلاتی ہیں کہ اس نوع کی احادیث وقت سے متعلق نہیں بلکہ مسبوق یا معذور سے تعلق رکھتی ہیں اور خود حافظ ابن حجرؒ نے بھی باوجود شافعی ہونے کے حدیث نمبر ۵۴۹ کے تحت لکھا:- ''ادراک کے معنی پالینے کے ہیں'' تو بظاہر جو مطلب اس سے نکلتا ہے کہ جس نے ایک رکعت فجر کی پالی تو فجر کی نماز پالی اور نماز فرض کا مطالبہ ایک ہی رکعت پڑھنے سے ختم ہو گیا، یہ مطلب تو بالاجماع غلط ہے، پھر دوسرا مطلب یہ محتمل ہے کہ ایک رکعت پالینے سے اس کو وقت مل گیا، لہٰذا دوسری رکعت بھی پڑھ لے گا تو نماز کامل ہو جائے گی، اس ثانوی احتمال کو جمہور نے اختیار کیا ہے، جس کی تائید بیہقی وغیرہ کی روایات سے بھی ہوتی ہے الخ۔ پھر حافظ نے حدیث نمبر ۵۵۰ پر پہلے تو محدث کرمانی شارح بخاری کا کلام ذکر کر کے اس کے تضاد کی طرف اشارہ کیا، پھر علامہ تیمی (شارح بخاری) کا قول ذکر کیا کہ امام بخاری کی حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک رکعت مل گئی تو اس کو جماعت کی فضیلت مل گئی اور لکھا کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز سے مراد جمعہ کی نماز ہے کہ اس کی ایک رکعت بھی امام کے ساتھ پالی تو جمعہ کی نماز پوری مل گئی اور لکھا کہ دوسرے اقوال بھی ہیں اس بارے میں منقول ہیں، پھر لکھا کہ یہ بات تو واضح ہے کہ ''فقد ادرک بالصلوٰۃ'' (کہ ایک رکعت مل جانے سے پوری نماز مل گئی) یہ بات اپنے ظاہری مطلب کے لحاظ سے بالاجماع غیر صحیح ہے یعنی کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہو سکتی، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے لہٰذا اس کا مطلب درست کرنے کے لئے کچھ مقدر ماننا پڑے گا، مثلاً یہ کہ جس کو ایک رکعت مل گئی اس نے نماز کا وقت پالیا، یا حکم نماز کا پالیا وغیرہ اور اس کو باقی نماز کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔ (فتح ۳۸ ج ۲)

امام طحاویؒ وغیرہ کا مسلک

اس سے معلوم ہوا کہ من ادرک رکعۃ فقد ادرک الصلوٰۃ کے مطلب میں کئی احتمال ہیں اسی لئے، ائمہ مجتہدین و محدثین کے انظار و آراء بھی مختلف ہوگئی، امام طحاویؒ جو بظاہر سب سے الگ معلوم ہوتے ہیں ان کے ساتھ بھی بہت سے اہل علم ہیں جیسا کہ محدث ابن وہب کا بیان ہے ملاحظہ ہو مدونہ ۹۳، ان سب کی رائے یہ ہے کہ اس نوع کی تمام احادیث حائضہ عورت، نائم یا نو مسلم یا مریض وغیرہ کے لئے ہیں، یعنی حائضہ عورت آخر وقت میں پاک ہوئی کہ صرف ایک رکعت کا وقت پایا، یا سونے والا ایسے آخر وقت میں بیدار ہوا، یا ایک غیر مسلم ایسے آخر وقت میں اسلام لایا، یا کوئی مریض بے ہوش تھا اور نماز کے آخرت وقت پر ہوش میں آیا تو ان سب پر اس وقت کی نماز لازم ہوگئی، اور حدیث میں صرف طلوع وغروب سے قبل والی دو نمازوں کا ذکر اس لئے ہوا ہے کہ ان وقتوں کے ختم ہونے کو ہر عامی و جاہل بھی جان لیتا ہے، اس لئے حکم سب نمازوں کے آخر وقت کا ایک ہی ہے، غرض امام طحاوی اور ان کے ہم خیال سب دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ ان احادیث سے خاص طلوع وغروب کے وقت نماز درست ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور اگر مان بھی لیا جائے تو دوسری احادیث متواترہ اس کے

جواز کو منسوخ کر دیتی ہیں، جن میں طلوع وغروب کے وقت میں نماز کی صریح ممانعت آگئی ہے، لہٰذا اگر نماز پوری ہونے سے قبل طلوع و غروب ہونے لگے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

ائمۂ ثلاثہ کا مسلک

یہ دوسرا مسلک ہے کہ طلوع وغروب ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اگر ایک رکعت پہلے پڑھ لی ہے تو دوسری بعد طلوع یا بعد غروب کے پڑھ لے تو اس کی نماز ادا و اقرار پائیگی امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پہلی رکعت ادا اور دوسری قضا شمار ہوگی، غرض ان سب حضرات نے بجائے دقت نظر کے ظاہریت کی شان دکھلائی ہے اور احتمال والی احادیث کی وجہ سے صریح وصاف احادیث سے صرف نظر کی ہے، جیسا کہ ہم اس بات کو دلائل کے ساتھ واضح کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وبہ نستعین

امام اعظمؒ کا مسلک

بظاہر امام صاحب کی رائے اس مسئلہ میں سب سے الگ ہے کہ وہ نماز عصر میں تو ائمۂ ثلاثہ کے ساتھ ہیں، مگر نماز فجر میں الگ ہو گئے، اگرچہ ہم یہ بھی بتلائیں گے کہ نماز عصر کے بارے میں بھی جو ان کا مسلک بعض حنفیہ نے سمجھا ہے وہ نہیں بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق میں دوسرا ہے، امید ہے کہ حضرتؒ کی اس تحقیق وتدقیق کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مسلک امام کی توضیح تو اس طرح فرمائی کہ عام کتب متون حنفیہ میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر عصر کی نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھی تھی اور جو سورج غروب ہونے لگا تو اس کو بعد غروب کے پورا کرلے، یہ ترجمانی صحیح نہیں بلکہ جس طرح امام محمدؒ نے اپنے موطأ میں لکھا ہے وہ صحیح ہے، آپ نے باب الرجل ینسی الصلوٰۃ میں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے لیلۃ التعریس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور فرمایا:- جو شخص نماز بھول جائے تو جب یاد آئے تو پڑھ لے، کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قائم کرو نماز میری یاد کے لئے، امام محمدؒ نے فرمایا کہ اسی پر عمل کرتے ہیں، الا یہ کہ کوئی ان ساعات میں یاد کرے، جن میں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھنے سے روک دیا ہے جبکہ سورج طلوع ہو بلند اور روشن ہونے تک، نصف النہار کے وقت زوال ہونے تک اور شام کو جب سورج کی دھوپ لال پیلی ہو جائے، اس کے غروب ہونے تک، البتہ اسی دن کی عصر کی نماز پڑھے گا اگرچہ آفتاب زرد ہو جائے غروب سے پہلے تک اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑی عجیب بات ہے کہ حنفیہ نے امام محمدؒ کے اس صریح ارشاد کی طرف توجہ نہ کی، پھر فرمایا کہ درمختار میں قنیہ سے نقل کیا کہ اگر ایک شخص غروب سے پہلے نماز شروع کرے پھر غروب تک اس کو طویل کرلے تو ہمارے نزدیک مکروہ نہ ہوگا اور یہی روایت امام شافعی سے ہے، اس کتاب کا مصنف فقہ میں تو حنفی ہے مگر اعتقاد میں معتزلی ہے، اس لئے ہم اس کے تفردات کو قبول نہ کریں گے، مگر پھر میں نے اس مسئلہ کو فخر الاسلام کی اصول البزدوی میں بھی دیکھا تو انکار کی گنجائش نہ رہی مگر تردد باقی رہا اور صاحب التوضیح نے جو اعتذار خشوع وخضوع کا پیش کیا اس سے بھی تشفی نہ ہوئی، پھر میں نے فیصلہ کیا کہ فخر الاسلام نے قول مرجوع پر تفریع کی ہے، کیونکہ صورت مذکورہ میں فقہاء حنفیہ نے اختلاف کیا ہے، بحر میں ہے کہ ایسی طوالت کا فقط فعل مکروہ ہے، نماز میں کراہت نہیں آتی، دوسرے فقہاء کی رائے ہے کہ ایسا فعل اور نماز دونوں مکروہ ہیں، اور یہی قول ارجح ہے، فخر السلام نے بھی عدم کراہت صلوٰۃ والا مرجوع قول اختیار کرلیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کا مسلک وہی ہے جو امام محمدؒ نے بھی لکھا ہے کہ اس دن کی نماز عصر بھی صرف اصفرار شمس کے وقت پڑھی جا سکتی ہے جو غروب سے پہلے ختم ہو جائے تاکہ پوری نماز غروب سے قبل ہو جائے، حضرتؒ نے مزید وضاحت فرمائی کہ غروب دو ہیں ایک شرعی، دوسرا حسی اور حنفیہ کے یہاں جو اسی دن کی عصر ادا ہو سکتی ہے وہ غروب شرعی (اصفرار شمس) تک ہے، دوسرے ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اگر

غروب حقیقی وحسی سے قبل بھی صرف ایک رکعت پڑھ سکے تو پڑھ لے اور غروب کے بعد باقی پڑھ لے، لہٰذا حدیث نبوی کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایک رکعت نماز عصر کی امام کے ساتھ اصفرار شمس سے پہلے پالے اس کو نماز عصر مل گئی اور یہ کہ اصفرار کے بعد غروب تک وقت منافق کا ہے، یہ حصہ تعلیم نبوی میں داخل ہونے کے لائق نہ تھا، اس لئے متروک ہوا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کوئی بھی دلیل، اس کے لئے نہیں ہے کہ اگر ایک شخص غروب سے قبل ایک رکعت پالے تو غروب کے بعد اس کو پورا کرلے اور وہ اس نماز کا مدرک ہو جائے گا۔

بخاری کی حدیث الباب مسبوق کے لئے ہے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ نوویؒ نے حدیث **من ادرک رکعة من العصر** کے بارے میں کہا کہ یہ اس کے لئے صریح دلیل ہے کہ جو شخص ایک رکعت صبح یا عصر کی پڑھ لے، پھر وقت نکل جائے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی بلکہ اس کو پورا کرلے گا اور وہ صحیح ہوگی اور یہ مسئلہ عصر کے بارے میں مجمع علیہ ہے، لیکن صبح میں اس کے قائل ائمہ ثلاثہ اور سارے ہی علماء امت ہیں بجز امام ابوحنیفہؒ کے انہوں نے فرمایا کہ صبح کی نماز طلوع شمس سے باطل ہو جائے گی، کیونکہ ممانعت صلوٰۃ کا وقت داخل ہو گیا، بخلاف غروب شمس کے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

حضرت شاہ صاحب کا افادۂ خصوصی

حضرتؒ نے فرمایا کہ بخاری کی اس حدیث الباب کو علماء حنفیہ نے بھی مواقیت پر محمول کیا ہے، جس کا مفاد یہ ہوگا کہ دوسری رکعت طلوع یا غروب کے بعد پڑھی جا سکتی ہے اور اس طرح اسی مسئلہ میں حنفیہ کا باہم اختلاف ہوگا، جو اوپر ذکر کیا گیا ہے مگر میرے نزدیک یہ حدیث بھی دوسری احادیث کی طرح مسبوق کے حق میں ہے اور مواقیت سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے، لہٰذا باہمی اختلاف کی صورت میں یہاں سامنے آئے گی اور دلیل میری یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ والی چند جگہ اور آئی ہے اور سارے ہی حنفیہ متفق ہیں کہ وہ سب حدیثیں مسبوق کے بارے میں ہیں۔

(۱) مسلم شریف وغیرہ کی حدیث **من ادرک رکعة من الصلوٰة فقد ادرک الصلوٰة**، اس میں اور بخاری کی حدیث الباب میں کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ یہ سب نمازوں کے لئے عام ہے اور حدیث الباب صرف فجر وعصر کے لئے ہے اور ان کی تخصیص کا نکتہ یہ ہے کہ وہ دونوں بعض اوصاف میں مشترک ہیں، مثلاً دونوں کے التزام واہتمام پر رؤیت باری کا وعدہ ہے اور حدیث **من صلی البردین دخل الجنة** بھی ہے اور قرآن مجید کی بھی بہت سی آیات میں ایک ساتھ ذکر ہوئی جیسے **وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** اور تمام حنفیہ متفق ہیں کہ حدیث عام قطعاً بحق مسبوق ہے، کیونکہ مسلم شریف میں دوسرے طریق سے **من ادرک رکعة من الصلوٰة مع الامام فقد ادرک** وارد ہے، اس میں تصریح مسبوق کی ہے، جبکہ ان دونوں کی سند واحد ہے، لہٰذا دونوں کے اتحاد کا دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ کبھی راوی نے تعمیم کردی اور کبھی تخصیص اور اس کو باب اختلاف رواۃ یا اختلاف راوی میں سے بھی قرار دے سکتے ہیں، پس ایک کی قید کو دوسری میں ثابت کر سکتے ہیں اور دونوں کو مسبوق یا نصاً محمول کر سکتے ہیں، تاہم میں نے ان دو کو حدیث مان کر ہی دونوں کو بحق مسبوق قرار دیا ہے۔

(۲) (راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری میں بھی حدیث نمبر ۵۵۰ مسلم شریف کی مندرجہ بالا عام حدیث کی طرح ہے بعینہ)

(۳) نسائی شریف باب **من ادرک رکعة من الصلوٰة** میں حضرت سالمؒ سے حدیث **من ادرک رکعة من صلوٰة من الصلوٰت فقد ادرکھا الا انه یقضی مافاته**، دوسری حدیث حضرت سالمؒ عن ابیہ سے ہے **من ادرک رکعة من الجمعة او غیرھا فقد تمت صلوٰته**، یہ دونوں بحق مسبوق ہیں۔

(۴) ابوداؤد شریف **باب الرجل یدرک الامام ساجدا کیف یصنع** میں بھی حدیث ابی ہریرہؓ ہے:- **اذا جئتم الی**

الصلوة و نحن سجودنا سجد واولا تعدوها شيئا ومن ادرک رکعة فقد ادرک الصلوة.

(۵) علامہ عینی نے دارقطنی سے حدیث نقل کی من ادرک صلوة رکعة قبل ان يقيم الامام صلبه فقد ادرکها، یہ بھی صریح حکم مسبوق ہے اور حدیث ابوداؤ د پر امام بخاری نے کچھ نقد بھی کیا ہے، مگر یہ صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں یہ تو دعوے نہیں کرتا کہ حدیث ایک ہی ہے، البتہ یہ کہتا ہوں کہ احادیث ماثورہ میں اختلاف لفظی ہے جوراویوں کی طرف سے آیا ہے بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس متعدد احادیث نبویہ ہوں جوان کو مختلف اوقات میں حاصل ہوئی ہوں گی اور حضور علیہ السلام نے ان کو مختلف اوقات میں مختلف ارشادات کئے ہوں، مگر سب کا مفاد وحکم ایک ہی ہے، جو باوجود اختلاف تعبیرات کے بدل نہیں سکتا۔

حدیث بیہقی کی تحقیق

حضرتؒ نے فرمایا کہ حدیث کے الفاظ **فقد ادرک الصلوة یا فليصل اليها رکعة اخرى یا فليضف یا فليتم صلوة** وغیرہ کو بلا کسی تکلیف کے مسبوق کے حق میں شمار کر سکتے ہیں لیکن حدیث بیہقی کے یہ الفاظ **من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس و رکعة بعد ما تطلع الشمس فقد ادرک الصلوة** بتلاتے ہیں کہ حدیث وقت وقت کے بارے میں ہے، مسبوق کے بارے میں نہیں اور یہ کہ رکعت طلوع شمس کے بعد پڑھی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ سے سہو ہو گیا کہ اس حدیث کو باب مواقیت میں لے آئے حالانکہ وہ فجر کی سنتوں کے بارے میں ہے اور حدیث مشار الیہ زیادہ صحیح طور پر ترمذی شریف میں ہے مرفوعاً حضرت ابو ہریرہؓ سے کہ جو شخص صبح کی دو رکعت (سنت) نہ پڑھے تو ان کو طلوع شمس کے بعد پڑھ لے، علامہ ذہبی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے تو اصل حدیث تو یہ تھی، اس کو راویوں نے بدل دیا اور یہ حدیث میرے پاس اکیس طریقوں سے موجود ہے، ان سب کا مدار حضرت قتادہ پر ہے اور راوی صحابی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں پھر بعض نے تو مسئلہ اداء سنن فجر بعد الطلوع کی صراحت کر دی اور بعض نے مبہم طور سے ایسے الفاظ روایت کر دیئے جو حافظؒ نے نقل کئے ہیں، حالانکہ ان کی مراد بھی رکعت سے نماز ہی تھی اور رکعت قبل طلوع سے نماز صبح کے فرض مراد لئے تھے اور رکعت بعد الطلوع سے سنت فجر کا ارادہ کیا تھا، اور اس قسم کی تخلیط راویوں سے، بہت ہوتی رہتی ہے، جس کو فن حدیث ورجال کے واقف جان لیتے ہیں۔

رکعتی الفجر کی دلیل

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دلیل رکعتی الفجر کے ہونے کی یہ بھی ہے کہ ان طرق میں کسی طریق میں عصر کا کوئی ذکر نہیں ہے، اگر یہ بھی اسی حدیث عام (زیر بحث) کے زمرے سے ہوتی تو اس میں بھی عصر کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔

ادراک رکعت سے ادراک جماعت کا حکم

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے لئے پورے غور وفکر اور کثیر مطالعہ کے بعد یہ بات منقح ہوگئی ہے کہ حدیث **من ادرک رکعة** والی باب اجتماع وجماعت میں وارد ہوئی ہے تاکہ اس امر کی تعلیم دے کہ کتنا حصہ پالینے سے جماعت کی نماز پانے والا اقرار پائے گا اور شریعت نے اس کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے اور بتلایا کہ کم سے کم ایک رکعت امام کے ساتھ پالے تو مدرک جماعت ہوگا اور اس سے کم میں نہ ہوگا اگرچہ فضیلت جماعت حاصل ہو جائے گی۔

حقیقت ادراک: یہ ہے کہ کوئی چیز فوت ہونے کے قریب ہو اور اسے کوشش کر کے پالیا جائے، جیسے دوڑ میں کوئی آگے نکل جائے تو کوشش کر کے اس کو پکڑ لیا جائے، یہی حال مدرک صلوة امام کا ہے کہ امام کئی رکعت پڑھ کر آگے بڑھ گیا ہے اور اس نے آخری رکعت میں

شریک ہوکراس کو پالیا، شریعت نے اس کی کوشش کی وجہ سے اس کو پوری نماز میں شرکت کرنے والوں کے ساتھ شامل کردیا، جس طرح رکوع میں شامل ہوجانے والے کو پوری رکعت پڑھنے والوں کے برابر کردیا، اور فاتحہ بھی اس سے ساقط کردی، پس تکبیر تحریمہ تو مقام سبقت ہے، موضع آمین مقام جمع ہے، جو نقطہ مرکز دائرہ بھی اور مجتمع الملائکہ والناس بھی ہے، رکوع مقام احتساب ہے، پھر اگر آمین کا مقام فوت ہوجائے تو موضع تحمید سے تلافی ہوگی کہ اس میں بھی فرشتے شرکت کرتے ہیں۔

ابتداء سمع اللہ لمن حمدہ: حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ دیر سے پہنچے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوئے، پھر رکوع سے اٹھتے ہوئے تحمید کی، گویا نماز کا خلاصہ پیش کیا، نماز سے فارغ ہوکر حضور علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ خدا نے حمد کرنے والے کی آواز سن لی اور اس کے بعد سے ہی **سمع الله لمن حمده** کہنے کا حکم ہوگیا، جبکہ پہلے رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے بھی تکبیر ہی کہی جاتی تھی۔

عصر کا وقت مکروہ: اوپر کی تحقیق سے واضح ہوگیا کہ اصفرار شمس سے غروب شمس تک وقت نماز عصر کے لئے وقت مکروہ اور حضور علیہ السلام نے جو دوسرے دن آخری وقتوں میں نماز عصر پڑھ کر بتلائی تھیں، تو عصر کی نماز ختم ہوتے ہی صحابہ کا کہنا ہے کہ سورج میں سرخی آگئی تھی اور اسی لئے حنفیہ کا راجح مسلک وہ ہے جو امام محمدؒ نے بتلایا کہ اسفرار شمس سے قبل عصر پڑھ لی جائے اور جن حضرات حنفیہ نے غروب تک کی عصر کی نماز کو بھی مکروہ قرار نہیں دیا وہ مرجوع ہے بلکہ اس کو مسلک حنفی نہ کہا جائے تو بہتر ہے اسی لئے حضرت شاہ صاحبؒ بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، کہ کچھ حنفیہ نے امام محمدؒ کی تصریح کو نظرانداز کردیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ عصر میں زیادہ تاخیر کرتے ہیں وہ بھی مسلک حنفی کی صحیح رعایت نہیں کرتے، حضرت شاہ صاحبؒ نے مسجد دارالعلوم دیوبند کی نماز عصر کی زیادہ تاخیر کو بھی ناپسند کیا تھا۔

ائمہ اربعہ کا اتحاد: یہاں غالباً اس امر کا اظہار بھی بے محل نہ ہوگا کہ جن حضرات نے امام اعظمؒ کا مسلک نماز عصر کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ متحد بتلایا ہے وہ ان کی مسامحت ہے کیونکہ اوپر کی تفصیل سے یہ بات نکھر جاتی ہے کہ امام صاحب کا مسلک جواز عصر یومیہ وقت مکروہ (اصفرار) میں شروع اور اسی پر ختم ہے نہ کہ وہ کچھ نماز عصر غروب سے قبل اور کچھ بعد میں جو دوسرے ائمہ کا مسلک ہے، لہٰذا اگر عصر کی نماز ختم کرنے سے قبل بھی غروب شروع ہوجائے تو نماز باطل ہوجائے گی جس طرح صبح کا حکم ہے، یعنی طلوع وغروب حقیقی کے وقت شارع علیہ السلام کی ممانعت نماز کی وجہ سے صبح وعصر دونوں نمازوں کا حکم ایک ہے، البتہ غروب شرعی (اصفرار) مبطل صلوۃ یومیہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ انما بقاءکم: بخاری کی پہلی حدیث الباب پر کلام گذرا، اب دوسری وتیسری باقی ہے اور دونوں کا مضمون تقریباً مشترک ہے، تشریح وبحث سے قبل مختصر مطلب کو اپنے ذہن میں تازہ کرلیجئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ گذشتہ امتوں کی نسبت سے تمہاری دنیا میں بقاء و رہائش اتنی ہے جتنی کہ عصر سے مغرب تک مدت ہوتی ہے، اہل توراۃ کو عمل کے لئے حکم ہوا تو دوپہر تک کام کرکے عاجز ہوگئے، لہٰذا مقررہ اجرت ایک ایک قیراط دے دی گئی، پھر اہل انجیل کو کام سپرد کیا تو انہوں نے عصر کے وقت کام چھوڑ دیا اور پورا نہ کیا، ان کو بھی ایک ایک قیراط دے کر رخصت کردیا گیا تب ہمیں قرآن مجید دیا گیا کہ اس پر عمل کریں، اور ہم نے غروب تک عمل میں مشغول رہ کر دن پورا کردیا، لہٰذا حق تعالیٰ نے کام کی تکمیل سے خوش ہوکر ہمیں دو دو قیراط عطا فرمادیئے، دونوں اہل کتاب نے شکایت کی کہ بارالٰہا! ہم نے تو زیادہ عمل کیا تھا (اجرت میں کمی کیوں ہوئی؟) حق تعالیٰ نے فرمایا:- کیا میں نے تمہاری مقررہ اجرت سے کچھ کم کیا (حالانکہ تم نے پورے دن کام بھی نہ کیا) وہ بولے نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر یہ تو میرا فضل وانعام ہے، جس کو چاہوں زیادہ دیدوں (یعنی کمی پر تو اعتراض کی گنجائش ہے، زیادہ پر نہیں)

دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تمہاری اور یہود ونصاریٰ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں کو صبح سے رات کے لئے کام پر لگایا لیکن انہوں نے دوپہر تک کام کرکے کہا کہ اب ہمیں کام نہیں کرنا نہ تمہاری اجرت کی ضرورت ہے، اس شخص نے دوسروں کو کام پر رکھا کہ باقی دن کام کرو تمہیں بھی مقررہ اجرت دوں گا، نماز عصر تک کام کرکے انہوں نے بھی چھوڑ دیا تو اس نے دوسرے لوگوں سے کام پورا کرانا

چاہا، انہوں نے آخر دن تک جم کر کام کیا اور پورا کر دیا، اس شخص نے خوش ہو کر ان کو ڈبل اجرت دے دی، اب سوال یہ ہے کہ تشبیہ کا مقصد کیا ہے، بعض نے کہا کہ پہلی امتوں کو مدت زیادہ ملی اور اس امت کو کم، پہلی امتوں کے لوگوں کی عمریں بڑی تھیں، ان کی تھوڑی ہیں، بعض نے کہا کہ مجموعی لحاظ سے زمانہ اور عمروں کی کمی بیشی مراد ہے اور یہی ظاہر ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ساری دنیا کو سالوں، مہینوں اور دنوں کے لحاظ سے ایک دن مان لیا جائے تو اس امت کا وقت مثل وقت عصر تا غروب ہوگا، یعنی بہ نسبت گذشتہ مدت مدید کے دنیا کی عمر بہت کم رہ گئی ہے، پھر فرمایا کہ اس امت کی ترقی کا دور ایک ہزار سال رہا، جیسا کہ شیخ اکبر، حضرت مجدد صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب اور قاضی ثناء اللہ صاحب کی رائے ہے اور اس کی تائید حدیث ابوداؤد[۱] سے بھی ہوتی ہے کہ میری امت کے لئے آدھا دن ہے اگر وہ مستقیم رہے تو باقی دن بھی استقامت کے ساتھ گذار لیں گے، ورنہ پہلوں کی طرح ہلاک ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے عروج کے پانچ سو ۵۰۰ سال

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ابوداؤد باب قیام الساعۃ میں حدیث ہے کہ حق تعالیٰ اس امت کو آدھے دن کے عروج سے عاجز یا محروم نہ کرے گا، دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے توقع ہے کہ میری امت حق تعالیٰ کی جناب میں اتنی وجاہت ماننے سے عاجز

---

[۱] فیض الباری ص ۱۲۵ ج ۲ میں سبقت قلم سے حوالہ ابن ماجہ کا غلط اندراج ہو گیا، میری یادداشت میں ابوداؤد کا حوالہ ہے اور وہی صحیح ہے اگر مؤلف فیض الباری مراجعت کر لیتے تو یہ غلطی نہ ہوتی اور افسوس ہے کہ اس قسم کی غلطیوں کو ہی حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب سمجھ کر حضرت کے فضل و تبحر کے بارے میں غلط فہمی ہوگی اور ایسی اغلاط حضرتؒ کے تمام امالی مطبوعہ میں بہ کثرت ہیں، بجز معارف السنن للبنوری کے کہ وہ پوری تحقیق و مراجعت فرماتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ حضرتؒ کی طرف غلط انتسابات نہ ہوں، ان کے بعد راقم الحروف بھی قلیل بضاعت کے موافق سعی کرتا ہے واللہ المعین، حال ہی میں "الانور" کے نام سے محترم جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب کوندو (کشمیری) نے حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات پر کتاب تالیف کی ہے جو ندوۃ المصنفین سے نہایت عمدگی کے ساتھ شائع بھی ہوگئی ہے، اس میں جو مضمون مولانا عبدالعلیم چشتی کراچی کا شائع ہوا ہے وہ نہایت اہم اور تحقیقی ہے، انہوں نے یہ بات بہت ہی صحیح لکھی ہے کہ حضرتؒ کے امالی درس حدیث جن حضرات نے قلمبند کئے ہیں، وہ حضرتؒ کے علوم کی گہرائی تک پہنچنے سے قاصر تھے، حتیٰ کہ مولانا گیلانی بھی باوجود اپنے وسیع و عمیق علم و فضل کے اور میں کہتا ہوں کہ حضرتؒ کے امالی قلمبند کرنے کے لئے جتنے وسیع علم و مطالعہ کی ضرورت تھی کہ ایک من علم کے لئے دس من عقل کی ضرورت تو مسلم ہی ہے، اس کے ساتھ بیس من مطالعہ کی بھی ضرورت ہے، اس کے بغیر حضرت شاہ صاحب ایسے فرید عصر، یگانہ روزگار محدث محقق کے علوم کو ضبط تحریر میں لانا جوئے شیر لانے کے مرادف تھا، یہ بات بہت لمبی ہے اور حضرتؒ کے علوم عالیہ ضائع ہونے کے کیا کیا اسباب ہوئے، کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستان اس کی"۔

ایک بڑی وجہ فیض الباری میں غلطیوں کی یہ بھی ہوئی ہے کہ حضرتؒ کے آخری دو سالوں میں احقر اور مولانا بدر عالم صاحب دونوں درس بخاری شریف میں حاضر ہوتے تھے اور دونوں ہی حضرتؒ کے ارشادات نوٹ کرتے تھے، مگر بعد میں حضرتؒ کی اردو تقریر کے الفاظ بعینہ ضبط کرنے کی کوشش کرتا تھا اور وہ ان کی عربی بنا کر لکھتے تھے، اور سنا کہ یہی طریقہ صاحب "العرف الشذی" نے بھی اپنایا تھا۔

حضرتؒ چونکہ تیزی روانی کے ساتھ اردو بولتے تھے، اس لئے بہ یک وقت ضبط کرنے اور عربی بنانے کی ڈبل ذمہ داری کو پورا کرنا بہت دشوار تھا، اور میں نہ صرف درس کے بلکہ حضرت کے مجلسی ارشادات بھی قلمبند کرنے کا عادی ہو گیا تھا، پھر یہ کہ مولانا موصوف بعد کو مراجعت کتب بھی اپنے درس وغیرہ کی مشغولی کے باعث نہ کر سکے ورنہ ضبط امالی میں جو غلطیاں حوالوں کی ہو گئی ہیں وہ تو صحیح کر ہی سکتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و تحقیقات و عالیہ کو پیش کرنا تو بڑی بات ہے، جو کتابیں آپ کی سوانح حیات پر لکھی گئی ہیں ان میں بھی غلطیاں کم نہیں ہیں، بجز نفحۃ العنبر للبنوری کے، مثلاً کسی نے لکھ دیا کہ حضرتؒ نسباً سید تھے، حالانکہ آپ کا شجرۂ نسب امام اعظمؒ کے خاندان سے متعلق ہے، کسی نے لکھ دیا کہ آپ مصر و شام گئے تھے، حالانکہ آپ صرف حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے اور کافی قیام فرما کر وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ فرمایا تھا، ہمیں تو بڑا افسوس ہے کہ اگر دارالعلوم والے حضرتؒ کو مصر و شام وتر کی بھیج دیتے اور آپ سے صحاح ستہ کی شروح لکھوا لیتے تو آج علم کی دنیا ہی دوسری ہوتی۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میری علمی یادداشتوں سے تین بکس بھرے ہوئے گھر پر ہیں، مگر وہ سب کیا ہوئے؟ ہمیں تو کچھ بھی نہ ملا حضرت نے نوادر کتب خریدنے پر بڑی رقوم صرف کی تھیں اور ان پر حواشی درج کئے تھے، مگر وہ بھی حضرتؒ کے انتقال کے بعد میں نہ مل سکیں اور جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ فروخت کی گئی ہیں تو جو کچھ بچی تھیں مجلس علمی ڈابھیل کے لئے خرید لیں، وہ کراچی میں موجود ہیں، مگر بہت بڑا اور گراں قدر حصہ بہت پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون (مؤلف)

نہیں ہے کہ وہ آدھے دن تک ان کو سر بلندی کا موقع میسر کرے، راوی حدیث حضرت سعد بن وقاصؓ سے پوچھا گیا کہ آدھا دن کتنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پانچ سو سال، حاشیہ میں صاحب فتح الودود نے محدث سہیل کا قول نقل کیا کہ اس حدیث میں زیادہ کی نفی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی مروی ہے کہ اگر میری امت کے احوال اچھے رہے تو اس کے عروج کا بقاء آخرت کے ایک دن کے برابر ہوگا ورنہ آدھے دن کے برابر رہے گا، لمعات میں ہے کہ عدم عجز کفایہ ہے حق تعالیٰ کے یہاں قرب و منزلت حاصل کرنے سے، یعنی اس کی وجہ سے امت کو پانچ سو سال تک سر بلند رہنے کا موقع میسر ہوتا رہے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سب علماء پر اس امر پر اتفاق ہے کہ دن سے مراد آخرت کا دن ہے، جو قرآن مجید کی رو سے ایک ہزار سال کا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ بڑا واہیہ اور فتنۂ عظیمہ تاتار والا پانچ سو سال کے بعد پیش آیا تھا جس سے دین کی بنیادیں ہل گئی تھیں، مگر حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا کہ ایک ہزار سال کی مدت پوری فرما دی، اس مدت میں اسلام سارے ادویان وملل پر شرق وغرب میں غالب رہا، اور اس کی شان وشوکت باقی رہی، کسی حکومت کو سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی، یہی دور غلبۂ امت محمدیہ کا تھا، اسکے بعد عالم اسلام پر یورپ کا تسلط ہوا اور زوال شروع ہوگیا، سرمیور نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کیا کہ گیارہویں صدی کے پہلے سال میں انگریزوں نے بلاد اسلام کا رخ کیا ہے، شیخ اکبر کا بھی کشف یہی تھا کہ ایک ہزار سال تک اسلام کا دبدبہ رہے گا، غالباً شیخ مجدد، شاہ عبدالعزیز اور قاضی ثناء اللہ نے بھی شیخ سے ہی لیا ہوگا۔

حاصل تشبیہیں: حدیث ابن عمرؓ اور حدیث ابی موسیٰؓ دونوں کی تشبیہوں کا حاصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اعتبار مجموعہ اور خاتمہ کا ہے، جو شخص آخر دن میں داخل ہوگا وہ اول دن میں داخل ہونے والے کے برابر اس دن کا اجر پائے گا اور باب اجتماع میں یہی اصول چلتا ہے، کیونکہ جن امور میں شرکت کے لئے بہت سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے ان میں سب کی شرکت یک دم ممکن نہیں، لہٰذا آگے پیچھے ہی داخل ہوتے ہیں، نفس دخول میں سب برابر سمجھے جاتے ہیں اگرچہ اجر وانعام میں متفاوت ہوں، اس کو یوں سمجھو کہ حق تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا اور اس میں ایک ضیافت کا اہتمام فرمایا اور سب کو دعوت دی، پھر کسی نے اجابت کی، کسی نے اعراض کیا اور ہم نے آخر میں داخل ہو کر پورے دن کا اجر موعود حاصل کیا، پس ساری دنیا خدا کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے اور اس میں آنے والوں کے ذمہ آخر دن کا کام بتلا دیا گیا ہے، جو عاجز ودرماندہ ہو کر بیٹھ گیا، اس کا اجر کم ہوگیا اور جو کام میں لگا رہا وہ پورے اجر کا مستحق ہوگیا، آخر دن تک کام کرنے والوں کے لئے دو قیراط ازل سے لکھے ہوئے تھے، اور اتفاق سے ہمیں آخر دن میں بلا کر کام پر لگایا اور ہم نے کام آخر رات تک پورا کر دیا تو ہمیں پورے دو قیراط مل گئے، کیونکہ خدا کے یہاں تو مجموع عمل اور خاتموں کا اعتبار تھا، اس پوری تفصیل سے ان دونوں حدیثوں کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی معلوم ہوگئی کہ نظر شارع میں رکوع کا مدرک رکعت کا مدرک ہوتا ہے اور رکعت کا مدرک نماز کا مدرک ہوتا ہے جس طرح ایک شخص آخر دن میں شریک عمل ہونے والا ہے، اول دن میں شریک عمل ہونے والے کی طرح ہوتا ہے۔

اس تحقیق کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں ایک بحث اور باقی رہی کہ پہلی امتوں نے کیا کمی چھوڑی تھی اور ہم نے کس چیز کو مکمل کیا، اگر شریعت مراد ہو تو اس کی اطاعت میں کمی وتقصیر ہم سے بھی ہوئی ہے جیسے پہلوں سے ہوئی تھی، کہ ہم میں بھی عاصی ومطیع ہیں، پھر اگر مقابلہ اس امت کے افاضل کا سابقین کے افاضل ہو تو یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس امت کے افاضل وخیار اور برگزیدہ حضرات کی تعداد بہ نسبت سابقین افاضل کے ضرور زیادہ اور بہت زیادہ ہے اور اگر مقابلہ کمتر وارذل سے کیا جائے تو برابری معلوم ہوتی ہے اور حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ برائیوں میں پہلوں کا بھرپور اتباع کرو گے تو بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس امت کا مقابلہ پہلی امتوں سے بحیثیت مجموعی کیا جائے کہ ان میں ان سے زیادہ بہتر قسم کے لوگوں میں ہیں، کیونکہ اتباع والی حدیث میں بھی قلت وکثرت کا کوئی ذکر نہیں ہے، غرض کم وکیف دونوں لحاظ سے یہ امت پہلی امتوں پر خیر میں بڑھ گئی ہے۔

ظہر وعصر کا وقت: آخر میں حضرتؒ نے فرمایا کہ قاضی ابوزید دبوسیؒ جواز کیائے امت میں سے تھے، اور سب سے پہلے انہوں نے علم الخلاف کو مدون کیا ہے (یہ فن فقہ سے اعم اور اصول فقہ سے نیچے ہے یعنی دونوں کے درمیان ہے) آپ نے حدیث مذکور انما اجلکم سے وقت ظہر کے دو مثل تک رہنے پر استدلال کیا ہے اور کہا کہ اگر ظہر کو صرف ایک مثل تک مانیں اس کے بعد عصر کا شروع کر دیں تو ظہر وعصر کا وقت برابر ہو جائے گا، جبکہ حدیث بتلانا چاہتی ہے کہ نصاریٰ کا وقت بھی اس امت کے زیادہ تھا اور اس امت کا کم ہے، کیونکہ دونوں اہل کتاب نے کہا کہ ہمارا کام زیادہ وقت کا ہے (وتحن اکثر علا) اس استدلال پر ابن حزم نے سخت نکتہ چینی کی ہے اور کہا کہ پہلے ہی مثل میں اتنا وقت گذر جائے گا کہ عصر کا کم رہ جائے گا، کیونکہ سایہ ٹاپیں مارتا جاتا لیجاتا ہے، اسی لئے پہلا مثل زیادہ وقت کا ہے، پھر دوسرا اس سے سریع اور تیسرا اس سے زیادہ سریع گذرتا ہے، میں کہتا ہوں کہ اعتراض درست ہے مگر اس سرعت کو ریاضی دان ہی سمجھ سکتے ہیں، تشبیہ کا موقع ہر شخص کے سمجھنے کا ہوتا ہے اس لئے ایک مثل جب کچھ زیادتی ہی مانیں گے تو وقت ظہر کی زیادتی اور عصر کی کمی محسوس ہو سکے گی، اور مثل سے کچھ اوپر تک وقت ظہر امام محمدؒ بھی کہتے ہیں اور حنفیہ کا تاخیر عصر کے لئے استدلال بھی درست ہے، جس کی تفصیل گذر چکی ہے، باقی علامہ دبوسی نے اس تاخر کو توقیت میں ڈال دیا یہ ان کی اپنی رائے ہے۔

آخری فیصلہ: حضرتؒ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ دو حدیثوں[1] میں الگ الگ مضمون بیان ہوئے ہیں، پہلی میں انما اجلکم یا انما بقاء کم سے اس امت کے لئے کمی وقت کا بیان ہوا ہے، بہ نسبت امم سابقہ کے، اور اس کو دوسری احادیث میں بھی بقدر تواتر بیان کیا گیا کہ اس امت کا وقت بہت کم ہے چنانچہ فرمایا گیا بعثت انا والساعہ کھاتیس، یعنی اپنی بعثت اور قرب قیامت کو دو انگلیوں کے قرب سے متمثل فرمایا، چنانچہ علماء نے اس امت کے زمانہ کا اندازہ دن کے سدس سے کیا (جیسا کہ علامہ شامی نے اہل بلغاریہ کے مسئلہ میں ذکر کیا) یا بقدر خمس کے جیسا کہ فتح ۳۰۲ ج ۱ طبع قدیم میں ہے (فیض ص ۱۲۸ ج ۲) لہٰذا اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال صحیح ہے اور بلا شک وقت ظہر کو ایک مثل سے زیادہ ماننا پڑے گا تاکہ وقت عصر کم رہے جو حدیث کا مقتضیٰ ہے، دوسری سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔

جس میں اہل کتاب اور مسلمانوں کی مثال بحیثیت قبول وعدم قبول ہدایت بیان ہوئی ہے کہ دوسرے اجیروں نے کہا لا حاجة لنا الی اجرک اور لک ما عملنا (ہمیں تمہارے اجر کی ضرورت نہیں یا کر دیا تمہارا کام جتنا کرنا تھا) اس مثال سے یہود ونصاریٰ کے اعراض وعدم قبول حق کی طرف اشارہ ہے اور پھر مسلمانوں کے قبول حق اور کام پورا کرنے کا حال ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ دونوں حدیثوں کے الگ الگ دو قصے اور جدا جدا مضمون ہونے کو ان کے تحت تشریح میں حافظؒ نے بھی فتح الباری ص ۲۷ ج ۲ میں ذکر کیا ہے، بلکہ حافظ نے یہ بھی لکھا کہ جس نے ان دونوں کے مضمون کو ایک قرار دینے کی سعی کی، اس نے غلطی کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] بخاری کتاب الاجارہ ص ۳۰۲ میں باب الاجارة الی نصف النہار اور باب الاجارة الی الصلوۃ العصر اور باب الاجارة من العصر الی اللیل میں تین حدیثیں بیان ہوئیں، پہلی دونوں حضرت عمرؓ اور تیسری حضرت موسیٰؓ سے اس آخری میں یہ بھی ہے کہ دوسرے اجیروں نے جب عصر تک کام کر کے چھوڑ دیا تو ان سے کہا گیا کہ اب تو دن کا حصہ تھوڑا سا ہی رہ گیا ہے اس کو پورا کر دو پھر بھی انہوں نے انکار کر دیا، تب عصر سے مغرب تک کام لینے کے لئے نئے اجیروں کو لینا پڑا، وہ آخری امت کی مثال ہے، اس سے بھی امت محمدیہ کے لئے وقت کم اور اجرت زیادہ کی بات ثابت ہوئی اور عصر سے مغرب تک وقت کم ہونا بھی ثابت ہوا، پھر حدیث میں فذلک مثلھم و مثل ما قبلوا من ھذا النور سے اشارہ قبول وعدم قبول ہدایت کی طرف واضح ہے، حافظ اور عینی نے کتاب المواقیت میں بھی اور یہاں بھی کچھ کچھ لکھا ہے دیکھ لیا جائے۔ (مؤلف)

باب وقت المغرب وقال عطآء يجمع المريض بين المغرب والعشآء.

(مغرب کے وقت کا بیان، عطاء نے کہا کہ بیمار مغرب اور عشاء کی نماز ساتھ پڑھ سکتا ہے)

۵۲۹. حدثنا محمد بن مهران قال حدثنا الوليد قال حدثنا الاوزاعی قال حدثنی ابو النجاشی اسمه عطاء بن صهيب مولىٰ رافع بن خديج قال سمعت رافع بن خديج يقول كنا نصلی المغرب مع النبی ﷺ فينصرف احدنا وانه ليبصر مواقع نبله.

۵۳۰. حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة عن سعد عن محمد بن عمرو بن الحسن بن علی قال قدم الحجاج فسألنا جابر بن عبدالله فقال كان النبی ﷺ يصلی الظهر بالهاجرة والعصر الشمس نقية والمغرب اذا وجبت والعشآء احيانا و احيانا اذا راهم اجتمعو عجل واذا راهم ابطاؤا اخرو الصبح كانوا او كان النبی ﷺ يصليها بغلس.

۵۳۱. حدثنا المكی بن ابراهيم قال حدثنا يزيد بن ابی عبيد عن سلمة قال كنا نصلی مع النبی ﷺ المغرب اذا توارت بالحجاب.

۵۳۲. حدثنا ادم قال حدثنا شعبة قال حدثنا عمرو بن دينار قال سمعت جابر بن زيد عن ابن عباسؓ قال صلى النبی ﷺ سبعا جميعا و ثمانياً جميعا.

ترجمہ ۵۲۹: حضرت عطاءؒ (حضرت رافع بن خدیج کے آزاد کردہ غلام) روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھتے تھے تو ہم میں سے ہر ایک (نماز پڑھ کے) ایسے وقت لوٹ آتا تھا کہ وہ اپنے تیر کے گرنے کے مقام کو دیکھ سکتا تھا۔

ترجمہ ۵۳۰: حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علیؓ (ابن ابی طالب) روایت کرتے ہیں کہ حجاج نماز میں بہت تاخیر کر دیتا تھا ہم نے جابر بن عبداللہ سے (اس کی بابت) پوچھا، انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کو پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت کہ آفتاب صاف ہوتا تھا اور مغرب کی جب آفتاب غروب ہو جاتا، اور عشاء کی کبھی کسی وقت، کبھی کسی وقت، جب آپ دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں، جلد پڑھ لیتے اور جب آپ دیکھتے کہ لوگوں نے دیر کی، تو دیر میں پڑھتے اور صبح کی نماز وہ لوگ، یا یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۵۳۱: حضرت سلمہ (ابن اکوعؓ) روایت کرتے ہیں کہ آفتاب غروب ہوتے ہی ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔

ترجمہ ۵۳۲: حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (مغرب اور عشا کی) سات رکعتیں ایک ساتھ پڑھیں، اور (ظہر و عصر) کی آٹھ رکعتیں ایک ساتھ پڑھیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- نماز مغرب کا وقت اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، اس لئے اس کا وقت بتلانے کی ضرورت نہ ہوئی، امام بخاری نے قال عطاء سے مریض کے لئے جواز جمع بین الصلاتین ثابت کیا، اور آخری حدیث الباب بھی اس کیلئے لائے ہیں مگر ہم اس کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں، **قوله اذا راهم** سے بتلایا کہ مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے اور بیہقی میں حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، پھر جب دیکھتے کہ لوگ جمع نہیں ہوئے تو بیٹھ جاتے تھے اور ابوداؤد باب الصلوۃ تقام میں بھی ہے، کہ حضور علیہ

السلام اقامت نماز کے وقت اگر دیکھتے کہ لوگ کم ہیں تو بیٹھ جاتے تھے، نماز شروع نہ کرتے تھے اور جب دیکھتے کہ سب آ گئے تو پڑھاتے تھے۔

باب من کرہ ان یقال للمغرب العشآء

(اس شخص کا بیان جس نے اس کو مکروہ سمجھا ہے کہ مغرب کو عشا کہا جائے)

۵۳۳. حدثنا ابو معمر ھو عبداللہ بن عمرو قال حدثنا عبدالوارث عن الحسین قال حدثنا عبداللہ بن بریدۃ قال حدثنی عبداللہ المزنی ان النبی ﷺ قال لا یغلبنکم الاعراب علی اسم صلوٰتکم المغرب قال ویقول الاعراب ھی العشاء.

ترجمہ ۵۳۳: حضرت عبداللہ مزنی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اعراب مغرب کی نماز کو عشاء کہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر (اس اصطلاح) میں غالب آ جائیں (لہٰذا تم غروب آفتاب کے بعد والی نماز کو مغرب اور اس کے بعد والی کو عشا کہا کرو)

تشریح: حافظؒ نے علامہ ابن المنیر سے نقل کیا کہ امام بخاری نے یہاں باب من کرہ ان یقال لکھا اور باب کراہیۃ ان یقال جزم کے ساتھ نہ کہا، شاید اس لئے کہ حدیث الباب کو مطلق نہی کے لئے نہ سمجھا ہو، حالانکہ اس میں غلبۂ اعراب سے نہی صاف موجود ہے، پھر بھی امام بخاری نے اس کو ممانعت کے لئے کافی نہ سمجھا (فتح ص ۳۰ ج ۲) دبے ہوئے الفاظ میں یہ ابن المنیر کا نقد امام بخاری کے ترجمۃ الباب پر ہے اور حافظ کا اس کو نقل کرنا بھی اہم ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ممانعت یہاں اس لئے بھی ہے کہ اعراب نام رکھنے میں برعکس طریقہ اختیار کرتے تھے، مثلاً یہاں مغرب کو عشاء کہتے تھے، جبکہ مغرب سے غروب کا اول وقت مراد ہوتا ہے اور عشا کا اطلاق شفق غائب ہونے کے وقت پر ہوتا ہے، یعنی اول وقت کو آخر وقت کا نام دینا بڑے مغالطہ میں ڈال دیتا ہے، اس لئے شریعت نے اس کی اصلاح کی اور چونکہ اس کے برعکس نام رکھنے کے طریقہ کو جزم کے ساتھ ممنوع فرما دیا گیا ہے، اسی لئے حضور علیہ السلام سے مغرب پر عشاء کا اطلاق کسی حدیث میں نہیں ہے، (لہذا امام بخاری کو بھی جزم کے ساتھ اس کی کراہت کو بیان کرنا تھا، نہ کہ اس کو کمزور کر کے جو عام طور سے وہ باب من کہہ کر کیا کرتے ہیں)۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ عشا کا لفظ مغرب پر اطلاق کرنے سے محظور شرعی قوی یہ ہے کہ دونوں کے احکام میں التباس ہوگا، حالانکہ دونوں کے احکام بالکل، الگ الگ ہیں برخلاف عتمہ و عشاء کے کہ وہاں ایسا محظور شرعی لازم نہ آئے گا، کیونکہ عتمہ بھی عشاء ہی کے لئے بولا جاتا ہے اور حضور علیہ السلام سے بھی اس کا اطلاق ثبوت ہوا ہے۔ (حاشیہ لامع ص ۲۲۱ ج ۱)

(تنبیہ): فیض الباری ص ۱۲۹ میں یسمون العشاء العتمہ غلط ہے، صحیح یسمون المغرب العشاء ہے، پھر واعلم سے والامر بعد سہل تک کا ٹکڑا باب ذکر العشاء والعتمہ سے متعلق ہے، یہاں بے محل جڑ گیا ہے وکم فیہ مثل ھذہ المسامحات ہم نے اب تک فیض الباری کی اغلاط کی نشاندہی ضروری نہ سمجھی تھی، مگر کچھ لوگوں نے مغالطہ دیا ہے کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے امالی میں سے سب سے زیادہ معتمد ہے اور حضرتؒ کے مطالعہ سے گزر چکی ہے، جبکہ دونوں باتیں خلاف واقعہ ہیں اور اس مغالطہ کی وجہ سے اس کی اغلاط و مسامحات حضرتؒ کی طرف منسوب ہوں گی۔ اس کا تدارک ضروری معلوم ہوا۔ واللہ المعین.